الیاس سیتاپوری کی منتخب تاریخی کہانیاں

آشنا پرست

شمع بُک ڈپو
آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

نئی کتاب: ثریا بک ڈپو، آصف علی روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

قیمت : ۱۵ روپے 15/00

طباعت: لاہوتی فائن آرٹ پریس، دہلی۔

زیرِ اہتمام: مظفرالدین احمد

پہلی بار: دسمبر ۱۹۸۴ تعداد: تین ہزار

آشنا پرست

ملک کالا کو اپنے چاروں بھائیوں کی طرح افغان ہونے پر فخر تھا۔ اس کا باپ ملک بہرام تجارت کی غرض سے ملتان آیا اور وہیں کا ہو رہا۔ اس نے اپنے آس پاس جو کچھ دیکھا اس میں تجار کو کوئی مقام حاصل نہیں تھا۔ ہر طرف حکمرانوں کے مزے تھے۔ تاجر ان کے غلام تھے۔ اور ان کی یہ مجال نہ تھی کہ کسی حکمران کی خوشنودی حاصل کئے بغیر اپنی مرضی اور من مانی قیمت پر اپنی چیزیں بیچ سکتے۔ ملک بہرام کو اس کے پیشے نے بہت مایوس کیا۔ ملتان کا حاکم اس سے جو کچھ خریدتا اس کی قیمت کا تعین بھی وہ اپنی مرضی سے کرتا۔ جس سے ملک بہرام اتفاق نہ کرنے کے باوجود مان لینے پر مجبور ہو جاتا۔ اس صورت حالات سے دل برداشتہ ہو کر اپنے پانچوں بیٹوں کو یکجا کیا اور اپنا یہ انقلابی فیصلہ سنا دیا کہ "اب سلسلۂ تجارت موقوف، تمہیں شاہی ملازمت کا پیشہ اختیار کرنا چاہیئے۔"

پانچوں بیٹوں نے باپ کی تجویز سے اختلاف کیا، کیونکہ انہوں نے آزاد فضا میں آنکھیں کھولی تھیں۔ اور انہیں فقط نوکری یا چاکری سے شدید نفرت تھی۔ ملک کالا نے باپ سے پوچھا۔ "بابا جان! ہم آزاد اور بلند و بالا کوہستانی سلسلوں کے رہنے والے ملازمت یا چاکری سے کس طرح سمجھوتہ کریں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو آخر یہ کیا سوجھی۔۔۔؟"

باپ نے جواب دیا۔ "میرے بچو! جس کو تم اپنی نادانی سے ذلیل اور حقیر سمجھ رہے ہو۔ وہ دراصل وسیلۂ ظفر ہے۔ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ تم بقالوں کی نوکری کرو یا کسی تاجر کی چاکری میں چلے جاؤ۔ تم جنگجو خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔ اس لیے شاہوں کی ملازمت میں چلے جاؤ۔ شاہوں کی ملازمت سے تمہیں جو فائدے حاصل ہوں گے ان میں وہ سرفہرست اور گراں مایہ ہیں۔"

بڑے بیٹے ملک سلطان شہ نے حیرت سے پوچھا۔ "بس وہ فائدے بتا دیجیے باقی میں خود سمجھ لوں گا۔"

باپ نے جواب دیا۔ "اس کا ایک فائدہ تو یہ حاصل ہو گا کہ تجارت نے ہمارے ہتھیار دیں

کو جو زنگ لگا دیا ہے وہ مزید نہیں لگے گا۔ اور ہم اپنے ہتھیاروں کو دوبارہ کارآمد کر سکیں گے۔ دوسرا بڑا فائدہ یہ حاصل ہوگا کہ اس طرح آسانی سے ہمیں حکومت مل سکتی ہے اور ہم ہندوستان کے بادشاہ بن سکتے ہیں۔"

ملک کالا نے ہنستے ہوئے باپ کی طرف دیکھا اور طنزاً کہا۔ "بابا جان! یہ آپ کی سوچ کیا ہوگئی ہے۔ بادشاہ اور تاجر میں زمین آسمان کا فرق موجود ہے چنانچہ ایک بادشاہ اگر چاہے تو بہترین تاجر بن سکتا ہے لیکن ایک تاجر بہترین حکمران نہیں بن سکتا۔"

ملک بہرام اپنی جگہ سے اٹھا اور دیوار پر سجے ہوئے ہتھیاروں کو اتار اتار کر اپنے جسم پر سجانے لگا۔ تلوار کو نیام میں ڈال کر پہلو میں لٹکایا اور ترکش بائیں طرف پشت پر ڈال لی۔ کمان بغل سے گزر کر دائیں طرف شانے پر چلی گئی۔ خنجر بائیں طرف چست پاجامے میں اڑس لیا گیا۔ ادھر سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ملک کالا کو جواب دیا۔ "ہاں تو تو کیا کہہ رہا تھا؟ بادشاہ اور تاجر میں زمین آسمان کا فرق کس طرح پایا جاتا ہے اور تجھ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ ایک بادشاہ اگر چاہے تو بہترین تاجر بن سکتا ہے مگر ایک تاجر بہترین حکمران نہیں بن سکتا۔ ملک کالا! میری بات ذرا غور سے سن! جس طرح ایک بادشاہ اچھا تاجر بن سکتا ہے، اسی طرح ایک تاجر بہترین حکمران بھی بن سکتا ہے۔ ان دونوں میں چند قدریں مشترک پائی جاتی ہیں۔ دونوں ہی انسانوں کی سرشت سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔ انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کون شخص کس جگہ رکھا جاتا ہے۔ انسانوں کو اپنی خواہش اور مرضی کا تابع کس طرح رکھا جا سکتا ہے۔ دونوں ہی اپنا مقصد حاصل کرنے میں بے رحم اور سفاک ہوتے ہیں۔ بلا کے مصلحت اندیش اور غضب کے مطلب پرست۔ اپنے معمولی فائدے پر دوسرے کا بڑا نقصان کر دینا، سودا کرنے میں خسارے کا خیال تک دھیان میں نہ لانا۔ کیا یہ وہ خوبیاں نہیں ہیں جو ایک حکمران اور تاجر میں یکساں پائی جاتی ہیں۔"

ملک بہرام کے پانچوں بیٹے لاجواب ہو گئے۔ انہوں نے عقیدت و احترام سے والد کی طرف دیکھا اور پھر اس کی اتباع اور تقلید میں اپنے اپنے جسموں پر ہتھیار سجانے لگے۔

ان لوگوں نے تجارت کو بالائے طاق رکھا اور ملتان کے حاکم ملک مردان دولت کی ملازمت اختیار کر لی اور پانچوں بیٹے اپنے باپ کی سرپرستی اور نگرانی میں امور جہانبانی اور رموز جہانگیری کا درس لینے لگے۔ باپ کا انتقال ہوا تو ملک سلطان شاہ تغلق دربار سے وابستہ ہو گیا۔ ملتان کا حاکم مردان دولت چل بسا اور اس کی جگہ خضر خان نے سنبھالی۔ اس نے ملک سلطان شاہ کے غیر معمولی کارناموں سے متاثر ہو کر اس کو اسلام خان کے لقب سے نواز دیا اور اس نے اپنے مرحوم باپ کی طرح اپنے چاروں بھائیوں کی ذمہ داری بھی قبول کی۔ کچھ عرصہ بعد خضر خان نے اسلام خان

کو سرہند کا حاکم بنا دیا۔ اور یہ لوگ ملتان سے سرہند چلے گئے۔ وہاں بڑے بھائی اسلام خان کا طوطی بولنے لگا۔ اور بقیہ چاروں بھائی بھی اسلام خان ہی کے ساتھ رہنے لگے۔

ملک کالا کی بے چین طبیعت اپنے بھائی کی سرپرستی کے خلاف قدم اٹھانے کو سوچ رہی تھی۔ ملک کالا کی شادی خالہ زاد بہن سے کر دی گئی۔ اور اس طرح ملک کالا گھر نامی ایک چھوٹی سی ریاست کا حکمران ہو گیا۔ اس نے اپنے بھائی سے درخواست کی کہ اس کو بھی دہلی کے حکمران سے سفارش کر کے چند پرگنے دلوا دیئے جائیں۔ جہاں وہ حکومت بھی کرے اور حکمرانی کے سبق بھی لیتا رہے۔ بھائی اسلام خان کی جنبش ابرو سے دکدالا پرگنے کی حکومت ملک کالا کے سپرد ہو گئی اور وہ اپنی بیوی کو لے کر دکدالا چلا گیا۔

ملک کالا نے دکدالا میں ایک چھوٹی سی بستی کو اپنے روبرو دست بستہ کھڑے دیکھا تو حکومت کا مزہ آ گیا۔ اس کی بیوی پردے کے پیچھے سے اپنے شوہر کی بڑائی اور عظمت کا نظارہ کر رہی تھی اور پھولی نہ سماتی تھی۔ کچھ دیر بعد جب ملک کالا اندر اپنی بیوی کے پاس پہنچا تو اس کے چہرے کی شادمانی رخصت ہو چکی تھی اور سپاٹ چہرے پر قناعت کا نام و نشان تک نہ پایا جاتا تھا۔ بیوی نے اپنے شوہر کو سراہا۔ "شاید ہم لوگوں نے کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا کہ تجارت کرتے کرتے سیادت حاصل کر لیں گے۔ آج جب میں نے دکدالا کے لوگوں کو آپ کے روبرو دست بستہ کھڑے دیکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا گویا میرا دل فرط خوشی سے دھڑک کر سینے سے باہر آ جائے گا۔"

ملک کالا نے سرد مہری سے بیوی کی طرف دیکھا اور مستحکم لہجے میں جواب دیا۔ "تیری طرح میں بھی بہت خوش ہوا تھا، مگر ذرا سی دیر کے لئے پھر میں یہ سوچ کر ملول ہو گیا کہ ایک ذرا سے پرگنے کی حکومت ہی کیا! میں پرگنے پر حکومت کروں گا۔ مجھ پر دوسرے کی حکومت کریں گے۔ اب میں اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتا جب تک کہ پورا ہندوستان میرے روبرو دست بستہ نہ کھڑا ہو جائے۔ میں پورے ملک کا حکمران بننا چاہتا ہوں۔ تاکہ میں اپنے روبرو ہر ایک کو دست بستہ کھڑا کر سکوں مگر مجھے کوئی بھی کھڑا نہ کر سکے۔"

بیوی کے پیٹ میں درد اٹھا اور اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے کوکھ دبائی اور جہاں کھڑی تھی، وہیں بیٹھ گئی۔

ملک کالا بھاگ کر اس کے پاس پہنچا اور اس کی پشت سہلانے لگا۔ پوچھا۔ "کیا بات ہے! یہ درد کیسا؟ کون سا مہینہ چل رہا ہے یہ۔۔۔؟"

بیوی نے ہونٹوں کو دبا کر درد کو برداشت کرنے کی کوشش کی۔ اور رک رک کر جواب دیا "دن پورے ہو چکے ہیں۔ دائی کہتی ہے کہ آنے والا کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔"

ملک کالا نے زچ ہو کر حکم دیا۔ "ارے کوئی ہے؟ بھاگ کر جا اور دائی کو بلا لا۔" اس کے بعد بیوی سے کہا۔ "ان دنوں تو بڑی سخت گرمی پڑ رہی ہے۔ نومولود اس گرمی کو کس طرح برداشت کرے گا؟"

وہ کچھ دیر کے لئے سر جھکا کر بیٹھ گیا، اور معلوم نہیں کیا کچھ سوچتا رہا۔

بیوی بدستور زمین پر بیٹھی منہ ٹیڑھا ترچھا کر رہی تھی۔ اس نے اپنے شوہر کو اپنی طرف سے لاپرواہ اور خیالوں میں گم دیکھا تو آہستہ سے کہا۔ "جناب، ذرا سی زحمت تو ہوگی مجھے میرے بستر تک پہنچا دیجئے۔"

ملک کالا چونک کر کھڑا ہو گیا۔ اور اپنے چوڑے چکلے ہاتھوں پر اپنی بیوی کو اٹھا کر بستر پر آہستہ سے لٹا دیا، بولا۔ "بیگم! برا نہ ماننا اس وقت میں تیری ہی بابت سوچ رہا تھا۔ میں نے تیرے اور تیرے بچے کے لئے ایک نئی کوشک بنوا دی ہے۔ اس کی چھت پر مٹی کی تہہ جمائی جا رہی ہے تاکہ وہ گرمی سے بچی رہے، اور کوشک کے نیچے نومولود اور تو بڑے آرام سے پڑی آرام کرتی رہ۔"

بیوی نے درد کی اذیت سے منہ بنایا اور آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ دیر بعد دائی آ گئی اور ملک کالا کو باہر چلا جانا پڑا۔ وہ بڑی بے چینی سے ٹہل ٹہل کر دائی کا انتظار کرنے لگا۔ مکان کے باہر ملک کالا کے لوگ غمگساری میں جمع ہو رہے تھے۔ کیونکہ انہیں یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ پرگنہ دار ملک کالا کی بیوی کی حالت نازک ہے۔ بستی کی عورتیں اندر دائی کے پاس چلی گئیں اور حاملہ کی دیکھ بھال اور تیمارداری میں مدد کرنے لگیں۔ ملک کالا نے ایک عورت کو دائی کے پاس بطور خاص بھیجا اور اس سے کہا کہ "تو دائی سے بس اتنی بات کر لے کہ کوئی خاص بات تو نہیں ہے۔ اور یہ کہ حاملہ کی زندگی کو کوئی خطرہ تو نہیں۔؟"

ذرا سی دیر بعد عورت واپس آ گئی اور اس نے مطلع کیا کہ یوں تو کوئی خطرہ نہیں مگر زندگی اور موت پر انسان کو قدرت بھی حاصل نہیں ویسے دائی کہتی ہے کہ ابھی دو تین دن اور لگیں گے۔

ملک کالا کو ذرا اطمینان ہوا تو وہ زیر تعمیر کوشک کی طرف چلا گیا۔ جو اس مکان سے ملحق تیار ہو رہی تھی۔ بہت سے مزدور چھت پر چڑھے مٹی کی تہہ جما رہے تھے۔ پاڑ بندھی ہوئی تھی اور نیچے سے اوپر تک مزدوروں کے ہاتھ مٹی کے ٹوکروں کو خود کار عمل کی طرح ایک سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے اور تیسرے سے چوتھے تک پہنچانے میں مصروف تھے۔ انہوں نے اپنے سامنے ملک کالا کو دیکھا تو کام میں زیادہ تیزی آ گئی۔ انہی میں ایک ایسا مزدور بھی تھا جس میں دوسروں جیسی تیزی نہیں تھی اس کی عمر بھی چالیس سے اوپر رہی ہوگی۔ اس نے اچٹتی نظروں

سے ملک کالا کو دیکھا اور اس کے کام میں عارضی طور پر چستی پیدا ہو گئی۔

ملک کالا کے آس پاس مصاحب صفت بھی موجود تھے۔ ان میں ایک دبلا پتلا منحنی سا شخص بھی تھا۔ ملک کالا نے اس سے پوچھا۔ "تو تو اس بستی کا پرانا باسی ہے شاید؟"

اس نے جواب دیا۔ "جی بندہ پرور! فرمائیں میں تین پشتوں سے اس بستی میں۔۔۔"

ملک کالا نے اس کی بات کاٹ دی اور سست مگر عارضی چست مزدور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کون شخص ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کا کام میں دل نہیں لگ رہا اور شاید یہ اپنے اس کام سے خوش بھی نہیں ہے؟"

مصاحب مسکرانے لگا، بولا۔ "آپ نے درست اندازہ لگایا۔ خدا نے کیا نظر بخشی ہیں آپ کو، کمال کی بات کہہ دی آپ نے۔ جناب یہ وہ شخص ہے جس کا باپ کبھی پرگنہ دار ہوا کرتا تھا۔ مگر اس کی بدقسمتی نے اپنے ہی دھن اور اپنی ہی آبائی حکومت میں مزدور بنا کے اس کے ساتھ سنگین مذاق کیا ہے۔"

ملک کالا کو اور زیادہ مزہ آیا۔ خوش قسمتی اور اقبال مندی نے سابق حاکم کی اولاد کو اس کا محکوم بنا دیا تھا۔ ملک کالا اس مزدور کے پاس خود گیا اور اس کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا۔ "دوست! صبر کر، ابھی ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرا باپ یہاں کا پرگنہ دار ہوا کرتا تھا۔ اور یہاں تیری حکومت تھی لیکن اس وقت تو محکوم ہے، اور میں حاکم۔ اگر تو صاحب حوصلہ ہے تو اچھے دنوں کی امید میں صبر کر، اور اگر دون ہمت ہے تو اپنے اس حال پر قانع رہ۔"

اس شخص نے مٹی کا ٹوکرا اپنے اگلے ساتھی کو سونپ دیا اور خود ملک کالا کے پاس آ کھڑا ہوا۔ بولا۔ "ملک کالا! یہ وقت وقت کی بات ہے اگر تیرا بھائی سرہند کا حاکم اور دہلی دربار میں اثرات کا حامل نہ ہوتا تو تجھے یہ جگہ نہ ملی ہوتی۔ اور میں مزدوروں کی صف میں نہ کھڑا ہوتا۔ میں اپنی جگہ پر مطمئن ہوں کہ میں نے جو اعزاز، مرتبہ اور عزت کھوئی ہے۔ اس میں میری نااہلی سے زیادہ تیرے بھائی اسلام خان کی زبردستی شامل تھی۔ اور تو نے جو یہ مقام حاصل کیا ہے تو اس میں تیری لیاقت اور صلاحیت کا کوئی ہاتھ نہیں۔ تیرے بھائی اسلام خان کے لمبے ہاتھوں نے تجھے سرہند سے اٹھا کر یہاں بٹھا دیا ہے اور تو مزے میں حکومت کرنے لگا، کل کسی اور کے تیرے بھائی سے زیادہ لمبے ہاتھ کسی اور کو تیری جگہ بٹھا دیں گے۔ اور شاید اس وقت تو یا تیری اولاد میری طرح زبردستی کھڑی کر دی جائے۔ اس میں صاحب حوصلہ یا دون ہمت ہونا کیسا ہے؟"

ملک کالا کو اس جرأت مندانہ جواب پر غصہ آ گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ "اس کو اوپر سے نیچے گرا دیا جائے۔ تاکہ اس کے دل و دماغ میں موجود خاندانی برتری کا رہا سہا احساس بھی

رخصت ہو جاتے۔"

حکم کے بندوں نے اس پر یلغار کر دی اور تقریباً دو گز کی بلندی سے کھینچ کر نیچے گرا دیا۔ وہ پشت کے بل زمین پر گرا تو اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔ وہ اس وقت بھی ہوش میں تھا۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ ملک کالا کی شکل اچھی طرح دیکھے لیکن اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے گہری اور دبیز دھند کی چادر حائل محسوس کی۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ سے کرتے کا دامن پکڑا اور دوسرے سے منہ کا خون پونچھنے لگا۔ ساتھ ہی ملک کالا سے کہا۔ "بدبخت داد! یہ تو نے اچھا نہیں کیا۔ میں جس کنبے کا کفیل ہوں۔ اس میں چار لڑکیاں، دو لڑکے اور ایک بیوی شامل ہیں۔ میری بددعاؤں میں ان کی بددعائیں بھی شامل ہو جائیں گی۔ پھر معلوم نہیں تیرا کیا حشر ہو۔ شاید میرے باپ نے یوں ہی کسی کو ستایا ہوگا۔ جو مکافاتِ عمل کی چکی میں پس رہا ہوں۔"

ملک کالا نے درشت لہجے میں اپنے منشی صاحب کو حکم دیا۔ "میں جا رہا ہوں اس کو اس کے گھر بھجوا دیا جائے۔"

منشی صاحب نے اس کو گھر بھجوا دیا۔ ملک کالا دوبارہ اپنی بیوی کے پاس پہنچا۔ وہ بستر پر دراز کراہ رہی تھی۔

تیسرے دن ملک کالا نے دیو ولا کی مسجد میں فجر کی نماز ادا کی۔ وہاں اس کے بالکل پیچھے منشی صاحب بھی موجود تھا۔ ملک کالا نے نماز کے بعد مسجد سے نکلنا چاہا تو منشی صاحب نے اس کو روک لیا اور سرگوشی میں کہا۔ "جناب! پرسوں والا شخص رات مر گیا۔"

ملک کالا نے بے اختیار اس کا جملہ دہرایا۔ "پرسوں والا شخص مر گیا؟ کیا مرض تھا اس کو؟ کیوں مر گیا۔۔؟"

صاحب نے جواب دیا۔ "کہتے ہیں اوپر سے گرنے کی وجہ سے اس کے پھیپھڑے زخمی ہو گئے تھے۔"

ملک کالا کے دل پر اس خبر سے کوئی اثر نہیں ہوا۔ ہنس کر بولا۔ "حاکموں کو دو مردوں کی جبر سنگ کے لیے معلوم نہیں کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

صاحب نے بھی ہنس کر کہا۔ "کچھ زبانیں یہ کہتی پھر رہی ہیں کہ مرحوم کا جب کوئی جرم ہی نہ تھا تو اسے گرا کر ہلاک کیوں کیا گیا؟"

ملک کالا نے سختی سے جواب دیا۔ "انہیں بتا دے کہ مرنے والا خدا کا ناشکرا اور شاکی تھا۔ اس ناشکرے اور خدا کے شاکی کو میں نے کوئی سزا نہیں دی، اس کو تو خدا نے سزا دی ہے۔"

صاحب استفہامیہ نظروں سے ملک کالا کو دیکھنے لگا۔

ملک کالا نے درشتی سے کہا۔ "میری شکل کیا دیکھتا ہے۔ وہ جس خاندان سے تعلق رکھتا ہے، میں نہیں جانتا، لیکن اگر لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ عزت دار گھرانے کا فرد تھا۔ اور بدقسمتی نے اس کو خوار و زبوں کر رکھا تھا تو مرحوم کا یہ فرض تھا کہ اپنی خواری اور زبوں حالی کو منجانب اللہ سمجھ کر شاکر و قانع ہو جاتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، اور اپنی سزا کو پہنچا۔"

صاحب نے آہستہ سے عرض کیا۔ "جناب والا! میں نے تو ایک عجیب بات سنی ہے۔"

ملک کالا نے پوچھا۔ "وہ کیا؟"

صاحب نے جواب دیا۔ "ایک ایسی بات کہ عقل باور نہیں کرتی، کان اعتبار نہیں کرتے۔"

ملک کالا نے صاحب کو شانوں سے پکڑ لیا اور مسجد کے اندر منبر کے پاس لے چلا گیا، بولا۔ "وہاں کھڑے کھڑے باتیں کرنے میں مزہ نہیں آ رہا تھا۔ اب بتا وہ کون سی بات ہے جو عقل باور اور کان اعتبار کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔"

مسجد کا امام اس وقت بھی وہیں موجود تھا۔ اس نے دونوں کو ٹوک دیا۔ "جناب! یہ خدا کا گھر ہے، یہاں بیٹھ کر دنیاداری کی باتیں نہیں کرنا چاہئیں۔"

ملک کالا نے اس کو ڈانٹ دیا۔ "چپ رہ، ورنہ کل سے کسی اور امام کو کھڑا کر دوں گا۔"

امام نے جواب دیا۔ "میں چپ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ظالم کو اس کے منہ پر ظالم کہہ دینا بھی دینداری اور تقویٰ میں آتا ہے۔ اگر تو مجھے یہاں سے نکال دے گا تو میں بھی یہاں سے ہنسی خوشی چلا جاؤں گا۔ ظلم و زیادتی کی سرزمین سے نکل جانا خوش قسمتی میں داخل ہے۔"

ملک کالا کو غصہ تو بے حد آیا لیکن برداشت سے کام لیا، بولا۔ "اچھا اب اپنی ٹرٹر تو بند کر، تجھ سے بعد میں بھی باتیں ہو سکتی ہیں۔" پھر فوراً ہی صاحب سے کہا۔ "ہاں تو اب تو بتا کہ وہ کیا بات ہے۔۔؟"

صاحب نے عرض کیا۔ "جناب والا! مرحوم کے ورثاء کا بیان ہے کہ جب وہ نزع کے عالم میں تھا تو ہنس رہا تھا اور ہنس ہنس کر کچھ کہہ رہا تھا کہ میں نے ظالم پر لگے وار سے اپنا بدلہ لے لیا۔ میں نے ملک کالا سے انتقام لے لیا۔"

ملک کالا نے پھیکی مسکراہٹ سے کہا۔ "ایسا وہ ہذیان میں کہہ رہا ہوگا۔"

صاحب نے جواب دیا۔ "جناب والا! مرنے سے پہلے اس نے اپنے جن عزیزوں سے جو جو باتیں کی ہیں ان سے آپ کے خیال کی تردید ہو جاتی ہے۔"

ملک کالا نے چڑ کر کہا۔ "مجھے تو کچھ پتہ نہیں کہ اس نے مجھ سے کس قسم کا انتقام لیا ہے۔ جس کا مجھے یا کسی اور کو کوئی علم نہیں؟"

مصاحب نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا۔ "حضور والا! اس لاعلمی میں کسی اور کو نہ شامل کیجئے آپ کو اس کا علم نہیں لیکن مجھے اور دوسروں کو اس کا ادھورا علم ہے۔"

ملک کالا سہم گیا۔ نرمی سے پوچھا۔ "تجھے علم ہے؟ کیا علم ہے؟ اس نے مجھ سے کس قسم کا انتقام لیا ہے کہ میں اس سے بے خبر ہوں؟"

مصاحب نے عرض کیا۔ "حضور والا! مرحوم کہہ رہا تھا کہ میں تو مر جاؤں گا مگر میں نے ایک ایسا انتظام کر دیا ہے جس سے پرگنہ دار کی بیوی اور نومولود بچہ دونوں ہی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔"

ملک کالا تڑپ کر کھڑا ہو گیا۔ "یہ کیا کہہ رہا تھا وہ؟ اس کا مطلب ہے وہ میری بیوی اور میرے نومولود کو آخر کس طرح ہلاک کرے گا؟ کیا آسیب بن کر؟ یا اس نے اس کام پر کسی اور کو متعین کر دیا ہے؟"

مصاحب نے عرض کیا۔ "حضور والا! میں کچھ نہیں جانتا۔ لیکن میرے کانوں نے جو کچھ سنا تھا آپ کے گوش گزار کر دیا۔"

ملک کالا انتہائی فکر مند تھا اور مصاحب کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ۔ "جا، اور اس سلسلے میں کچھ اور معلومات کرنے کی کوشش کر، ویسے میں اپنی بیوی کے گرد پہرہ بٹھائے دیتا ہوں۔"

ملک کالا سیدھا اپنی بیوی کے پاس جا پہنچا اور اس کے آس پاس موجود عورتوں کو شک و شبہ سے دیر تک دیکھتا رہا۔ عورتوں نے خوف اور پریشانی میں اپنے منہ پھیر لئے، اور وہاں سے سرکنے کی سوچنے لگیں۔

ملک کالا نے سبھی عورتوں کو مخاطب کیا۔ "کیا تم میں کوئی ایسی عورت بھی ہے جس کا تعلق سابق پرگنے دار کے خاندان سے ہو۔؟"

سب نے ایک منہ جواب دیا۔ "نہیں! ہم میں سے کسی کا بھی مذکورہ خاندان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

ملک کالا نے تہدید آمیز لہجے میں کہا۔ "پھر بھی تم سب کان کھول کر سن لو کہ اگر تم میں سے کسی ایک نے بھی میری بیوی اور میرے نومولود کو دکھ پہنچانے کی کوشش کی تو میں اس سے نہایت بھیانک انتقام لوں گا۔ ایسا بھیانک کہ دوسرے ہمیشہ یاد رکھیں گے۔"

لیکن ملک کالا اس دھمکی کے بعد بھی مطمئن نہ ہوا۔ اور اس نے ان تمام خواتین کو اپنی بیوی کے پاس سے ہٹا دیا۔ اور ان کی جگہ چار نہایت قابل اعتبار عورتیں اپنی بیوی کے پاس بٹھا دیں۔ ان عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ "بیوی کی جان خطرے میں ہے اس کو ہر حال میں بچانا ہے۔"

شام سے پہلے ہی اس نے اپنے مکان کو بھی چھوڑ دیا اور نئی کوٹھی میں منتقل ہو گیا۔ اب اس کو یہ اطمینان تھا کہ اس نئی اور مضبوط کوٹھی میں اس کی بیوی اور اس کے پیٹ میں پلنے والا بچہ ہر طرح محفوظ اور مامون ہیں اس نے کوٹھی کے اردگرد پہرے دار بٹھا دیئے اور انہیں حکم دیا کہ کسی بھی شخص کو اندر نہ جانے دیا جائے۔

اس نے شام تک مصاحب کا بڑی بے چینی سے انتظار کیا اور جب وہ نہیں آیا تو اس کو شبہ گزرا کہ مصاحب کو غالباً سب کچھ معلوم ہے مگر وہ کسی وجہ سے بتا نہیں رہا ہے اس نے مصاحب کے گھر دو آدمی بھیج دیئے اور انہیں حکم دیا کہ وہ جس حال میں بھی ہو پکڑ لاؤ۔

مغرب کی نماز مسجد میں ادا کی۔ مصاحب نمازیوں میں بھی نہیں تھا۔ ملک کالا نماز پڑھ چکنے کے بعد وظیفہ پڑھنے لگا اور مسجد سے رخصت ہونے والے نمازیوں کو دیکھتا رہا۔ امام اب بھی مسجد میں موجود تھا۔ اس نے ملک کالا کو نفرت آمیز نظروں سے دیکھا اور اپنے حجرے کی طرف جانے لگا۔

ملک کالا نے اس کو آواز دی۔ "امام ٹھہر جا! میں تجھ سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

امام نے طنزاً پوچھا۔ "پرگنہ دار کیا کسی دوسرے امام کا انتظام کر لیا ہے۔؟"

ملک کالا نے جواب دیا۔ "نہیں، تو نماز پڑھاتا رہ، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بس میرے معاملات میں دخل دینے سے پرہیز کر۔"

امام نے کہا۔ "یہ خیال خام نکال دے اپنے دل سے۔"

ملک کالا نے درشت لہجے میں کہا۔ "عجیب بے ہودہ انسان ہے تو۔ ہر وقت جھگڑے فساد پر آمادہ رہتا ہے، ارے احمق میں تجھ سے چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں، کیونکہ ان کے جوابات تجھ سے بہتر کوئی اور نہیں دے سکتا۔"

امام کو خوشی ہوئی کہ ملک کالا اس کے علم و فضل کا اعتراف کر رہا تھا۔ ایک دم نرم پڑ گیا پوچھا۔ "ہاں پوچھ، کیا پوچھنا چاہتا ہے تو۔"

ملک کالا نے پوچھا۔ "کیا دنیا میں ارواح خبیثہ موجود ہیں؟"

امام نے علمی جواب دیا۔ "بد اعمال اور سفلہ افعال کے مرتکب انسانوں میں ارواح خبیثہ ہی تو ہوتی ہیں جو دنیا میں فتنہ و فساد پھیلاتی رہتی ہیں۔"

ملک کالا نے تلخی سے کہا۔ "خدا تجھے غارت کرے، تو خواہ مخواہ ہیرا پھیری کی باتیں کر رہا ہے۔ میں تجھ سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ مرے ہوئے برے آدمیوں کی روحیں کیا اس دنیا میں موجود رہتی ہیں اور تو کوئی اور ہی جواب دے رہا ہے۔"

امام نے جواب دیا۔ "ہاں جو لوگ توبہ استغفار کے بغیر ناپاک ہی مر جاتے ہیں ان کی روحیں اس دنیا میں آوارہ و پریشان پھرتی رہتی ہیں۔"

ملک کالا کے چہرے پر بشاشت اور تازگی دوڑ گئی۔ "خدا تیرا بھلا کرے، اب کام کی بات کی تو نے۔ اب یہ بتا کہ اگر کوئی ایسی روح کسی شخص کو ستانے لگے تو اس سے حفاظت کیوں کر حاصل کی جاتی ہے۔؟"

امام نے جواب دیا۔ "اس کے لئے آیات ربانی ہیں۔"

ملک کالا نے کہا۔ "امام! سابق پرگنہ دار کے بیٹے کی روح میری بیوی کو ستا رہی ہے۔ تو اس سلسلے میں میری مدد کر، میں نے سنا ہے کہ اس نے مرنے سے پہلے بددعا بھی دی ہے کہ وہ میری بیوی اور اس کے پیٹ میں پرورش پانے والے بچے سے انتقام لے گا۔ خدا کے لئے تو میری مدد کر میں بہت پریشان ہوں۔"

امام نے سکوت اختیار کیا۔ کچھ دیر بعد کہا۔ "اگر یہ بات درست ہے تو میں تمہاری مدد ضرور کروں گا۔"

ملک کالا نے کہا۔ "تو اسی وقت میرے ساتھ چل۔ اب وقت نہیں ہے۔"

لیکن اسی وقت مسجد کے دروازے سے کسی کے کھنکارنے کی آواز سنائی دی۔ امام اور ملک کالا نے ایک ساتھ دروازے کی طرف دیکھا وہاں منشی صاحب ملک کالا کے دو آدمیوں میں گھرا کھڑا تھا۔ ملک کالا فوراً اٹھ کر باہر چلا گیا۔

ملک کالا باہر جاتے ہی اپنے مصاحب پر گرم ہو گیا۔ "تو کہاں مر گیا تھا اگر میں تجھے بلوا نہ تو شاید تو ابھی نہ آتا۔ بتا کیا کچھ معلوم ہوا؟"

منشی صاحب نے جواب دیا۔ "میں معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جیسے ہی معلوم ہو گا۔ آپ کو بتا دوں گا۔"

ملک کالا نے اس کو اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ گر گیا۔ چیخ کر کہا۔ "جا! بھاگ جا اور اس وقت تک نظروں سے دور رہ، جب تک کہ پوری بات معلوم نہ کر لے۔"

مصاحب اٹھ کر یوں بھاگا جس طرح زنداں سے کوئی قیدی۔

ملک کالا نئی کوٹھی پہنچا تو پہرے داروں کے حسن انتظام سے جی خوش ہو گیا۔ اندر بیوی

پھولوں کے بستر پر دراز میٹھی نیند سو رہی تھی۔ ملک کالا اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ مختلف پھولوں کی ملی جلی خوشبو سے پورا کمرہ مہک رہا تھا۔ وہ بیوی کے چہرے پر جھک گیا۔ بیج خانہ شمع کی روشنی میں بیوی کا سرخ و سفید چہرہ دہر دہر ہو رہا تھا۔ سیاہ زلفوں کی چند لٹیں پیشانی پر سے گزرتی ہوئی آنکھوں پر سایہ فگن ہو گئی تھیں۔ ملک کالا کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ اس نے بیوی کے چہرے پر جھک کر جذباتی آواز میں کہا۔ "بیوی! تو نہیں جانتی کہ میں تجھے کتنا چاہتا ہوں اگر تجھے کچھ ہو گیا تو میرا کیا بنے گا۔؟"

سوئی ہوئی بیوی خاموش رہی، ملک کالا نے ایک بار پھر اپنی بیوی کے دونوں رخسار چوم لئے اور کسی نامعلوم خوف سے کانپنے لگا۔ وہ بڑی دیر تک بیوی کے پاس بیٹھا ممکنہ خطرات اور نقصانات پر غور کرتا رہا۔ کافی رات گئے وہ اٹھا اور اپنی پرانی قیام گاہ پر چلا گیا۔ نصف رات کے بعد اس کا منشی مصاحب بھی پہنچ گیا۔ اور نہایت رازداری سے کہنے لگا۔ "جناب وہ معمہ حل ہو گیا۔ آپ اپنی بیوی کو بہتر ہے نئی کوٹھی سے یہیں اس مکان میں بلوا لیں۔ بس سارا خطرہ ٹل جائے گا۔"

ملک کالا نے کہا۔ "لیکن پوری بات تو تو نے بتائی نہیں، میں اس کو کوٹھی سے یہاں کیوں بلوا لوں۔؟"

مصاحب نے کہا۔ "آپ میری بات نہیں سمجھ رہے۔ میں جو کہہ رہا ہوں کہ وہ کوٹھی ہی دراصل خطرے کی جگہ ہے آپ انہیں یہاں بلوا لیں باقی تفصیل کسی اور وقت میں بیان کر دوں گا۔"

ملک کالا نے نہایت غصّہ میں جواب دیا۔ "اگر تو مجھ سے بس اتنی بات کہنے آیا ہے تو تو اسی وقت دفعان ہو جا، میں بیوی کو نئی کوٹھی سے اس لئے یہیں بلواؤں گا کہ وہ اس جگہ سے زیادہ محفوظ ہے۔"

مصاحب نے تلملا کر جواب دیا۔ "دیکھئے جناب! آپ مجھ پر اعتماد کیجئے اور اپنی بیوی کو یہیں بلوا لیجئے۔ کیونکہ مرحوم پرگنے دار کے مرحوم لڑکے نے اپنے گھر میں کسی کو بتلایا تھا کہ نئی کوٹھی کمزور بنیادوں پر تعمیر ہوئی ہے۔ اس لئے وہ کسی وقت بھی ڈھ سکتی ہے اور اس وقت اس کے نیچے جو بھی ہو گا ہلاک ہو جائے گا۔"

ملک کالا دیوانہ وار اٹھا اور نئی کوٹھی کی طرف بھاگا۔ کئی جگہ ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچا۔ اس کے پیچھے پیچھے مصاحب بھی چلا۔ ان دونوں ہی نے دور سے کوٹھی کے پاس لوگوں کا مجمع دیکھا۔

دفعتاً لوگوں نے ملک کالا کو دیکھ کر چلانا شروع کر دیا۔ "جناب کوشک گر گئی اندر جو بھی موجود تھا کچلا گیا۔"

ملک کالا کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا لیکن مصاحب کو یقین آ گیا۔ چیخ مار کر رونے لگا، بولا۔ "جناب! میں آپ سے بار بار کہہ رہا تھا کہ جلدی کیجئے، جلدی کیجئے، لیکن آپ نے میری بات کو کوئی اہمیت ہی نہ دی اور اتنا بھیانک حادثہ پیش آ گیا، اب کیا ہوگا۔؟"

ملک کالا کوئی جواب دیئے بغیر زمین پر ڈھیر کوشک کے کھنڈر میں گھس کر بیوی کو آوازیں دینے لگا۔ اس کے ساتھ تین چار آدمی اور ہو گئے۔ ملک کالا کوشک کی چھت والے حصے میں داخل ہو گیا اور جلدی جلدی اس کا ملبہ ہٹانے لگا۔ منشی مصاحب بھی اس کا ساتھ دینے لگا۔ بڑی محنت اور جدوجہد کے بعد ملک کالا نے ملبے میں دبی ہوئی بیوی کو باہر نکال لیا۔ اس وقت وہ سسک رہی تھی اس کا سر پھٹ چکا تھا اور پورا جسم لہولہان تھا۔ ملک کالا نے لوگوں کی پرواہ کیئے بغیر انتہائی محبت سے خون میں لت پت بیوی کو سینے سے لگا لیا۔ پھولا ہوا پیٹ آڑے آیا۔ پھر معلوم نہیں کیا سوچ کر ملک کالا نے اپنی بیوی کو ایک طرف ڈال دیا اور مصاحب کو حکم دیا۔ "جا۔ اسی وقت دائی کو بلا لا۔"

لیکن دائی بلانے سے پہلے ہی آ چکی تھی۔ ملک کالا نے اس سے پوچھا۔ "بتا! تیرا تجربہ کیا کہتا ہے پیٹ کا بچہ زندہ ہے یا مر گیا۔؟"

دائی نے جواب دیا۔ "اس سلسلے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

اس کے بعد وہ ملک کالا کی بیوی کے پیٹ پر کان رکھ کر لیٹ سی گئی، اور بچے کی آہٹیں لینے لگی۔ پھر خوشی سے چیخ اٹھی۔ "بچہ ابھی زندہ ہے۔ میں اس کے دل کی دھڑکنیں سننے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔"

ملک کالا نے اٹھتے ہوئے خنجر کو باہر نکال لیا اور اس کی دھار پر انگلی رکھ کر تیزی دیکھنے لگا، پھر دائی سے پوچھا۔ "تیرا کیا خیال ہے۔ میری بیوی زندہ بچے گی یا نہیں ۔۔۔؟"

دائی نے جواب دیا۔ "میں کیا کہوں؟ بظاہر تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ زندگی کے دن پورے ہو گئے اور سانسوں کی گنتی پوری ہو رہی ہے۔"

ملک کالا نے انتہائی پرعزم لہجے میں کہا۔ "پھر میں اپنے بچے کو اس کے پیٹ سے نکالے لیتا ہوں۔ میں کوشش کروں گا کہ بچہ بچ جائے، آگے خدا کی مرضی۔"

دائی پریشان ہو گئی۔ مصاحب بھی ادھر ادھر دیکھ کر اپنی دہشت کا اظہار کرنے لگا۔

ملک کالا نے آہستہ آہستہ کچھ پڑھا اور خنجر کی نوک پر دم کیا۔ پھر نوک کو بیوی کے پیٹ پر رکھ کر آہستہ سے دبایا، خون ابل کر نوک کے چاروں طرف جمع ہونے لگا۔ ملک کالا نے رقت زدہ آواز میں کہا۔ "اے اللہ! میں ایک زندگی سے مایوس ہو کر دوسری زندگی کو بچانے کی کوشش میں جو کچھ کر رہا ہوں، اس میں تیری مدد اور رحم کا طالب ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میں یہ جو کچھ کر رہا ہوں، جائز ہے یا ناجائز۔ لیکن میری نیت صالح ہے۔"

اس کے بعد اس نے نہایت احتیاط سے پیٹ چاک کر دیا۔ دائی اور مصاحب کے منہ سے ایک ساتھ چیخیں نکل گئیں۔ دوسروں نے منہ پھیر لئے۔ کچھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ چاک کئے ہوئے پیٹ سے خون ابل ابل کر ادھر ادھر جمع ہونے لگا۔ ملک کالا خنجر کی نوک اور دھار کو جس مشاقی اور مہارت سے استعمال کر رہا تھا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا تھا گویا وہ مسلم الثبوت جراح ہے۔ کچھ ہی دیر بعد سبھی نے یہ دلچسپ منظر دیکھا کہ ایک ننھا منا سا بچہ ملک کالا کے ہاتھوں میں ہے اس نے دائی کو آواز دی۔ "لے اس کو اپنی چادر میں لپیٹ لے اور اس کی زندگی کے لئے جو کچھ بھی کر سکتی ہے نہایت تن دہی، ہوشیاری اور ذہانت سے کر۔ میں اس کو زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

دائی نے بچے کو اپنی چادر میں لے لیا۔ اور نہلانے چلی گئی۔ لیکن اندر سے اس کا حال بہت برا تھا۔ یہ جو کچھ ہوا تھا اور اس نے جو کچھ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اگر اس واقعے کو کوئی اور بیان کرتا تو وہ اس پر ہرگز یقین نہ کرتی۔

مصاحب کو غش سا آ گیا۔ ملک کالا نے بیوی کے منہ اور نتھنوں پر اپنا کان رکھ دیا اور سانسوں کا پتہ چلانے لگا۔ پھر دل کی جگہ انگلیاں رکھ دیں۔ لیکن وہاں ہر شے ساکت تھی۔ ہر چیز خاموش تھی اس کو جب یہ یقین ہو گیا کہ اب امید کے لئے کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ تو اس نے اپنی بیوی کے سینے پر سر رکھ دیا اور سسک سسک کر رونے لگا۔ اس نے بھرائی آواز میں کہا۔ "بیوی! ساتی برگئے دار کے مرحوم بیٹے نے ہم پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اچھا ہوا کہ میں نے اس کو پہلے ہی ہلاک کر دیا۔ ورنہ اگر میں اس کو ہلاک نہ کرتا۔ تب بھی تو اس کی شرارت کی نذر ہو جاتی، کیونکہ اس نے پہلے ہی سے کوشک کی بنیاد میں خرابیاں اور کمزوریاں چھوڑ دی تھیں۔ وہ ضدی اور بے رحم انسان خود بھی جہنم رسید ہو چکا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے ہم سب کی ہلاکت کا سامان کر دیا ہے۔ لیکن وہ تیرے سوا کسی کو بھی نہیں مار سکا۔ میں نے تیری کوکھ کے بچے تک کو صحیح سلامت نکال لیا ہے۔ اگر تو میری آواز سن رہی ہے اور عالم بالا میں تیری روح کسی کے لئے کچھ کر سکتی ہے تو میں تجھ سے استدعا کروں گا کہ اپنے بیٹے کے لئے کچھ ضرور کر۔ اس کی زندگی، اس کی بقا اور اس کے اقبال کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کر، میں

اپنے لئے کچھ نہیں چاہتا۔ لیکن نومولود کے لئے بہت کچھ چاہتا ہوں ــــ"

ملک کالا نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ اور شدتِ غم سے پارہ پارہ ہو جانے والے دل کو ہتھیلیوں سے دبا کر بیٹھ گیا۔ معلوم نہیں یہ اعجازِ تخیل تھا یا کچھ اور کہ اس نے اپنی بیوی کو مسکراتے ہوئے اپنے سامنے کھڑے دیکھا۔ وہ ہاتھ کے اشارے سے معلوم نہیں کیا بتا / سمجھا رہی تھی اس کا ایک ہاتھ اسی سمت میں بار بار اٹھ رہا تھا۔ جدھر دائی بچے کو لے کر گئی تھی۔ بیوی کے ہونٹ بھی ہل رہے تھے۔ اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ فضا میں اٹھنے لگی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے یا تو فضا میں تحلیل ہو گئی یا خلا میں پرواز کر گئی۔ ملک کالا نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ اب وہاں سامنے بیوی کی لاش پڑی ہوئی تھی بے حس و حرکت، خون میں لت پت۔

* * *

دائی بچے کو نہلا دھلا کر اور کپڑے پہنا کر لائی تو ملک کالا پھولا نہ سمایا۔ اس نے گھٹنے میں دبکے ہوئے بچے کو گود میں لے لیا۔ اور پیشانی اور رخساروں کو چومتا رہا۔ بچے کی نظریں کسی جگہ جم کر رہ گئی تھیں۔ اس پر باپ کی گرم جوشی اور محبت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ مٹھیاں بھینچے کچھ دیکھنے کے انداز میں آنکھیں کھولے ہوئے تھا۔

بچے کو دیکھنے کے لئے کتنے ہی آدمی جمع ہو گئے۔ منشی مصاحب بھی ان میں شامل تھا۔ دودالا والوں کا سب سے پسندیدہ اور دلچسپ موضوع یہ بچہ تھا۔ وہ آپس میں یہی کہتے تھے کہ ان کے علم اور شعور میں آج تک کوئی بچہ اس طرح نہیں پیدا ہوا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بچہ زیادہ دن نہیں جئے گا لیکن سرِدست تو وہ زندہ تھا اور سب کو حیرت زدہ کئے ہوئے تھا۔

منشی مصاحب نے دونوں بازو پھیلا دیئے اور بچے کو گود میں لینا چاہا۔ ملک کالا نے بچے کو دائی کے حوالے کر دیا اور کہا۔ "دیکھ، اس کا اپنی اولاد سے زیادہ خیال رکھ۔ اس بچے کے طفیل میں تیرے پورے خاندان کی پرورش کرنے کو تیار ہوں اس کو زندہ رکھ، اس کو زندہ رہنا ہے۔"

اس کے بعد اس نے منشی مصاحب کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اب تو جا سکتا ہے۔"

مصاحب نے خوشامد کی۔ "برگشتہ دار! میں اس بچے کو اپنی گود میں لینا چاہتا ہوں۔"

ملک کالا نے لاپروائی سے کہا۔ "میں نے کہہ جو دیا کہ اب تو جا سکتا ہے۔"

مصاحب نے گھگھیاتے انداز میں عرض کیا۔ "برگشتہ دار! میں بھی کچھ عرض کر رہا ہوں میں اس بچے کو اپنی گود میں لینا چاہتا ہوں۔"

ملک کالا نے تندی و درشتی اختیار کی۔ "میں تجھ کو اپنی بیوی کی ہلاکت کا سبب سمجھتا ہوں۔ تو نے اپنا اعتبار کھو دیا اور میرے دل میں اپنے رویئے سے شک و شبہ کا بیج بو دیا۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تو گود میں لے کر میرے بچے کو نقصان نہ پہنچا دے۔"

مصاحب کے چہرے کا رنگ اڑ گیا، بولا۔ "میری غلطی، میری خطا، میرا جرم؟"

ملک کالا نے کہا۔ "اگر تو نے آتے ہی مجھ کو یہ بتا دیا ہوتا کہ کوشک کی بنیادیں بطور خاص کمزور رکھی گئی ہیں اس لئے بیوی کو وہاں سے فوراً ہی نکال لیا جائے تو شاید یہ حادثہ نہ پیش آتا۔ اور میری بیوی زندہ بچ جاتی۔"

مصاحب نے عرض کیا۔ "اگر اس کو آپ نے میری غلطی اور خطا میں شمار کیا ہے تو میں واقعی گنہگار ہوں۔ آپ کا خطا کار ہوں لیکن اس میں میری تساہلی، غفلت اور سستی کو اس حادثے کا سبب قرار دیا جا سکتا ہے، مگر میری نیت پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں اگر بد دیانت ہوتا تو معلوم ہو جانے کے باوجود کمزور بنیادوں کا کوئی ذکر ہی نہ کرتا اور اس بات کو اپنے سینے ہی میں دفن کر دیتا مگر میں نے نیک نیتی سے آپ کو سب کچھ بتا دیا۔ آپ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں، کیجئے، سمجھتے رہئے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ پھر آپ جب یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنی بیوی کو مرنے سے روک سکتے تھے بشرطیکہ آپ کو اس سے پہلے ہی بتا دیا گیا ہوتا گویا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ موت کو ٹال سکتے تھے۔ خدا کے حکم کو ملتوی کر سکتے تھے۔ برگشتہ دار! ایسا سوچنا بھی کفر ہے۔"

ملک کالا لاجواب ہو گیا۔ لیکن ہٹ دھرمی نہیں چھوڑی اور ترش لہجے میں کہا۔ "بہر حال کچھ بھی ہو، میں تجھ کو اپنی بیوی کی موت کا ذمہ دار سمجھتا ہوں اور ہمیشہ سمجھتا رہوں گا۔ یہ میری اٹل رائے ہے۔ جس میں کبھی بھی کسی تبدیلی کا امکان نہیں۔"

مصاحب کو کچھ دیر بعد دھکے دے کر بھگا دیا گیا۔

ملک کالا نے اپنی داستانِ غم اپنے بڑے بھائی اسلام خان کو سرہند لکھ کر بھیج دی۔ اور بچے کی بابت لکھا کہ "یہ نادرۂ روزگار واقعہ تاریخی یادگار ثابت ہو سکتا ہے۔" اس نے یہ بھی لکھا کہ "بچے کی پرورش بہت احتیاط سے کی جا رہی ہے مگر دودالا کے لوگ سخت ناقابلِ اعتبار ہیں۔ جو دائی اور اس کے متعلقین بچے کی پرورش و پرداخت پر لگائے گئے ہیں وہ بھی اس لائق نہیں ہیں کہ ان پر پوری طرح بھروسہ کیا جا سکے۔ میں پریشان ہوں کہ اس نادر

اور شانی بچے کو زندہ رکھنے کے لئے کیا کچھ کروں۔ جو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کروں۔"

جواب میں اسلام خان نے لکھ بھیجا۔ "اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ بچے کی زندگی خطرے میں ہے تو اس کو میرے پاس بھیج دو۔ میں پال لوں گا اور کوشش کروں گا کہ اس کی کچھ اس طرح تربیت کی جائے کہ یہ واقعی تاریخی شخصیت ثابت ہو۔ تم نے بچے کی پیدائش کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا عجیب اور بے مثل ہے۔ اور اس سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جس خدا نے اس کو موت کی کوٹھری سے نکال کر تیرے حوالے کر دیا ہے۔ وہ اس کو زندہ بھی رکھے گا۔ اور شاید اس سے کوئی اہم کام لے اور اس کی وجہ سے ہمارا خاندان تاریخی بن جائے۔ میں اس بچے کو متبنیٰ کرنے پر تیار ہوں لہٰذا اس کو میرے پاس بھیج دو۔"

ملک کالا کو جب اپنے بھائی کا یہ محبت بھرا خط ملا تو وہ تردد میں پڑ گیا۔ بیٹے کی محبت اس کو منع کر رہی تھی کہ وہ ہرگز نہ بھیجے، اپنے پاس ہی رکھے۔ لیکن مصلحت اندیشیاں اور حرص و طمع اس کو بھیج دینے کا مشورہ دے رہے تھے۔ محبت پر حرص و طمع اور مصلحت اندیشی غالب آگئی۔ ملک کالا اپنے بڑے بھائی اسلام خان کی آغوش میں پرورش پانے میں اپنے بچے کا شاندار مستقبل دیکھ رہا تھا۔ اس نے بے چون و چرا اپنے بچے کو اسلام خان کے حوالے کر دیا۔

ملک کالا چند دنوں کے لئے اپنے بھائی کے پاس ہی ٹھہر گیا۔ اسلام خان نے بچے کو اپنی گود میں لیا اور ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا۔ وہ اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ اور تصور کی آنکھ سے بچے کی ولادت کا منظر دیکھ رہا تھا۔ ایک زخمی سے مکان کے ملبے میں دبی ہوئی بے جان عورت کا خنجر کی نوک سے پیٹ چاک کر دیا گیا اور اندر سے بچے کو نہایت احتیاط سے نکال لیا گیا۔

اسلام خان نے سوچتے سوچتے جھرجھری لی اور مسکرا کر اپنے بھائی ملک کالا کو دیکھا۔۔۔ "ملک کالا! سچ بتا! اس بچے کی پیدائش کی تو نے جو داستان لکھی تھی۔ کیا وہ درست ہے۔۔۔؟"

ملک کالا نے جواب دیا۔ "بھائی! آپ دیکھ لا کے ایک ایک فرد سے اس کی تصدیق فرما سکتے ہیں اور پھر میں اس قسم کی فرضی داستان مشہور کر کے اس سے فائدہ کیا حاصل کروں گا؟ یہ بھی تو سوچئے آپ؟"

اسلام خان نے کہا۔ "بہرحال کچھ بھی ہو یہ میرا بیٹا ہے۔ میں نے اس کو اپنا بیٹا بنا لیا۔" پھر بولا۔ "تو نے اس کا کوئی نام بھی رکھا ہے؟"

ملک کالا نے جواب دیا۔ "ابھی تک نہیں۔ جب یہ بیٹا آپ کا ہے تو اس کا نام بھی آپ ہی رکھیں گے۔"

اسلام خان نے بچے کو عورتوں میں بھیج دیا۔ جہاں وہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور خود دوستوں میں بیٹھ کر بچے کے نام کی جستجو میں لگ گیا۔ اس نے اپنے دوستوں سے بھی صلاح مشورہ کیا۔ انہوں نے فرداً فرداً بہت سارے نام بتائے مگر اسلام خان کو ایک بھی نام پسند نہ آیا۔ بڑی دیر بعد اسلام خان نے کہا۔ "دوستو! میرے ذہن میں ایک نام بار بار آ رہا ہے۔ پتہ نہیں، وہ تمہیں بھی پسند آتا ہے یا نہیں۔۔۔"

دوستوں نے پر شوق لہجے میں جواب دیا۔ "ہاں، بتاؤ نا پھر، تکلف کیوں؟ یہ تساہل کس لئے۔۔۔؟"

اسلام خان نے کہا۔ "دوستو! عباسیوں کے دور میں ایک عقل مند دیوانہ گزرا ہے۔ وہ بظاہر دیوانہ معلوم ہوتا تھا مگر وہ اپنے زمانے کا دانا ترین انسان تھا۔ بہلول دانا، یہ بہلول نام کیسا رہے گا۔۔؟"

دوستوں نے اس نام کو کچھ عجیب سا محسوس کیا۔ انہیں یہ نام پسند نہیں آیا۔ ایک نے کہا۔ "بہلول؟ یہ کیسا نام ہے؟ بہت سے لوگ تو اس نام کو صحیح طور پر لے بھی نہیں سکیں گے۔"

ملک کالا نے اعلان کیا۔ "مجھے یہ نام پسند ہے بس اب اس سے پیارا نام نہیں مل سکتا۔"

کسی دوست نے کہا۔ "دوست! کسی پاگل دیوانے کے نام پر اس معصوم کا نام رکھ رہے ہیں۔ ناموں میں بھی اثر ہوتا ہے کہیں یہ بچہ بھی جوان ہو کر بہلول باؤلا نہ ہو جائے۔"

اسلام خان کا مارے غصے کے رنگ ہی بدل گیا۔ تلخی سے بولا۔ "بھائی تو! بہلول دانا مشہور ہے، بہلول باؤلا تو میں نے آج تک نہیں سنا۔"

ایک دوست نے بحث و تکرار کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی بولا۔ "بہلول اچھا نام ہے ممکن ہے اس نام کی برکت ہی کچھ کر گزرے۔"

اسلام خان نے اسی وقت مٹھائیوں کے ٹوکرے منگوائے اور بچے کا نام رکھنے کی خوشی میں اس کو تقسیم کرنا شروع کرا دیا۔ ملک کالا کے منہ میں اسلام خان نے اپنے ہاتھ سے قلاقند کا ایک ٹکڑا رکھ دیا۔ جوابی کارروائی میں ملک کالا نے بھی یہی کیا۔ اور ایک گلاب جامن اپنے بھائی کے منہ میں رکھ دی۔ مٹھائی کے دو ٹوکرے اندر بھی بھیج دیئے گئے۔

رات کو ایک شاندار تقریب منعقد ہوئی۔ اس میں اس انوکھی پیدائش والے بچے کو پوری محفل میں گھمایا پھرایا گیا۔ ملک کالا بہت خوش تھا۔ اور چشم تصور سے اس کا حسین اور تابناک

مستقبل دیکھ رہا تھا۔ اسی رات ملک کالا نے اپنی مرحوم بیوی کو خواب میں ہنستے ہوئے دیکھا۔ وہ ملک کالا سے کہہ رہی تھی "آپ نے میرے بیٹے کی خوش قسمتی پر غور کیا۔ میں نے لوحِ محفوظ میں اس کے درخشاں مستقبل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

ملک کالا اپنی بیوی سے یہ پوچھنے والا تھا کہ تو نے لوحِ محفوظ میں کس قسم کا درخشاں مستقبل دیکھا ہے لیکن آنکھ کھل گئی۔ وہ آنکھیں بند کر کے دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔ تاکہ وہ خواب میں اپنی بیوی سے یہ سوال کر سکے۔ مگر نہیں ہو سکا۔ اور دوسرے دن سویا تو بیوی نہیں آئی، جس سے سوال کرتا۔

ملک کالا کا سب سے چھوٹا بھائی فیروز خان اور اسلام خان کا بیٹا قطب خان دونوں ہی اس بچے میں بڑی دلچسپی لینے لگے۔ اس وقت فیروز خان بمشکل آٹھ سال کا رہا ہوگا اور قطب خان پانچ چھ سال کا۔ یہ دونوں بہلول کو گود میں لے کر خوب خوب سیر و تفریح کراتے اور پیار سے بہلول کے بجائے بلّو کہتے۔

بہلول نہایت ناز و نعم میں پرورش پاتا رہا۔ تین سال کی عمر میں ایسی ہوشیاری اور عقل مندی کی باتیں کرتا کہ اسلام خان دنگ رہ جاتا۔ وہ اپنے چچا فیروز خان اور تایا زاد بھائی قطب خان کو خاطر ہی میں نہ لاتا۔ اس کی ننھی سی عقل میں معلوم نہیں کس طرح یہ بات سما گئی تھی کہ وہ عام لوگوں جیسا نہیں ہے کیونکہ اس کی ولادت عام بچوں کی طرح نہیں ہوئی۔ اس کو یہ زعم بھی تھا کہ اس کی ماں کی روح اس کی حفاظت اور رہنمائی کرتی رہتی ہے اس لئے وہ کسی سے بھی نہیں ڈرتا تھا۔

جب چھ سال کا ہوا تو اسلام خان کے بچوں میں اس کے خلاف حسد و رقابت کی آگ بھڑک اٹھی۔ قطب خان بطورِ خاص جلنے لگا تھا۔ وہ جب تب طنز سے کہہ دیتا۔ "بلّو! تو اس گھر میں کب تک رہے گا؟ اپنے باپ کے پاس کیوں نہیں چلا جاتا۔۔؟"

بہلول جواب دیتا۔ "میں اپنے باپ ہی کے پاس تو رہتا ہوں۔ میرا اصل باپ ملک کالا ہے اور دوسرا باپ تیرا باپ اسلام خان ہے۔ اب تو میں یہیں اسی گھر میں رہوں گا۔"

قطب خان نے کہا۔ "دیکھ بلّو! میں اس گھر کا ولی عہد ہوں۔ میں پوچھتا ہوں اس گھر میں تیری کیا حیثیت ہے۔۔؟"

بہلول نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میں نہیں جانتا کہ اس گھر کا ولی عہد کون ہے لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ یہاں کا ولی عہد میں ہوں۔ یہ اس لئے کہ تایا اسلام خان بھی یہی سمجھتے ہیں۔"

قطب خان غصے میں تلملا کر رہ گیا بولا۔ "کچھ بھی سہی اگر بابا جان نے یہ غلطی کی تو انہیں بڑی پریشانی اٹھانا پڑے گی۔ کیونکہ میں اپنے حق سے کسی طور بھی دست بردار ہونے کو تیار نہیں۔ میں اس گمنام لڑکے کی بات کسی طور بھی سننے کو تیار نہیں۔ میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ پوری زندگی نہ بھولے۔"

ان دونوں میں تو یہ چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی اور اسلام خان دن میں کئی کئی بار اپنے بھتیجے سے ملتا اور اس کی فکر مندانہ میں ڈوبی ہوئی باتیں بڑے شوق سے سنتا رہتا، اور جی بھر کے داد دیتا رہتا۔ اس کا اپنا باپ ملک کالا بہت عرصے سے سرہند نہیں آیا تھا۔

جب بہلول دس سال کا ہو گیا تو اس کا جسم اور باتیں دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتی تھیں۔ جب دس سال پورے ہو گئے تو اسلام خان نے بہلول کی عمر کی ایک دہائی بیت جانے کی خوشی میں ایک شاندار تقریب منعقد کی۔ بڑے بڑے امراء اور سرداروں کو اس تقریب میں مدعو کیا گیا۔ بہلول کی پیدائش والی بات تقریباً ہر کوئی جانتا تھا اور جو نہیں جانتا تھا اس کو لوگ باتوں ہی باتوں میں بتا دیتے تھے۔ شاندار لباس میں ملبوس بہلول کو جب تمام مہمانوں سے ملوایا گیا تو بہلول کی تیزی و طراری اور بلا کی خود اعتمادی نے ہر کسی کو مرعوب اور متاثر کر لیا۔ وہ بڑی دیر تک مردوں ہی میں گھومتا پھرتا اور باتیں کرتا رہا۔ اب اس کو اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ پوری محفل میں اس سے زیادہ کسی پر بھی توجہ نہیں دی جا رہی تھی۔ ہر کوئی بہلول ہی کے آس پاس رہنا چاہتا۔

اسلام خان کو اپنے بھائی ملک کالا کا بڑا انتظار تھا، اس کو حیرت تھی کہ آخر وہ آیا کیوں نہیں۔ اس نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ملک کالا جیسے ہی اس کے سامنے آئے گا وہ اس کو خوب خوب ڈانٹے گا۔

بہلول مہمانوں سے ملتے ملتے تھک گیا۔ اس کو نیند محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے تایا اسلام خان سے کہا۔ "تایا ابا! میں بہت تھک گیا ہوں نیند کی وجہ سے آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں۔ کیا آپ مجھ کو سو جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے۔۔؟"

اسلام خان نے کہا۔ "بلّو! یہ تقریب ہے اور جانِ محفل تو ہے۔ کچھ دیر کے لئے نیند کو بھگا دے اور قطب خان کو اپنے پاس بلا کر باتوں میں لگا دے۔"

بہلول نے منہ بنا کر کہا۔ "تایا ابا! میں بھائی قطب خان کو اس لئے نہیں بلاؤں گا، کہ وہ مجھ سے ناخوش گوار باتیں کرنے لگتے ہیں میں خاموش ہو جاتا ہوں۔"

اسلام خان نے اسی وقت قطب خان کو بلوایا اور اس کو بہلول کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا کر دیا اور بہلول سے کہا۔ "بلّو! ابھی ابھی تو جو کچھ کہہ رہا تھا اس کے سامنے بھی دہرا دے۔"

قطب خان نے بہلول سے پہلے ہی بولنا شروع کر دیا۔ قطب خان کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی وہ اپنے باپ سے کہہ رہا تھا کہ "جن لوگوں نے بہلول پر خاص توجہ دی ہے اور اس کے ذکر اور بیان میں ایک لذت سی محسوس کرتے ہیں، وہ بہلول کو معلوم نہیں کیا سمجھتے ہیں یہ ساری باتیں میرے لئے ناقابلِ برداشت ہیں اس لئے میں بہلول سے دور دور رہتا ہوں۔"

اسلام خان نے قطب خان کو ڈانٹ دیا، منہ بنا کر قطب خان کے لب و لہجہ کی نقل کی۔ "اس لئے میں بہلول سے دور دور رہتا ہوں! سبحان اللہ دور دور رہنے کا کیا شاندار سبب بیان فرمایا ہے صاحبزادے نے۔" اس کے بعد قطعی حکم دیا۔ "قطب خان! میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو بہلول سے دور دور نہیں رہے گا۔ تجھ کو اس کے ساتھ رہنا ہوگا۔ یہ میرا حکم ہے۔ تجھ پر اس کی تعمیل فرض ہو چکی ہے!"

قطب خان نے پوچھا۔ "بابا جان! میں آپ کا سب سے بڑا بیٹا ہوں اور صلاحیتوں میں بھی کسی سے کم نہیں، مجھے صرف یہ بتا دیجئے، کہ اس گھر میں ہم دونوں کی کیا حیثیت ہوگی۔"

اسلام خان نے جواب دیا۔ "قطب خان، میں تیری صلاحیتوں کا معترف ہوں لیکن بہلول کو تجھ پر شرف و فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے تو ہمیشہ اس کی ماتحتی اور نگرانی میں رہے گا۔"

قطب خان نے پھر مجھ سے کام لیا۔ "اگر یہ آپ کا حکم ہے تو میں اس کی تعمیل کروں گا، اور اگر یہ حکم نہیں ہے تو پھر میں سوچوں گا۔"

اسلام خان نے کہا۔ "کیا تو نے میری بات سنی نہیں، میں تیرے سوال سے پہلے ہی تجھ پر واضح کر چکا ہوں کہ یہ میرا حکم ہے اور تو اس کی تعمیل کرے گا۔"

کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی، گویا کسی کے پاس بھی بات کرنے کے لئے الفاظ نہیں تھے۔ آخر اسلام خان نے قطب خان کو دوسرا حکم دیا۔ "اب تو جا سکتا ہے۔"

قطب خان چلا گیا۔ اسلام خان نے بہلول سے کہا۔ "قطب خان برا نہیں ہے، تیرے حاسد اس کو بھڑکاتے رہتے ہوں گے۔ یہ تو ابھی ناتجربہ کار ہے۔ ناتجربہ کاروں پر باتوں کا جادو چل جاتا ہے، اگر مسلسل پھونک ماری جاتے، تو گیلی لکڑیاں بھی جلنے لگتی ہیں۔ اب تیرا یہ کام ہے کہ قطب خان کا دل ہاتھ میں لے لے۔ کیونکہ اگر قطب خان کو حکماً تجھ پر مائل کیا گیا۔ تو یہ عارضی، اور وقتی اثر ہوگا، ہاں اگر کسی طرح تو نے اس کا دل جیت لیا تو بہت

فائدے میں رہے گا۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "آپس کی نااتفاقیاں خاندانوں کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جاتی ہیں اور اتحاد اور اتفاق اقبال اور کمال کی طرف، میں نے یہ نکتے خود بخود سمجھ لئے ہیں۔"

اسلام خان کو بہلول کی باتیں بہت اچھی لگیں بے اختیار سینے سے لگا لیا۔ "میں بہت خوش ہوں کہ میں نے تجھ کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی، تو بہت باصلاحیت ہے، خدا تجھے ہمیشہ کامیاب و کامران رکھے۔"

کچھ دیر بعد اندر سے بلاوا آ گیا کہ "عورتیں اس عجیب و غریب پیدائش والے بچے کو دیکھنے کے لئے بے چین ہیں۔ اس کو اندر بھیج دیا جائے۔"

اسلام خان نے بہلول کو اندر بھیج دیا۔ عورتوں نے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور بڑی دلیری اور بے حیائی سے بہلول کو دیکھنے لگیں بہلول اتنی بہت ساری نظروں کا متحمل نہ ہو سکا اور اپنی چچی (قطب خان کی ماں) کے پاس چلا گیا۔ قطب خان نے اپنی ماں کو پہلے ہی سے ورغلا رکھا تھا۔ اس نے بڑی بے رخی سے پوچھا۔ "بلو! تیرے تایا نے تجھ سے کیا کہا تھا؟"

بہلول نے کہا۔ "کس سلسلے میں؟"

چچی نے جواب دیا۔ "تیرے اپنے سلسلے میں۔ کیا آج قطب خان اور تیری آپس میں تلخ کلامی ہو گئی۔۔۔؟"

بہلول نے کہا۔ "نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ قطب خان میرے بڑے بھائی ہیں میں تو ان سے تلخ کلامی کی ہمت تک نہیں کر سکتا۔"

چچی نے بہلول کی پشت تھپتھپائی اور کہا۔ "مری تو میں کہوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بہلول قطب خان کا بھائی ہے اور بھائی آخر بھائی ہوتا ہے۔"

آہستہ آہستہ عورتوں اور لڑکیوں نے بہلول کو لپٹے گھیرے میں لینا شروع کر دیا۔ وہ سب آپس میں دھکا پیل کر رہی تھیں اور آگے پہنچنے کی فکر میں تھیں وہ بہلول سے اتنی قریب تھیں کہ ان کی سانسیں تک سنی جا سکتی تھیں اور بعضوں کے جسم اس کے جسم سے مس ہو رہے تھے۔ ان کے جسم زیورات سے لدے ہوئے تھے۔ اور رنگ برنگے کپڑوں نے مفرب چمن کا مرقع پیش کر دیا تھا، ان میں بعض اتنی دلیر تھیں کہ بہلول کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ پکڑ کر دیکھنا شروع کر دیا

قطب خان کی ماں ہنس ہنس کر کہہ رہی تھی۔ "شریف عورتو! یہ میرا بھتیجا ہے اس کو اتنا تنگ تو نہ کرو کہ اس کا دم ہی گھٹ جائے۔ دیکھو تو یہ پسینے میں نہا لیا ہوا ہے اس کی ہوا تو چھوڑ دو۔"

چھت سے کپڑے کا بڑا سا پنکھا لٹکا ہوا تھا۔ ایک آٹھ سالہ بچی نے اس کی ڈوری پکڑ کر ہلانا شروع کیا پنکھے کی جھالر سے ہوا خارج ہونے لگی۔ جب یہ ہوا پسینہ آلود جسم میں لگی تو ان کے چہروں پر خوشی سے مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔

بہلول اس ننھی منی لڑکی کو پنکھے کی ڈوری پکڑے ہلاتے دیکھ رہا تھا۔ دبلی پتلی لڑکی اپنی پوری قوت سے جلدی جلدی ڈوری کو کھینچ اور چھوڑ رہی تھی۔ بہلول دونوں ہاتھوں سے عورتوں کو چیرتا ہوا لڑکی کے پاس پہنچ گیا، اور پوچھا۔ "تو کون ہے ___؟"

لڑکی نے شرما کر جواب دیا۔ "لڑکی ہوں ___"

بہلول کو اس کا جواب اور بولنے کا انداز بہت اچھا لگا۔ ہنس کر کہا۔ "وہ تو میں خود بھی دیکھ رہا ہوں کہ تو ایک لڑکی ہے مگر میں پوچھ رہا ہوں کہ تیرا نام کیا ہے۔؟"

عورتیں ان دونوں کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہی تھیں۔ اتنی دیر میں اس کی چچی بھی ان دونوں کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے بہلول کو شانوں سے پکڑ لیا۔ اور ایک طرف لے جاتی ہوئی بولی۔ "چلو یہ سنار کی بیٹی صبوحی ہے اس کا باپ ہمیں زیورات وغیرہ تیار کر کے پہنچاتا رہتا ہے اس کے خاندان کا شمار پرجوں میں ہوتا ہے اس لئے ہمارے خاندان کے لڑکوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ان میں دلچسپی لیں۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "چچی! میں نے اس لڑکی میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ آپ نے اس کا کیا نام بتایا تھا ابھی۔؟"

چچی نے کھرے لہجے میں جواب دیا۔ "جس میں دلچسپی نہیں لینا اس کا نام کیا پوچھنا ___"

بہلول نے گھوم کر سنار کی بیٹی کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی پنکھے کی ڈوری پکڑے اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بہلول کو اس کی یہ ادا اور زیادہ بھا گئی۔ بے اختیار دل یہ چاہا کہ وہ چچی کے پاس سے بھاگ کر اس لڑکی کے پاس پہنچ جائے۔ لیکن سخت مزاج چچی کی موجودگی میں اتنی ہمت نہ کر سکا۔

عورتوں کو بہلول کی چچی کی یہ ادا ذرا نہ بھائی کہ وہ عجوبہ روزگار شے کو ان کے درمیان سے لے اٹھیں۔ چند شوخ اور جرأت مند لڑکیوں نے مزید انتظار کئے بغیر چچی کے پاس جانے کی جسارت کی اور شکایتہ کہا۔ "محترم خاتون! ہم لوگ کافی مسافت طے کر کے یہاں تک پہنچے ہیں تاکہ اس عجیب و غریب شخصیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جسے موت کے منہ سے بہ نوک خنجر نکال لیا گیا لیکن آپ اس کو لے کر ادھر چلی آئیں۔ خدا کے لئے اس کا جلوہ عام کر دیجئے ورنہ لوگ مایوس

ہو جائیں گے اور زندگی بھر گلے شکوے کرتے رہیں گے۔"

چچی نے بہلول کو ایک دوسرے کمرے میں پہنچا دیا اور خاندان کی لڑکیوں سے کہا۔ "تم سب یہیں آ جاؤ۔ اور اپنے مطلوب سے مل لو کیونکہ میں یہ ناپسند کرتی ہوں کہ ہماری رعایا کی لڑکیاں ہمارے بچوں پر محبت کی کمندیں پھینکیں میں اپنے خاندان میں نیچ ذات لڑکیوں کو کسی طرح بھی نہیں آنے دوں گی۔"

بہلول اپنی چچی کی باتیں بڑی توجہ سے سن رہا تھا، بولا۔ "چچی اسلام میں ذات اور نسل کا کوئی تصور نہیں۔ آپ کیا چاہتی ہیں اور کیا نہیں چاہتیں۔ میں اس کی بات نہیں کروں گا۔ لیکن میں سناروں کو نیچ نہیں کہتا۔"

چچی نے برہم ہو کر کہا۔ "تو چپ رہ لڑکے، ان باتوں کو تو کیا جانے میں نے اپنے خاندان کا ایک اہم اور قطعی فیصلہ سنا دیا، اب اس پر عمل کرنا تو جوانوں کا کام ہے۔"

چچی نے بہلول کو اس کمرے میں چھوڑا اور خود مہمانوں میں پہنچ گئی سنار کی بیٹی اس وقت بھی اسی جگہ کھڑی شاید بہلول کا انتظار کر رہی تھی لڑکی کی ماں ابروؤں پر بل ڈالے اور شکن آلود پیشانی لئے اپنی بیٹی کے پاس پہنچی اور اس کو چوٹی سے پکڑ کر اپنے خاندان کی دوسری عورتوں کے پاس لے گئی اور دو تین طمانچے لگا کر بڑبڑانے لگی۔ "امراء کی محفل میں اٹھنے بیٹھنے کا ڈھنگ سیکھ، اب آنا میرے ساتھ۔ بھری محفل میں بے عزتی کرا دی۔"

چچی نے سنار کی بیٹی کو پٹتے دیکھا تو منہ پھیر لیا اور اس میں اخلاقی مداخلت تک نہ کی۔ لڑکی سسکیاں لے کر رونے لگی۔ سنار خاندان کی کسی بڑی بوڑھی نے کہا۔ "بیٹا حبیب اللہ۔ سنار کا پیشہ اتنا برا تو نہیں کہ نام نہاد شرفاء ہمیں کمین اور نیچ سمجھنے لگیں۔"

چچی شیرنی کی طرح بپھر کر بڑی بی کے سر پر پہنچ گئی اور لعنت ملامت کرنے لگیں ___
"بڑی بی! ان لن ترانیوں کے لئے یہ جگہ غیر موزوں ہے، یہ سپاہیوں اور بہادروں کا مسکن ہے۔ اس محفل میں سورماؤں کو قابل تعظیم سمجھا جاتا ہے۔ اپنی زبان بند رکھو، ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔"

بڑی بی نے مصلحت اندیشی سے نرم لہجے میں کہا ___ "میں موت سے نہیں ڈرتی۔ کیونکہ میں بھی قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوں۔ اگر ہم لوگ اتنے ہی کمین تھے تو ہمیں یہاں بلایا کیوں گیا تھا۔؟"

بڑی بی کے لفظوں میں بہادری اور لہجے میں موت کا خوف موجود تھا چچی اس جواب کی متحمل نہ ہو سکیں۔ اور پوری محفل کو سر پر اٹھا لیا۔ عورتیں خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر ہو گئیں۔ یہ

خبر ہی محل کے باہر پہنچیں تو اسلام خان بھی ڈیوڑھی میں آ گیا۔ اور شور و غل کا سبب پوچھنے لگا جب پوری کارروائی معلوم ہوئی تو اس نے اپنی بیوی کو بلا کر سمجھا دیا کہ اس سنار خاندان کو اس نے مدعو کیا تھا کیونکہ یہ سناروں میں معزز ترین خاندان ہے۔

چچی اپنے شوہر کے سامنے وہ تیز طراری تو نہیں دکھا سکی مگر اس نے دبے لفظوں میں طنز ضرور کیا۔ اس نے کہا۔ "جی یہ نہیں سمجھ سکی کہ بڑے لوگوں میں معزز ترین۔ بڑے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔؟"

چچی کی عدم موجودگی میں بہلول اپنے کمرے سے باہر نکلا اور روتی بلکتی لڑکی کے پاس پہنچا عورتوں سے پوچھا۔ "یہ کیوں رو رہی ہے۔؟"

لڑکی کی ماں نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔ "امیر زادے! آپ کو ہم سے بات نہیں کرنا چاہئے ہمارے اپنے جگر کے ٹکڑے کو صرف آپ کی وجہ سے مارا ہے۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "میری چچی خاندانی بڑائی کی بڑی دلدادہ ہے۔ میں تم لوگوں سے پھر ملوں گا۔"

لڑکی کی ماں نے کہا۔ "ہم سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اس محل میں بہت خوار ہوئی ہوں۔"

بڑی بی نے لڑکی کی ماں کو ڈانٹ دیا۔ "عورت! تو زیادہ باتیں نہ بنا۔ امیر زادہ آنے کو کہتا ہے تو آنے دے۔ شاید اس طرح ہم لوگ صاحب عزت کہلانے لگیں۔"

بہلول نے بڑی بی سے کہا۔ "تم اپنا پتہ دیتی جاؤ۔ میں ضرور آؤں گا۔"

لڑکی نے بہلول کی باتیں سنیں تو چپ ہو گئی۔ اور اس کے پاس جا کر پوچھا۔ "تو تم میرے گھر آؤ گے۔؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "ہاں میں تیرے گھر ضرور آؤں گا۔"

لڑکی نے معصومیت سے پوچھا۔ "اور یہ لڑاکا عورت اگر تمہیں روکے تو۔؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "یہ عورت میری چچی ہے اور اس کی حکومت اس محل کے اندر تک محدود ہے۔"

بڑی بی نے کہا۔ "امیر زادے! آپ ہمارے گھر جب چاہیں آ جائیں لیکن پہلے اپنے چچا اسلام خان کو اپنے اعتماد میں لے لینا۔ یہ شریف انسان ہماری عزت کرتا ہے۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "بزرگ خاتون! یہ میرا مسئلہ ہے۔ مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا، میں جانتا ہوں۔"

بڑی بی نے کہا۔ "یہ صرف آپ ہی کا مسئلہ نہیں، ہمارا مسئلہ بھی ہے۔ چونکہ آپ ہمارے گھر آئیں گے، اس لئے یہ ہمارا مسئلہ بھی ہے۔ امیر زادے! آپ کو میری بابت معلوم ہونا چاہئے کہ میں اس لڑکی کی دادی ہوں۔"

بہلول نے لڑکی سے پوچھا۔ "تیرا نام کیا ہے؟"

لڑکی نے جواب دیا۔ "ثریا۔"

بہلول چونک پڑا۔ بولا۔ "لیکن میری چچی نے تو کوئی دوسرا ہی نام بتایا تھا، شاید معصومی بتایا تھا۔"

لڑکی کی دادی نے جواب دیا۔ "اس نے غلط بتایا تھا۔ میری پوتی کا صرف ایک نام ہے ثریا۔ یہ کسی دوسرے نام سے واقف نہیں۔"

بہلول نے ایک بار پھر اصرار کیا۔ "تم لوگوں نے مجھے اپنا پتہ نہیں بتایا۔"

لڑکی کی ماں نے اس کو اپنا پتہ سمجھایا۔ جس کو بہلول نے خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔ لیکن اسی وقت چچی واپس آ گئیں۔ انہوں نے بہلول کو سنار خاندان کی عورتوں کے پاس کھڑے دیکھا تو قہر آلود نظروں سے گھورتی ہوئی ان کے پاس پہنچیں اور بہلول کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ "بلو کو نہیں جانتا کہ ہم سب تیرا اتنا خیال کیوں رکھتے ہیں تیرے چچا نے تجھے اپنا بیٹا بنا لیا ہے اور ان کے بعد تو ہی اپنے چچا کا جانشین ہوگا۔ اس کا اندازہ بہتوں کو بھی ہو گیا ہے اور وہ سب اس چکر میں ہیں کہ تجھ پر قبل از وقت ہی کمند ڈال کر قابو میں کر لیں، لیکن جب تک میں موجود ہوں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔"

لڑکی کی دادی اور ماں نے برا سا منہ بنایا اور واپس جانے کی تیاریاں کرنے لگیں۔

بہلول نے شرارتاً پوچھا۔ "آپ کو چچا نے ڈیوڑھی میں کیوں بلایا تھا۔؟"

چچی نے درشت لہجے میں جواب دیا۔ "تیرا چچا کہتا تھا کہ یہ سنار خاندان سناروں میں معزز ترین ہے لیکن میں نے بھی اس سے کہہ دیا کہ میں اس کی باتوں کا مطلب نہیں سمجھ سکی۔ بڑے لوگوں میں معزز ترین۔ بڑے لوگ۔ اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟"

بہلول نے اپنے چچا کو اپنا ہم خیال اور حامی محسوس کیا۔ ایک بار پھر شرارتاً چچی سے پوچھا "چچی! آپ نے اس لڑکی کا نام نہیں بتایا۔"

چچی نے بہلول کو معنی خیز نظروں سے دیکھ کر لڑکی اور اس کے بعد اس کی ماں اور دادی کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ "تو لڑکی کا نام تجھے بتا دیا گیا۔ خوب جب نام معلوم ہی ہو چکا ہے تو یہ بار بار مجھ سے پوچھنے کا مطلب؟"

ستار عورتیں اسی وقت وہاں سے چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی چچی نے سکھ کی سانس لی اور کہا۔ "میں آئندہ اپنی محفل میں ایسی عورتوں کو نہیں آنے دوں گی۔"

بہلول نے اپنے گرد و پیش عورتوں اور لڑکیوں کی بھیڑ بھاڑ دیکھی لیکن یہ سب شریف خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان میں اسلام خان کے بیٹے قطب خان اور عیسیٰ خان بھی شامل ہو گئے۔ بہلول بھری محفل میں خود کو تنہا اور اکیلا اکیلا محسوس کر رہا تھا۔ اس کو کچھ دیر بعد یہ احساس ستانے لگا کہ اس کی کوئی چیز گم ہو گئی ہے وہ کوئی چیز کھو بیٹھا ہے۔ ننھی منی معصوم سی زیبا آہستہ آہستہ اس کے دل و دماغ اور پھر پورے وجود پر چھا گئی اس کو ایسا لگا گویا زیبا نے اس پر سحر کر دیا ہے۔

* * *

بہلول کی چچی کئی دنوں تک مختلف وسائل اور ذرائع سے اس کی نگرانی کرتی رہی۔ بہلول نے اس کے بعد زیبا یا اس کے گھر والوں کا کوئی ذکر تک نہیں کیا۔ بلکہ ایسی لاپرواہی کی روش اختیار کی کہ چچی کو یہ یقین کر لینا پڑا کہ بہلول کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اتفاقی اور غیر ارادی تھا۔

بہلول کی ذہنی استعداد اور سطح تک پہنچنا آسان بات نہیں تھی۔ اس کی چچی اس کی سمجھ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔ بہلول نے اپنی پوری توجہ فنِ سپہ گری سیکھنے پر مبذول کر رکھی تھی وہ گھڑ سواری ایسی کرنے لگا تھا کہ بڑے بڑے سرکش اور منہ زور گھوڑے اس کی رانوں میں دب کر اپنی سرکشی بھول جاتے تھے۔ بہلول اپنے چچا کے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں سے دہلی کے بادشاہ کی خبریں بڑی توجہ سے سنتا رہتا تھا۔ چچا اسلام خان کو کچھ پتہ نہ تھا کہ بہلول ان تذکروں اور خبروں کی روشنی میں کس طرح سوچ رہا تھا۔ اور کس قسم کے منصوبے بنا رہا تھا بہلول حیران تھا کہ اس کا چچا اسلام خان سرہند کی حکومت پر کیوں قناعت کئے ہوئے ہے۔ دہلی دربار کی افراتفری اور انتشار سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کیوں نہیں کرتا۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کوئی بڑا آدمی کسی ایک حال پر کس طرح قانع رہ سکتا ہے۔ انہی فکروں میں اسے ننھی سی زیبا بھی یاد آتی رہی۔ چچی کی مخالفت اور نفرت کو دیکھتے ہوئے زیبا کا خیال تک تکلیف دہ تھا۔ کئی بار جی میں آئی کہ وہ زیبا کے گھر جائے۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کی نگرانی کی جا رہی ہوگی۔

بہلول نے کئی ماہ صبر سے کام لیا اور اپنے روزمرہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔ وہ ہر روز صبح گھڑ سواری میں کئی گھنٹے صرف کر دیتا تھا وہ میلوں گرد و غبار اڑاتا چلا جاتا۔ اور اسی طرح واپس آتا۔ کبھی کبھی وہ لگام چھوڑ کر ایال پکڑ کر گھوڑے کی پشت پر لیٹ جاتا اور گھوڑا سرپٹ

بھاگتا رہتا۔ گھوڑے کی خطرناک ٹاپوں کی آوازیں سن کر راہ گیر ادھر ادھر ہو جاتے ایک روز وہ گھوڑے کو دوڑاتا بھگاتا سرہند کے باہر نکل گیا اور ایک گھنٹہ بعد جب واپس آیا، تو اچانک زیبا یاد آ گئی۔ یاد میں اتنی شدت تھی کہ بہلول نے اپنے گھوڑے کو ستاروں کے محلے کی طرف موڑ دیا۔ وہ آم، جامن اور املی کے درختوں کے سائے میں سفر کرتا ہوا ذرا سی دیر میں ستاروں کے محلے میں داخل ہو گیا۔ چرہی پر پانی پلانے والوں کا ہجوم تھا۔ کئی جانور چرہی میں منہ ڈالے پانی پینے میں مشغول تھے اور کچھ مالکوں کے ساتھ چرہی کے پاس کھڑے اپنی باری کے منتظر تھے۔

بہلول کا گھوڑا بھی پیاسا تھا، اس نے سوچا، چلو پہلے گھوڑے کی پیاس بجھا لیں بعد میں اپنی بابت سوچ لیا جائے گا۔ کئی گھوڑے والوں نے پیچھے ہٹ کر بہلول کو آگے جانے کا راستہ دے دیا۔ یہ لوگ بہلول کو دیکھ دیکھ کر پیچھے ہٹ رہے تھے۔ بہلول نے سمجھ لیا کہ ان میں سے اکثر نے اس کو پہچان لیا ہے۔"

بہلول نے اپنے گھوڑے کو چرہی کے سامنے کھڑا کر دیا۔ گھوڑے نے اپنا منہ چرہی میں ڈال دیا اور پانی پینے لگا، پانی پی چکنے کے بعد گھوڑے نے دم کو کئی بار جھٹکا دیا اور پورا جسم تھر تھرا کر رہ گیا۔

بہلول نے ایک شخص سے پوچھا۔ "بھائی خدا تمہاری عمر دراز کرے، مجھے مشتاق ستار سے ملنا ہے، کیا تم میں کوئی شخص اس کا گھر جانتا ہے؟"

ایک شخص نے جواب دیا۔ "اس سے کیا پوچھنا، یہ تو خود رہتا ہے اس محلے میں۔"

بہلول نے کہا۔ "پھر میں کس سے پوچھوں مشتاق ستار کا گھر۔ کسی نہ کسی کو تو اس کا گھر معلوم ہوگا ہی۔"

ایک ادھیڑ عمر شخص ان کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ وہ بہلول کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا، پوچھا۔ "لڑکے! تم کس کے گھر کا پتہ معلوم کر رہے ہو۔؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "مشتاق ستار کا۔"

جن لوگوں نے پیچھے ہٹ کر بہلول کو راستہ دے دیا تھا ان میں سے ایک بہلول کے قریب آ کر بولا۔ "بھائی! اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو تم حاکم سرہند اسلام خان کے بھتیجے ہو۔؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "ہاں میں اسلام خان کا بھتیجا ہوں، وہ میرا تایا بھی ہے اور باپ بھی کیونکہ اس نے مجھے اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔"

اس شخص نے پوچھا۔ "تو تمہیں مشتاق ستار کے گھر پہنچنا ہے شاید؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "ہاں میں اس کے گھر پہنچنا چاہتا ہوں۔"

اس شخص نے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑلی اور پیدل ہی چلنے لگا بولا۔ "میرے ساتھ آؤ، میں اس کا گھر جانتا ہوں۔ میں تمہیں اس کے گھر پہنچا دوں گا۔"

بہلول بھی اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر پیدل ہی چلنے لگا۔ کچھ دور چلنے کے بعد اس نے پوچھا۔ "کیا اس کا گھر یہاں سے زیادہ دور ہے؟"

اس شخص نے جواب دیا۔۔۔ "نہیں زیادہ دور نہیں ہے اگر زیادہ دور ہوتا تو میں یوں پیدل نہ چلتا۔"

بہلول چپ ہو گیا۔ وہ زیادہ باتیں نہیں کرنا چاہتا تھا اس شخص نے بہلول کو پہچان لیا تھا جبکہ بہلول اس سے بالکل واقف نہ تھا اس کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ یہ شخص کسی بھی ذریعے سے یہ خبر اس کی چچی تک بھی پہنچا سکتا ہے اور یہ بھی امکان تھا کہ اس کی چچی نے اس کی نگرانی پر جن لوگوں کو تعینات کر رکھا ہے یہ شخص انہی میں سے تعلق رکھتا ہو۔

یہ شخص پرپیچ گلیوں سے گزر کر ایک ایسے مکان کے سامنے پہنچ گیا۔ جس کے دروازے پر گولر کا درخت لگا ہوا تھا اور اس کے لکڑی کے دروازے منقش تھے۔ مکان خاصا بڑا تھا۔ اور اس کی اونچی اونچی دیواریں صاحب خانہ کے دولت مند ہونے کی غماز تھیں۔

اس شخص نے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مشتاق سنار اس میں رہتا ہے۔"

بہلول نے اس مکان کو غور سے دیکھا اور اس کے دروازے پر کھڑے گولر کے درخت سے گھوڑے کو باندھ دیا۔

اس شخص نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ "کیا میں مشتاق سنار کو آواز دوں۔؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "نہیں! اب تو جا سکتا ہے۔"

اس شخص نے بڑی بے دلی سے کہا۔ "اچھا میاں صاحبزادے جیسی تمہاری مرضی۔۔۔"

وہ شخص چلا گیا۔ بہلول اس کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ کچھ دور تک پیدل چلتا رہا۔ اس کے بعد اس نے گھوم کر بہلول کی طرف دیکھا اور پھرتی سے گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گیا۔ اور اس کو سرپٹ دوڑاتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

بہلول نے اطمینان کی سانس لی اور ایک بار پھر منقش دروازے کی طرف غور سے دیکھا۔ ابھی وہ دستک دینے کی سوچ ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور اندر سے ایک بارہ تیرہ سالہ

لڑکا باہر نکلا۔ اس نے اپنے سامنے تقریباً اپنی ہی عمر کے ایک گھڑسوار کو دروازے پر کھڑے دیکھا تو ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا بہلول سے پوچھا۔ "تمہیں کس سے ملنا ہے۔؟"

بہلول نے پوچھا۔ "کیا مشتاق سنار کا یہی گھر ہے۔؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ "ہاں مشتاق میرے باپ کا نام ہے، ان سے کیا کام ہے؟"

بہلول کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے آہستہ سے پوچھا۔ "کیا تیرا باپ گھر میں موجود ہے۔؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ "نہیں، وہ مغرب کے بعد گھر واپس آتے ہیں۔"

بہلول کا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ بولا۔ "تب پھر تو اپنی ماں کو مطلع کر دے کہ سرہند کے حاکم اسلام خان کا بھتیجا بہلول تم سے ملنا چاہتا ہے اگر ماں بھی نہیں موجود ہو تو بھی خبر اپنی دادی تک پہنچا دے۔"

لڑکا اس پیغام سے مرعوب ہو گیا، فوراً ہی اندر گیا اور کچھ دیر بعد ہی اس طرح واپس آیا کہ وہ تو باہر آ گیا مگر اس کے پیچھے دروازے کے اندر خواتین کی موجودگی محسوس ہونے لگی۔ پھر اس نے اندر زیبا کی ماں کی جھلک دیکھ لی۔ مگر دروازے کے اندر سے دادی کا چہرہ نمودار ہوا، یہ مسکراتا چہرہ بہلول کو دیکھ اور پہچان رہا تھا۔ دادی نے دروازے کے پیچھے سے پوچھا۔ "کون؟ بلو۔ بہلول! تم یہاں کیوں آ گئے؟ تمہیں کس نے بلایا تھا خدا کے لئے اسی وقت واپس چلے جاؤ۔"

بہلول نے جواب دیا۔۔۔ "جناب! اس دن میرے گھر میں آپ لوگوں کی بے عزتی کر دی گئی تھی، بخدا اس میں میرا ہاتھ نہیں تھا۔ آج میں اس کی معذرت اور صفائی کی خاطر حاضر ہوا ہوں۔"

دادی نے کہا۔ "بہلول! یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ اگر مجھے اپنی عزت اور آبرو کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں اندر ضرور بلا لیتی اور یہ کہ اگر میں گھر پر نہ ہوتی اور تم سرہند کے حاکم کے بھتیجے نہ ہوتے تو میں تمہاری خوب مرمت کراتی، اس کے بعد دھکے دے کر چلتا کرتی لیکن افسوس کہ میں ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں کر سکتی اس لئے ہم دونوں کی بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنے گھر واپس جاؤ۔"

بہلول نے دادی سے کہا۔ "لیکن پہلے تو آپ کے یہ خیالات نہیں تھے؟"

دادی نے جواب دیا۔ "تم درست کہہ رہے ہو لیکن اس وقت تک میں نے تمہارے مسئلے کی نزاکت پر اچھی طرح غور نہیں کیا تھا۔"

دادی نے جو کچھ بھی کہا تھا اس سے مڑ کر پوچھنے کو تیار نہ تھیں۔

اسی دوران زیبا کی ماں نے بھی جھانک کر دیکھا اور بہلول کو پہچان لیا۔ اپنی ساس سے کہا۔ "اماں! انہیں اندر کیوں نہیں بلاتیں؟ باہر کیوں کھڑا کر رکھا ہے۔۔؟"

دادی نے جواب دیا۔ "بہو! میں رسوائی سے خوف کھاتی ہوں، بس اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں۔ اس کے علاوہ تو یہ......"

لیکن بہو نے بات کاٹ دی کہا۔ "اماں! بلو کو اندر بلا لو۔ شرفاء کی عورتیں دروازے پر کھڑے ہو کر باتیں نہیں کرتیں۔ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔۔؟"

اب دادی مجبور ہو چکی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "اگر تیری یہی مرضی ہے کہ اس کو اندر بلا لیا جائے تو میں کس طرح منع کر سکتی ہوں، اس کو بلا لے اندر۔"

اس کے فوراً بعد زیبا کی ماں کی آواز سنائی دی۔ "بلو! اندر آجا کیا گھوڑے کو مضبوطی سے باندھ دیا ہے۔۔؟"

بہلول اندر داخل ہو گیا بولا۔ "ہاں! میں نے اس کو پہلے ہی باندھ دیا تھا۔"

زیبا کی ماں اور دادی نے اس کی شاندار پذیرائی کی، اور اس کو صحن میں لے چلی گئیں، وہاں نیم کے درخت کے سائے میں دو چارپائیاں اور مونڈھے بچھے ہوئے تھے۔ وہ جن دو کمروں سے گزر کر صحن تک گیا تھا ان میں بھی کئی کئی چارپائیاں بچھی تھیں اور ان پر سلیقے سے بستر لپٹے رکھے تھے۔ دیوارگیریوں میں اور طاقوں میں بھی مختلف قسم کی چیزیں رکھی تھیں کسی میں سوکھے پھولوں کے ہار، کسی میں تانبے اور پیتل کے نقشین برتن کسی میں موم کی شمعیں اور کسی جگہ معجونیں۔ کھونٹی پر قرآن پاک اور تسبیح لٹکی ہوئی تھیں۔ موم کی شمعوں کے اوپر کی دیواریں دھوئیں سے سیاہ ہو گئی تھیں۔

زیبا کی ماں نے نیم کے نیچے بچھے ہوئے پلنگوں پر بستر بچھا دیئے سرہانے گاؤ تکیے رکھ دیئے اور بہلول سے مؤدبانہ درخواست کی کہ جس پر بھی مناسب سمجھے، تشریف فرما ہو جائے۔

بہلول ایک پلنگ پر پاؤں سکیڑ کر بیٹھ گیا اور ان دونوں سے بیٹھ جانے کی خواہش کی یہ دونوں بہلول کے سامنے پڑے ہوئے مونڈھوں پر بیٹھ گئیں۔ بہلول نے صحن کے چاروں طرف بنے ہوئے کمروں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا اتنے بڑے گھر میں بس چند ہی نفوس رہتے ہیں۔۔؟"

دادی نے جواب دیا۔ "نہیں، ایسی بات تو نہیں۔ یہاں اور لوگ بھی رہتے ہیں لیکن

وہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں۔"

زیبا کا ہم عمر بھائی، بہلول کو دور کھڑا گھور رہا تھا۔ بہلول کی نظریں زیبا کو تلاش کر رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ زیبا کہاں چلی گئی۔ دادی اس کی قلبی کیفیات سے خوب واقف تھی اس نے بہو سے کہا۔ "بہو، امیرزادے کی خاطر تواضع کر، یہ ہمارا مہمان ہے۔"

جب بہو چلی گئی تو دادی بہلول سے مخاطب ہوئی۔ بولی۔ "امیرزادے! تمہیں یہاں نہیں آنا تھا۔ اگر زیبا کا باپ آ گیا تو بہت ناراض ہوگا اور اس کا بھی امکان ہے کہ تمہاری بے عزتی کر دے۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "محترم خاتون! افسوس کہ میری چچی نے آپ کی بے عزتی کر دی، میں نے کئی بار سوچا کہ آپ کے پاس معذرت کے لئے آؤں، مگر نہیں آسکا۔ آج موقع ملا تو حاضر ہو گیا۔"

دادی نے ترشی سے کہا۔ "امیرزادے! بات یہ ہے کہ تم امیر لوگ اپنے علاوہ کسی اور کو عزت دار سمجھتے ہی نہیں۔ اور جہاں تک تمہاری چچی کا تعلق ہے تو وہ تمہارے معاملے میں اس لئے جذباتی ہو رہی ہیں کہ جلد یا بدیر ان کی بیٹی تم سے منسوب ہونے والی ہے۔"

بہلول نے چونک کر پوچھا۔ "یہ آپ کو کس نے بتایا ہے، مجھ کو تو نہیں معلوم۔"

دادی نے جواب دیا۔ "لیکن میں جانتی ہوں، حالانکہ تمہاری چچی کو یہ ضرور سوچنا چاہیئے کہ امراء ایک عورت پر اکتفا نہیں کرتے۔ بیک وقت کئی کئی بیویاں رکھتے ہیں، ہم لوگ اتنے حقیر ہرگز نہیں، کہ ہماری لڑکیاں امیرزادوں کی بیویاں نہ بن سکیں۔"

بہلول نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔ "یہ زیبا کہاں چلی گئی۔۔؟"

دادی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی، کہا۔ "میں جانتی تھی کہ تم زیبا کو ضرور پوچھو گے امیرزادے! تم نے اس کی عمر پر بھی غور کیا ہے یا نہیں۔۔؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "میں نے غور کیا کیوں نہیں۔ اس سے آپ کا مطلب۔۔؟"

دادی نے کہا۔ "امیرزادے! زیبا ابھی کمسن ہے اور جذبات حسن و عشق کا اس کو ذرا سا بھی شعور نہیں۔ میرے خیال میں تمہیں یہ وہم اپنے دل سے نکال دینا چاہیئے۔ وہ تمہارے لائق نہیں۔"

بہلول نے کہا۔ "میں خود بھی ابھی اس عمر میں نہیں ہوں کہ شادی کی بات کروں۔ ویسے میں آپ لوگوں سے یہ اجازت ضرور لوں گا کہ اگر کبھی کبھی میں یہاں آؤں تو مجھ پر کسی قسم کی پابندی نہ عائد کی جائے۔"

دادی نے جواب دیا۔ "امیرزادے! ایک بار تو تمہیں اندر بلا لیا گیا ہے لیکن بار بار اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے تمہاری مہربانی ہوگی جو تم آئندہ ادھر کا رخ نہیں کرو گے۔"

زیبا کی ماں پھل اور کھانے کی کچھ اور چیزیں لے کر آ گئی اور انہیں بہلول کے آگے رکھ کر بولی۔ "امیرزادے! اس دن تمہاری چچی کے ذلیل کرنے کے بعد ہمیں تم سے کسی قسم کا بھی تعلق نہیں رکھنا چاہیئے تھا مگر تمہاری شرافت پر بھی غور کرو، دوسرے اگر مجھ کو یہ احساس نہ ہوتا کہ اگر ہم نے تمہاری دل آزاری کی تو اس سے میری بیٹی زیبا کی بھی دل آزاری ہو جائے گی۔"

اس انکشاف نے بہلول کو بے حد خوش کر دیا اس نے پوچھا۔ "لیکن یہ زیبا ہے کہاں؟ کہیں نظر نہیں آئی، کیا کہیں چلی گئی۔۔؟"

ماں نے جواب دیا۔ "وہ کہیں بھی ہو اس وقت، لیکن وہ سردست تمہارے سامنے نہیں آئے گی۔"

بہلول کا دل ڈوبنے لگا۔ آہستہ سے پوچھا۔ "یہ کیوں۔۔ اس کا کوئی سبب؟"

ماں نے اپنی ساس کی طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ سرگوشی میں کہا۔ "امیرزادے! افسوس کہ میں اس بوڑھی عورت کے سامنے آزادانہ باتیں نہیں کر سکوں گی، پھر کبھی کہوں گی۔"

بہلول خاموش ہو گیا۔

زیبا کی ماں نے بہلول سے پوچھا۔ "اچھا امیرزادے! تو ایک بات تو بتا۔"

بہلول نے کہا۔ "پوچھئے، ضرور جواب دوں گا۔"

ماں نے نہایت سرگوشی میں پوچھا۔ "کیا میری بیٹی زیبا تجھ کو اچھی لگتی ہے۔۔؟"

بہلول کے پاس اس سوال کا جواب تھا تو ضرور مگر وہ دے نہیں سکا۔ شرما کر گردن جھکا لی اور پھل کھانے لگا۔

دادی بہو کی باتیں سن رہی تھی مگر دخل نہیں دے رہی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ اپنی بیٹی زیبا کے خلاف اس کی ماں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتی جس سے بچی کو اذیت پہنچے۔

بہلول نظریں جھکائے پھلوں کا صفایا کرتا رہا۔ بڑی دیر تک ماحول پر سکوت طاری رہا۔ آخر بہلول نے ہمت کر کے کہہ دیا۔ "ذرا زیبا کو بلوائیے تو۔"

دادی نے تنک کر جواب دیا۔ "بہو نے کہہ جو دیا کہ اس گھر میں اس وقت وہ موجود نہیں ہے۔ اپنے چچا کے گھر بھائی میں گئی ہوئی ہے۔"

بہلول کو یک لخت یہ گھر بہت برا لگنے لگا۔ اس نے منہ چلاتے ہوئے پوچھا۔

"آئے گی کب۔۔؟"

بہو نے جواب دیا۔ "جب اس کا چچا چھوڑ جائے گا۔"

بہلول کو شکوک و شبہات نے پریشان کرنا شروع کر دیا اس نے پوچھا۔ "چچی کی کتنی اولاد ہیں۔۔ یعنی لڑکے کتنے اور لڑکیاں کتنی؟"

دادی نے جواب دیا۔ "پانچ تو لڑکے ہیں، تین لڑکیاں۔ لڑکوں میں دو تو جوان ہیں اور بقیہ ابھی کم سن ہیں۔" دادی نے آہ بھرتے ہوئے مزید کہا۔ "ان لڑکوں میں دو جوان لڑکے تو ایسے سر پھرے ہیں کہ میں ان سے ہر وقت ڈرتی رہتی ہوں۔ میں نے تو یہاں تک سن رکھا ہے کہ دونوں ہی زیبا کو بہت پسند کرتے ہیں اور اس کی خاطر بڑے بڑے واقعات جنم لیتے رہتے ہیں۔"

بہلول نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ "زیبا ان دو میں سے کسی ایک سے منسوب تو نہیں۔۔؟"

دادی نے جواب دیا۔ "ابھی تو منسوب نہیں کیا ہے لیکن بہت جلد منسوب کر دی جائے گی۔"

بہلول کی جان میں جان آئی بولا۔ "محترم خاتون! زیبا پر آپ کو اختیار ہے جس سے چاہیں منسوب کر دیں، جس کو چاہیں سپرد کر دیں لیکن میں اپنے بارے میں آپ کو ایک نہایت اہم خبر سنانے والا ہوں۔ اگر آپ اس پر یقین کر لیں تو پھر یہ آپ کا فرض ہوگا کہ آپ اس کی روشنی میں زیبا کی قسمت کا فیصلہ کریں۔ اور اگر اس پر یقین نہ آئے تو جو جی میں آئے سو کر گزریں۔"

دادی اور زیبا کی ماں نے ایک ساتھ پوچھا۔ "وہ کیا۔۔؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "ایک دن میرے گھر ایک نجومی آیا تھا وہ ہر ایک کو اس کی قسمت کا حال بتانے لگا۔"

دادی نے کہا۔ "جو کچھ تو کہتا ہے صاف صاف کہہ، پہیلیاں نہ بجھا پھر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ زیبا کا باپ جب تک آئے، تجھے یہاں سے چلا جانا چاہیئے۔"

بہلول نے دادی کی بات گویا سنی ہی نہیں بولا۔ "اس نجومی نے جب میرا زائچہ دیکھا تو یہ بتایا کہ میں اس ملک کا بادشاہ بن جاؤں گا اور میری جس لڑکی سے شادی ہوگی سنار کی لڑکی ہوگی۔ اور اس سے جو اولاد ہوگی اس میں سے ایک اس ملک پر شاندار حکومت کرے گی۔"

دادی کو بے حد ہنسی آئی بولیں۔ "امیرزادے! میں دیکھ رہی ہوں کہ تو شادی کے لئے بہت بے چین ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے۔۔؟"

زیبا کی ماں نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ "آہ! میں اندر جا رہی ہوں کیونکہ میرا دل اندر سے کہہ رہا ہے کہ وہ آنے ہی والے ہیں اور میں یہ نہیں چاہتی کہ اس گھر میں کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جس سے میری بے عزتی ہو جائے۔"

ساس نے جواب دیا۔ "تو جا سکتی ہے۔"

وہ چلی گئی۔ بہلول بھی ایک دم اٹھ کھڑا ہوا، بولا۔ "اب میں بھی جاؤں گا۔"

زیبا کی دادی نے کہا۔ "امیر زادے! یقیناً کیوں نہیں؟ میں تیری مزے دار باتیں کچھ دیر اور سننا چاہتی ہوں۔"

بہلول نے غیر متوقع جواب دیا۔ "بزرگ خاتون! اب میں اس لئے چلا جانا چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ لوگوں کو مشتاق کی نظر میں ذلیل و خوار نہ ہونا پڑے۔"

دادی نے کہا۔ "نہیں! ایسی کوئی بات نہیں وہ میرا بیٹا ہے میں اس کو سمجھا بھی سکتی ہوں۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "بزرگ خاتون! میں سپاہی کا بیٹا ہوں۔ آپ سنار کی ماں ہیں آپ کاروباری باتیں اچھی کر لیتی ہوں، میں سپاہی زادہ ہوں اس لئے سپاہیوں کی طرح غیر کاروباری، دو ٹوک باتیں کرنے کا عادی ہوں۔"

زیبا کی ماں دوسرے کمرے سے ان دونوں کی تلخ و ترش باتیں سن رہی تھی، اس نے بہلول کو جاتے دیکھا تو بھاگ کر پھر واپس آگئی حیرت سے پوچھا۔ "امیر زادے! کہاں چلے؟ زیبا آچکی ہے اور وہ تم سے ملنا چاہتی ہے۔"

بہلول کے اٹھتے ہوئے قدم ایک دم رک گئے۔ پھر بھی اپنی انا کا خاص خیال رکھا، بولا۔ "میں دوبارہ جب کبھی آؤں گا تو زیبا سے بھی مل لوں گا اس وقت میں نہیں رک سکتا۔"

دادی نے غصے میں کہا۔ "صاحبزادے! اگر تم اس وقت نہیں رک سکتے تو پھر یہاں کبھی بھی نہ آنا۔ کیونکہ میں بچوں کی اپنے بڑوں کے روبرو سرکشی اور گستاخی کو برداشت نہیں کر سکتی۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "یہ سرکشی یا گستاخی نہیں ہے، مجھے اپنے ضمیر کا اعتماد حاصل ہے اس لئے مجھے یہ پوچھنے کی کبھی ضرورت نہیں رہی۔"

جب وہ صدر دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا تو ماں زیبا کو ساتھ لئے اس کی طرف لپکی اور خوشامدانہ درخواست کی۔ "امیر زادے! بس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو تمہیں اس وقت تک نہیں جانے دوں گی جب تک کہ تم اس گھر کا کھانا نہیں کھا لو گے۔"

اب اس کے سامنے زیبا بھی کھڑی تھی اور بہلول کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی۔ اب اس کے پاؤں پکڑے گئے تھے، زیبا کی کشش اس کو روک رہی تھی۔ زیبا نے آگے بڑھ کر درخواست کی۔ "امیر زادے! ابھی آپ نہیں جائیں گے۔"

بہلول رک گیا، کھانا لگایا گیا اور پھر ان سب نے ایک ساتھ کھانا کھایا۔

بہلول زیبا کی اچانک موجودگی سے کسی الجھن میں پڑ گیا۔ اس نے سوچا اگر زیبا گھر میں موجود تھی۔ تو اس کو اس وقت سامنے کیوں نہیں لایا گیا؟ اس سے جھوٹ کیوں بولا گیا؟ ان سب کے جواب میں بس ایک ہی بات بار بار ذہن میں آتی تھی۔ وہ یہ کہ یہ لوگ زیبا کے عوض اس سے معاملت کر رہے تھے۔

اب اس کو ان لوگوں سے اور زیادہ گھن آنے لگی۔ بولا۔ "اچھا اب تو اجازت ہے؟"

ان لوگوں نے ایک بار پھر روکنا چاہا مگر وہ نہیں رکا اور دروازے کے باہر نکل گیا۔ زیبا اس کے پیچھے بھاگتی ہوئی پہنچی اور بڑی معصومیت سے پوچھا۔ "ماں پوچھ رہی ہیں کہ اب آپ کب آیئے گا۔؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "اپنی ماں سے کہہ دو اس دن جب ڈھنگ سے کاروباری باتیں نکل جائیں گی میں آجاؤں گا۔"

زیبا نے کہا۔ "اگر یہ سوال میں کروں تو آپ کیا جواب دیں گے؟"

بہلول نے کہا۔ "تب پھر میں یہ کہتا کہ اب میرا ہی بار بار آنا کیا ضروری ہے تم خود میرے پاس چلی آؤ۔"

زیبا ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی اور حسرت بھری نظروں سے بہلول کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ بہلول گولر کے درخت سے اپنا گھوڑا کھول کر اس پر سوار ہو گیا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

* * *

زیبا کی دادی نے جس قسم کی باتیں کی تھیں اس نے بہلول کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ غصے سے دل و دماغ اپنی اہانت برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے۔ زیبا اس کو بہت اچھی لگی تھی۔ مگر دادی اس کی جو قیمت مقرر کر رہی تھی بہلول اس پر لینے کو ہرگز تیار نہ تھا۔ اس کے جوش نے حسین دریچے نے اس کے دل و دماغ کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی تھی، اس نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک وہ اپنے ملک کا کوئی بڑا آدمی نہیں بن جاتا، زیبا یا اس نوع کی کسی اور لڑکی کو اپنانے

اب بہلول نے ملکی معاملات پر توجہ دینا شروع کر دی۔ سیاسی داؤ پیچ کا علم سیکھنے لگا۔
ان دنوں دہلی دربار سے جو خبریں آرہی تھیں وہ بڑی تشویشناک تھیں۔ تشویشناک دہلی دربار کے لئے اور امید افزا دہلی دربار کے مخالفین کے لئے۔ بہلول کو اپنے چچا اسلام خان پر حیرت تھی کہ وہ سرہند پر قناعت کر کے کیوں بیٹھ گیا ہے۔ وہ دہلی کے تاج و تخت پر قبضے کے کیوں نہیں سوچتا۔

اسلام خان کے آس پاس افغانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ دہلی میں محمد شاہ کا وزیر حسام الدین بادشاہ کو خطرات سے آگاہ کر رہا تھا وہ بار بار یہی کہتا تھا کہ افغانوں کے ارادے اچھے نہیں نظر آتے۔ محمد شاہ نے اسلام خان کو متنبہ کر دیا کہ سرہند میں افغانوں کا غیر معمولی اجتماع شک و شبہ کا باعث بنا ہوا ہے اس لئے انہیں منتشر کر دیا جائے۔ اسلام خان نے جواب میں کہلا دیا کہ اب تک میرے گرد بارہ ہزار افغان جمع ہو چکے ہیں، میں انہیں اس لئے منتشر نہیں کر سکتا کہ ممکن ہے بادشاہ کو اپنے کسی طاقتور دشمن یا دشمنوں کے لئے فوج کی ضرورت پیش آجائے اس وقت میرے بارہ ہزار افغان آپ کے کام آجائیں گے۔

اب بہلول جوان ہو چکا تھا۔ اور انتظامی اور سیاسی معاملات کا خاصا تجربہ حاصل کر چکا تھا۔ اس نے اپنے چچا اسلام خان کو مشورہ دیا کہ وہ کمزور محمد شاہ کا بلاوجہ اطاعت گزار کیوں بنا ہوا ہے۔ دہلی کی سلطنت کو اکھاڑ پھینکنے میں کون سا امر مانع ہے۔

اسلام خان نے جواب دیا۔ "بہلول! جو کچھ تو نے کہا، میں اس کی قدر کرتا ہوں لیکن بارہ ہزار افغانوں سے دہلی کے محمد شاہ کو شکست دینا ناممکن ہے۔ خدا کے لئے آئندہ ایسی باتیں نہ کرنا کیونکہ اگر ان باتوں کا علم بادشاہ کو ہو گیا تو ہمیں بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

لیکن بہلول ذرا بھی نہ گھبرایا بولا۔ "چچا! اگر آپ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے کوئی قدم اٹھائیں گے تو کامیابیاں آپ کے قدم چومیں گی، اور ایک وسیع و عریض سلطنت پر قابض ہونے کے بعد آپ اپنے خاندان پر بہت بڑا احسان کریں گے۔"

ان دنوں اسلام خان بیمار بہت رہنے لگا تھا اپنے دونوں ہاتھوں کی ابھری ہوئی نسیں بہلول کی طرف کر دیں اور کہا۔ "ان نسوں کو دیکھو کہ کتنی ابھر آئی ہیں جسم کی کھال بھی ساتھ چھوڑ رہی ہے۔ بڑھاپا کسی نازنین کی طرح میرے جسم کی پوست کو مسلسل چھلنے میں مشغول ہے آج جو برا حال ہے کل اس سے بھی بدتر حال ہوگا اب مجھ میں پچھلا دم خم موجود نہیں، ورنہ میں خود بھی یہی سوچتا تھا کہ مجھے قناعت نہیں کرنا چاہئے بلکہ جو کچھ ہے اس

کا تصور تک نہیں کر سکتا۔

چچی کو بہلول کے جانے کا علم ہو چکا تھا۔ انہوں نے بہلول کو آڑے ہاتھوں لیا۔ بہلول تو یوں ہی بہت پریشان تھا، چچی کی طعن و طنز کی باتیں اور زیادہ پریشان کن ثابت ہوئیں۔ اس نے غصے میں صاف صاف کہہ دیا کہ چچی! اب میں مزید یہ باتیں نہیں برداشت کر سکوں گا۔ اس لئے براہ کرم آپ خاموش رہا کریں اور میرے ذاتی معاملات میں دخل نہ دیا کریں۔"

چچی نے پرجوش آواز میں کہا۔ "بلو! میں نے تجھ کو ماں کی طرح پالا پوسا ہے۔ میں تیری چچی ہی نہیں ماں بھی ہوں۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "میں نے آپ کا احترام بھی ماں ہی کی طرح کیا ہے لیکن خدا کے لئے مجھ پر قدغنیں نہ لگائیے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھاؤں گا جس سے آپ کی سبکی یا بے عزتی ہو۔"

چچی نے بہلول کے تیور خراب دیکھے تو چپ ہو گئیں۔

بہلول کئی دن تک چپ چپ اداس رہا۔ اس نے اس دوران لوگوں سے کم سے کم باتیں کیں۔ وہ دن کے کسی بھی حصے میں گھوڑے کی پشت پر بیٹھ جاتا اور گھوڑے کو بے مقصد ادھر ادھر بھگاتا رہتا۔ گھوڑا بھی اس سے عاجز آیا ہوا تھا۔ اپنی ان بے مقصد اور فضول مصروفیات میں بھی اس کا دماغ اپنے کام میں مشغول رہتا۔ وہ ہر وقت یہی سوچتا رہتا کہ برائے نام اختیار اور اقتدار کوئی چیز نہیں، سرہند کی حکومت تو بہت معمولی شے ہے اور پھر یہ کہ اس پر تو اس کے چچا کی حکومت ہے اس کی اپنی حکومت کہیں بھی نہیں۔ اس نے اپنے چچا کے بعد کے حالات پر غور کیا تو اس کے بیٹوں کی ایک قطار سامنے کھڑی دکھائی دی۔ یہ سب اسلام خان کے جانشین تھے۔ ان میں وہ خود شامل نہیں تھا۔ بہلول اپنے آپ کو بے یار و مددگار اور یکتا و تنہا محسوس کرنے لگا۔ اس کو اپنے چچا کے بیٹوں میں قطب خان اور عیسیٰ خان سے ڈر لگتا تھا۔ کیونکہ یہ دو اکثر و بیشتر بہلول کے مخالف رہتے تھے۔ انہیں اپنے گھر میں بہلول کا رہنا تک پسند نہیں تھا۔

ان دونوں کے علاوہ چچا فیروز خان تھے یہ بھی اپنے بھائی کی موت کے خواہاں تھے اور انہیں معلوم نہیں کس نے یہ یقین دلا دیا تھا کہ اسلام خان کے بیٹے جانشین ثابت نہیں ہو سکے۔ فیروز خان کو اسلام خان کے بیٹوں سے کوئی ڈر نہیں تھا انہیں خوف تھا تو بہلول کی طرف سے یہ شاطر چالاک اور عقل مند لڑکا ابھی سے مستقبل کا درخشاں ستارہ نظر آتا تھا۔ اور اس کی موجودگی میں کسی اور کا اس پر سبقت لے جانا فیروز خان کی نظر میں ناممکن تھا۔

میں اضافہ کرنا چاہیئے۔"

بہلول نے اپنے چچا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اس کی روز بروز گرتی ہوئی حالت پر غور کرنے لگا۔ اسلام خان بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر اچانک سوال کیا۔ "بہلول! کئی سال گزرے، تو کسی سنار زادی میں دلچسپی لے رہا تھا وہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟ اس معاملے کا کیا ہوا۔۔۔؟"

بہلول کے دل پر گھونسہ سا لگا، وہ اداس ہو گیا، پھیکی ہنسی ہنس کر بولا "چچا! وہ تو بڑی پرانی بات ہو گئی۔ میں اس کے گھر بس ایک بار گیا تھا پھر کبھی بھی نہیں گیا۔"

اسلام خان نے پوچھا۔ "وہ کیوں؟ تو وہاں کیوں نہیں گیا دوبارہ؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "گھر میں چچی نے اس کی مخالفت کی تھی اس لئے میں نے اس کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔"

اسلام خان نے ہنس کر کہا۔ "واہ بھتیجے واہ، ایک چچی کی مخالفت سے تم نے اپنے جذبات کو گھونٹ کر رکھ دیا! تمہیں اس کے پاس جانا چاہیئے تھا اگر وہ لڑکی تمہیں پسند تھی تو اس کو کسی بھی طرح حاصل کرنا چاہیئے تھا میں نہیں جانتا کہ جو نوجوان ایک لڑکی کو حاصل نہیں کر سکتا وہ دہلی کی حکومت کے خواب کیوں دیکھتا ہے۔"

بہلول شرمندہ ہو گیا، بولا۔ "عم محترم! میں نے جو کچھ کیا ہے چچی کے احترام اور لحاظ میں کیا ہے۔"

اسلام خان نے جواب دیا۔ "مردوں کے معاملات میں عورتوں کا کیا دخل یہ انتہائی بودا اور ذلیل ترین عذر ہے، میں اس سے ذرا بھی خوش نہیں ہوا۔"

بہلول نے عرض کیا۔ "تب پھر آپ چچی کو سمجھا دیجئے۔"

اسلام خان نے جواب دیا۔ "پھر وہی احمقانہ باتیں۔۔!"

بہلول اسی وقت چچا کے پاس سے اٹھا اور سیدھا ثریا کے گھر روانہ ہو گیا۔ اس کو اپنے چچا پر بڑا پیار آ رہا تھا، اسلام خان نے تو اس کی مشکل ہی آسان کر دی تھی اور سوچنے کا ڈھنگ ہی بدل دیا تھا۔

کئی سال بعد وہ ثریا کے پاس جا رہا تھا۔ راستہ کچھ کچھ یاد تھا چلتے چلتے وہ ثریا کے گھر کے سامنے پہنچ گیا۔ اب وہاں گولر کا درخت نہیں تھا اس کو کسی نے کاٹ دیا تھا۔ بہلول کو درخت کے کٹ جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ منقش دروازے پر برسوں کی دھول جمی ہوئی تھی اور ایسا لگتا تھا گویا اس مکان میں کوئی رہتا ہی نہیں۔"

بہلول نے دروازے پر کھڑے ہو کر آہستہ آہستہ تین بار دستک دی اندر سے کوئی بھی نہ نکلا۔ اس نے اس بار ذرا زور زور سے دستک دی تو اندر سے کسی کپکپاتی نسوانی آواز نے پوچھا۔ "کون ہے۔۔؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "میں ہوں بہلول۔ اسلام خان کا بھتیجا۔"

کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ اس نے پہلی ہی نظر میں دادی کو پہچان لیا۔ اس نے بہلول کو اندر نہیں بلایا، دروازے ہی سے پوچھا۔ "امیر زادے! خیریت سے تو ہو، آنا کیسے ہوا۔۔۔؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "محترم خاتون! میں ادھر ایک دوست کے پاس آیا تھا، آپ کے نقشین دروازے کو دیکھا تو آپ سب یاد آ گئے۔"

بہلول کو دکھ تھا کہ بڑی بی اندر کیوں نہیں بلا رہی۔ آخر یہ انہیں ہو کیا گیا ہے اس نے کہا۔ "آپ نے مجھے اندر نہیں بلایا حالانکہ آپ بہت با اخلاق ہوا کرتی تھیں۔"

دادی نے تلخی سے جواب دیا۔ "اگر میں تمہیں اندر بلا بھی لوں، تو یہاں تمہیں وہ چیز نہیں ملے گی جس کے لئے تم آئے ہو۔"

بہلول نے گھبرا کر پوچھا۔ "کیوں وہ سب کہاں چلے گئے؟"

دادی نے جواب دیا۔ "دہلی۔۔۔ وہ سب دہلی چلے گئے۔"

بہلول کے دل پر ایک اور چوٹ لگی، بولا۔ "لیکن آپ تو یہیں ہیں، کیا وہ لوگ آپ کو چھوڑ کر دہلی چلے گئے۔۔؟"

دادی نے دروازہ کھول دیا اور کہا۔ "شرفاء یوں باتیں نہیں کرتے، اندر آ جاؤ، پھر باتیں ہوں گی۔"

بہلول نے اپنے گھوڑے کو گولر کے ٹھنڈ سے باندھ دیا اور اندر چلا گیا۔ وہاں واقعی بڑی بے سروسامانی تھی۔ خالی کمرے بھائیں بھائیں کر رہے تھے پلنگ اب بھی موجود تھے لیکن ان پر بستر نہیں تھے۔ ساز و سامان بھی زیادہ نہیں تھا۔ تکیے پرانے چکٹ تھے۔ بہلول نے ادھر ادھر نظریں ڈالیں کمروں میں اندھیرا تھا۔ دادی نے ایک خالی چارپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس پر بیٹھ جاؤ۔"

بہلول نے شوخی سے کہا۔ "میں یہاں نہیں بیٹھوں گا مجھے صحن کے اسی نیم کے درخت کے سائے میں لے چلیے۔ جہاں میں ایک بار بیٹھ چکا ہوں۔"

دادی نے اداسی سے کہا۔ "چلو وہیں چلتے ہیں لیکن اس بار وہاں بیٹھنے میں مزہ

نہیں آئے گا۔"

وہ دونوں صحن میں نیم تلے چلے گئے۔ یہ پت جھڑ کا موسم تھا۔ نیچے زمین پر پتیوں اور پھولوں کا بچھونا سا بچھا ہوا تھا اور ننگی شاخوں کے بیچ سے سورج کی روشنی بے محابا آ رہی تھی۔ اس کے نیچے صرف ایک پلنگ پڑا تھا۔ جس پر بستر نہیں تھا۔ پلنگ کے پاس دو ٹوٹے پھوٹے مونڈھے رکھے تھے۔ بہلول کسی تکلف کے بغیر پلنگ پر بیٹھ گیا۔ دادی اندر جانے لگیں۔ "ذرا ٹھہرو تو میں اس پر بستر بچھا دوں وہاں کھری چارپائی کے بان چبھیں گے۔"

بہلول نے دادی کا ہاتھ پکڑ لیا بولا۔ "نہیں۔ ان تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں یوں ہی بیٹھ جاؤں گا۔"

اور وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔ دادی نے بھی اصرار نہیں کیا اور ایک مونڈھے کو کھینچ کر بہلول کے سامنے بیٹھ گئیں۔

بہلول نے پوچھا۔ "اتنا بڑا انقلاب آ کس طرح گیا۔؟"

بڑی بی نے بہلول کو شاید پہلی بار غور سے دیکھا اور کہا۔ "خوب! تو تم اتنے بڑے ہو گئے۔ واہ بھئی واہ! اب تو تم بہت شاندار ہو گئے ہو۔"

بہلول نے خاموشی اختیار کئے رکھی۔ بڑی بی نے مزید کہا۔ "جب تو آ کر چلا گیا تھا تو یہ خبر مشتاق کو پہنچائی گئی اس نے ہمیں بہت ذلیل کیا اور کہا کہ آئندہ کسی بھی حاکم کا لڑکا اس گھر میں نہیں داخل ہوگا کیونکہ میں کسی حاکم سے بھی مرعوب نہیں تھا۔ میری رسائی دہلی کے بادشاہ تک ہے پھر میں ان نام نہاد حاکموں کو خاطر میں کیوں لاؤں۔"

بہلول کو غم بھی ہو رہا تھا اور غصہ بھی آ رہا تھا۔ اس کو حیرت تھی کہ ایک معمولی سنار کا دماغ اتنا اونچا اونچی باتیں سوچنے اور کرنے کیوں لگا۔ اس نے پوچھا۔ "بزرگ خاتون! پھر؟ پھر کیا ہوا؟"

بڑی بی نے کہنا شروع کیا۔ "پھر یہ ہوا کہ میں تیرا انتظار کرنے لگی۔ میرا خیال تھا کہ تو ضرور آئے گا لیکن تو نہیں آیا۔"

بہلول نے پوچھا۔ "اگر میں آتا تو آپ کیا کرتیں۔؟"

بڑی بی نے جواب دیا۔ "اگر تو آتا رہتا تو میں زیبا کو تجھ سے وابستہ کرا دیتی۔ میں آج بھی اس دن کو یاد کر کے کوسنے لگتی ہوں کہ میں نے زیبا کے معاملے میں تجھ سے معاملت کیوں کرنا چاہی؟ حالانکہ معاملہ بالکل سیدھا سادا تھا۔ تم دونوں کمسنی کے باوجود ایک

دوسرے کو چاہتے تھے مگر کچھ لوگ اس کو پسند نہیں کرتے تھے اور درمیان میں افتراق پیدا کرا دیا۔"

بہلول نے جھنجلا کر پوچھا۔ "آپ سب کچھ بتا رہی ہیں مگر یہ نہیں بتا رہیں کہ سب کہاں چلے گئے۔ ان پر کیا بیتی یا اب وہ کہاں ہیں اور اچھے حالوں میں ہیں یا برے حالوں میں۔؟"

بڑی بی نے جواب دیا۔ "وہ سب دہلی میں ہیں اور اچھے حالوں میں ہیں۔ سبھی خوش ہیں میرے سوا۔"

بہلول نے کہا۔ "آپ کو بھی چلا جانا چاہیئے تھا۔ یہاں آپ کی دیکھ بھال کون کرے گا۔؟"

بڑی بی نے بڑی خوش مزاجی سے کہا۔ "ارے میں نے تجھے صرف باتوں ہی میں بہلائے رکھا۔ کھلایا پلایا کچھ بھی نہیں۔ ذرا بیٹھ، میں ابھی لاتی ہوں تیرے لئے کچھ۔"

لیکن بہلول نے بڑی بی کو پکڑ کر اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔ اب وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ زیبا کی کہیں شادی ہوئی یا نہیں اور خود اس کی گزر بسر کس طرح ہو رہی ہے۔؟"

بہلول نے کہا۔ "بزرگ خاتون! اگر مجھ سے معاملت نہ کی جاتی اور ہر بات سیدھی طرح کی جاتی تو شاید یہ دن نہ آتا اور زیبا کو کسی اور سے وابستہ نہ کرنا پڑتا۔"

بڑی بی نے چونک کر پوچھا۔ "کیا زیبا کی شادی ہو گئی؟ کس سے ہو گئی؟ تجھے یہ بات کس نے بتائی۔؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "مجھ کو کیا پتہ کہ زیبا کی شادی ہوئی یا نہیں یہ بات اندازے سے کہی تھی میں نے، کیونکہ لڑکیاں اتنے دن کنواری نہیں بیٹھی رہتیں۔"

بڑی بی نے ایک بار پھر سرد آہ بھری اور بولیں۔ "یہ بات تو میں نے بتائی ہی نہیں۔ تجھ کو یاد ہو گا کہ میں نے تجھ کو بتایا تھا کہ زیبا کے چچا کے دو نوجوان لڑکے اس کو بچپن ہی سے چاہنے لگے تھے۔ جب زیبا سیانی ہو گئی تو ان دونوں میں رقابت شروع ہو گئی۔ دونوں زیبا کی خاطر ایک دوسرے کی جان کے لاگو ہو گئے۔ اور آخر کار چھوٹے بھائی نے بڑے کو ہلاک کر دیا اور چھوٹا قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ اس واقعے نے زیبا پر اتنا شدید اثر چھوڑا کہ اس نے شادی ہی سے انکار کر دیا۔ اس نے اپنے والدین کو خبردار کر دیا ہے کہ اگر اس پر جبر کیا گیا تو وہ

خودکشی کر لے گی۔"

بہلول کو ہلکی سی خوشی بھی ہوئی لیکن یہ بات کانٹے کی طرح دل میں کھٹکنے لگی کہ کہیں زیبا کے دل میں کسی ایک کی محبت خونگن نہ ہو۔ جو اس نے شادی ہی سے انکار کر دیا۔ بہلول نے کہا۔ "زیبا کی ضد اپنی جگہ لیکن والدین کی ذمہ داری بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ کسی لڑکی کو زندگی بھر گھر میں تو نہیں بٹھایا جا سکتا۔ اور بفرضِ محال اگر زیبا کو کسی سے محبت بھی تھی تب بھی یہ محبت مایوسی اور مستقل مجبوری کے بعد دل میں جاگزیں نہیں رہ سکتی۔ اس کو سمجھانے کی ضرورت ہے!"

بڑی بی ہنسنے لگیں، بولیں۔ "امیرزادے! میں تمہاری باتیں خوب سمجھتی ہوں، اس طرح تو بہت سی باتیں جان لینا چاہتا ہے مگر باتیں تو جاننا چاہتا ہے اس کا نچوڑ میں دو لفظوں میں یا دو جملوں میں بیان کر سکتی ہوں۔"

بہلول نے پوچھا "وہ کیا۔۔؟"

بڑی بی نے جواب دیا۔ "وہ یہ کہ زیبا ان دونوں سے نفرت کرتی تھی اور شادی سے انکار کر دینے کی کوئی اور ہی وجہ ہے۔"

بہلول کا دل ٹھہر گیا۔ ذرا سکون سا آ گیا، وہ سر جھٹک کر بیٹھ گیا اور مستقبل کے منصوبے بنانے لگا۔ بڑی بی موقع غنیمت دیکھ کر تل گتیں اور خشک میووں سے بہلول کی ضیافت کی۔ وہ جس محبت اور شفقت سے بہلول کو کھلا پلا رہی تھیں، بہلول اس سے بڑا متاثر ہوا، بولا۔ "محترم خاتون! یہ میرا وعدہ ہے کہ اگر میں اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو گیا تو۔۔۔۔ آپ کو اپنے ساتھ ہی رکھوں گا۔"

بڑی بی نے معصومیت سے کہا۔ "یعنی زیبا سے شادی کرنے کے بعد۔۔؟"

بہلول نے کہا۔ "نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ زیبا تو بڑی معمولی سی شے ہے۔ میں دہلی کے تاج و تخت کی بات کر رہا ہوں۔ میں اپنی ذات میں وہ ساری خصوصیات اور اوصاف محسوس کر رہا ہوں جو بادشاہوں کو درکار ہوتے ہیں۔ بزرگ خاتون! آپ نے سنا ہوگا کہ میں ایک غیر معمولی سا انسان ہوں۔ میں موت کی کوٹھڑی سے بہ نوکِ خنجر نکالا گیا ہوں جس طرح میری ابتدا غیر معمولی ہے، اسی طرح میری انتہا اور میری پوری زندگی بھی غیر معمولی رہے گی۔ قدرت نے میری پیدائش کی شکل میں مجھ کو یہ بتا دیا ہے کہ مجھ کو اس دنیا میں جو کچھ بھی ملے گا بہ نوکِ خنجر اور بزورِ شمشیر حاصل ہوگا، وہ زیبا ہو یا دہلی کا تاج و تخت۔"

بڑی بی یہ باتیں سن کر حیران بھی ہوئیں اور پریشان بھی۔ انہیں ایسا لگا گویا بہلول

کا دماغ چل گیا ہے، اس کا ذہنی توازن درست نہیں رہا ۔۔۔ وہ پاگل ہو چکا ہے۔ انہوں نے ازراہِ مذاق مگر سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "امیرزادے بتاؤ میں یہ امید کروں کہ دہلی کا تاج و تخت حاصل کر چکنے کے بعد تم مجھے ضرور یاد رکھو گے!"

بہلول نے جواب دیا۔ "پتہ نہیں کس کو یاد رکھوں گا اور کس کو نہیں یاد رکھوں گا لیکن یہ طے ہے کہ یاد صرف وہی لوگ رہ جائیں گے جنہوں نے میرے ساتھ یادگار سلوک کئے ہوں گے۔ ورنہ یوں کون کس کو یاد رکھتا ہے۔"

زیبا اور اس کے کنبے کی بابت بہلول کو جو کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ اس کی روشنی میں بڑی بی کے پاس مزید رکنا بیکار تھا۔ وہ چلا آیا اور مستقبل کی بابت سوچنے لگا۔ چچا اسلام خان کو بیماریاں پریشان کرنے لگی تھیں انہیں اپنے کنبے اور افغانوں کا بڑا خیال تھا۔ آخر وقت میں اسلام خان نے بہلول کو تخلیے میں طلب کیا، جب وہ اسلام خان کے کمرے میں داخل ہوا، اس وقت اس کی چچی اپنے شوہر کے پاؤں کے پاس بیٹھی شوہر کی صحت یابی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ سفید چادر آدھی پیروں پر پڑی تھی اور اس کا کچھ حصہ ناف تک جسم کو چھپائے ہوئے تھا۔ اسلام خان نے بہلول کو اپنے روبرو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا، اور اپنی بیوی سے کہا۔ "بہلول کو بیٹھنے کی جگہ دو، یہ بروقت آیا ہے میں اس سے آج اہم ترین باتیں کروں گا۔"

بہلول چچا کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ اسلام خان نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور کہنے لگا۔ "بیوی! میری باتیں تو بھی سن اور بہلول بھی۔" اس کے بعد کچھ دیر دم لیا، اور پھر آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ "بہلول! میں نے تجھ کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ اور اپنے بعد کے لئے میں جو وصیت نامہ چھوڑ رہا ہوں۔ اس سے بہت سے لوگ چراغ پا ہو جائیں گے۔ میرے بیٹوں ہی میں کئی تجھ سے بہت ناراض ہیں۔"

بہلول نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "میں لوگوں کی ناراضیوں کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتا، میں تو اس کا قائل ہوں کہ اگر آدمی حق پر ہو تو کسی کی بھی پرواہ نہ کرے اور۔۔۔"

اسلام خان نے ہنس کر پوچھا۔ "اور۔۔ اور۔۔ اور پھر کیا ہوا؟"

بہلول نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اسلام خان نے کہا۔ "میرے دوست اور ہمدرد! میں نے یہ سوچا ہے کہ تم میری بیٹی سے شادی کر لو۔ اس طرح تم میرے داماد بھی ہو جاؤ گے اور تمہاری جانشینی پر حسد یا شک نہیں کریں گے۔"

چچی نے فوراً کہا۔ "میں تو اس دن کے انتظار میں ہوں۔"

اسلام خان نے پوچھا۔ "بہلول! اس پر کوئی اعتراض؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "چچا! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں تو آپ کا احسان مند ہوں عم محترم! میری یہ مجال نہیں کہ میں آپ کی کسی بات سے انحراف یا اختلاف کروں۔"

اسلام خان نے اپنی بیوی سے کہا۔ "جا نیک بخت! شادی کی تیاریاں کر۔ اس وقت میں اس حالت میں نہیں ہوں کہ اس تقریب کو اپنے ہاتھوں سے انجام دوں۔ یہ سارا کام تجھی کو کرنا ہے۔"

بیوی اٹھ کر کھڑی ہو گئی، بولی۔ "میں سارے کام کی ذمہ داری قبول کرتی ہوں۔"

اس کے بعد وہ اٹھ کر چلی گئیں تو اسلام خان نے کہا۔ "دروازے سے جھانک کر دیکھو وہ ہے یا چلی گئی؟"

بہلول دروازے سے جھانک کر چچی کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو بہلول نے دروازے کو بھیڑ دیا اور چچا اسلام خان کے پاس چلا گیا۔

اسلام خان نے کہا۔ "دروازے کو اندر سے بند کر دے تاکہ یہاں کوئی اور نہ آسکے۔"

بہلول نے اندر سے دروازے کو بند کر دیا اور اسلام خان کے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا۔

اسلام خان نے کہا۔ "بہلول! شاید تجھے نہیں معلوم کہ اس گھر میں تیری سب سے زیادہ مخالفت کون کرے گا؟ لیکن میں جانتا ہوں اس لئے اپنی بیٹی کی شادی تجھ سے کر رہا ہوں۔"

بہلول نے آہستہ سے پوچھا۔ "اس گھر میں میری مخالفت کرنے والا کون ہے جس کو میں نہیں جانتا۔"

اسلام خان نے جواب دیا۔ "میرے بیٹے قطب خان اور عیسیٰ خان میرا بھائی اور تیرا چچا فیروز خان بھی تیری زبردست مخالفت کرے گا۔ لیکن اس کی مخالفت عارضی اور وقتی ہوگی۔ اور خیال یہ ہے کہ یہی فیروز خان تیرا ہمدرد اور رفیق ثابت ہوگا۔"

بہلول نے حیرت سے پوچھا۔ "یعنی بھائی قطب خان، عیسیٰ خان اور چچا فیروز خان بھی میری مخالفت کریں گے۔؟"

اسلام خان نے جواب دیا۔ "ہاں یہ تینوں تیری مخالفت کریں گے اور تو خود بھی یہ محسوس کرے گا کہ ان سے زیادہ موثر اور مضبوط مخالفت کوئی اور نہیں کر سکتا۔"

بہلول فکرمند ہو گیا۔ اسلام خان نے اس کو فکرمند دیکھ کر کہا۔ "کل پرسوں تک تو میرا داماد بھی ہو جائے گا یہ نیا رشتہ شاید قطب خان عیسیٰ خان اور بھائی فیروز خان کے دل سے کینہ و بغض نکال دے، ورنہ یوں کوئی امید نہیں، شادی کے بعد تو سمانہ چلا جا، وہاں کا حاکم میرا دوست ہے تو اس سے عہد و پیمان لے سکتا ہے اور وہ تیرے برے وقتوں کا اچھا ساتھی ثابت ہوگا۔"

بہلول نے کہا۔ "میں اکیلا جاؤں یا کسی اور کو بھی اپنے ساتھ لے لوں۔"

اسلام خان نے کہا۔ "قطب خان اور بھائی فیروز خان کو اپنے ساتھ لے جا۔ اور ان دونوں سے یوں گھل مل جا کہ ان کے دلوں میں تیرے خلاف موجود زہر نکل جائے۔"

بہلول نے کہا۔ "اگر مجھے آپ کی صحت کی فکر نہ ہوتی تو میں اسی وقت سمانہ چلا جاتا، مگر آپ کو اس حال میں چھوڑ کر میں نہیں جا سکتا۔"

اسلام خان نے اٹھنے کی کوشش کی مگر نہیں اٹھ سکا۔ بستر پر گر گیا۔ بہلول نے اس کو سہارا دیا جس سے وہ گاؤ تکیہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے تنفس کی رفتار تیز ہو گئی تھی وہ جلدی جلدی اور زور زور سے سانسیں لے رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے رکنے کو کہا اور پھر بمشکل رک رک کر کہا۔ "بہلول! پہلے تیری شادی ہونی چاہیئے اس کے بعد تو سمانہ جائے گا۔ تو یقین رکھ کہ جب تک یہ سارے کام ہو نہیں جاتے میں زندہ رہوں گا۔ میں نہیں مروں گا۔"

بہلول خاموش ہو گیا۔ اسلام خان نے کہا۔ "تیرا باپ ملک کالا ابھی تک نہیں آیا میں اس کے انتظار میں رکا ہوا ہوں، وہ جیسے ہی آجائے گا میں اپنے فرض سے سبک دوش ہو جاؤں گا۔"

بہلول اسلام خان کے پاس سے اٹھ کر محل میں چلا گیا۔ اس وقت معلوم نہیں کیوں زیبا بہت یاد آ رہی تھی۔ اس نے زیبا کو عالم خیال میں شباب میں سرمست دیکھا اور بے اختیار اس کا دل چاہا کہ وہ دہلی چلا جائے اور وہاں اس کو ڈھونڈ نکالے لیکن جب ہوش آیا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ اس کے آس پاس محل کا سازشی ماحول تھا، سازشی کردار تھے اور وہ لڑکی تھی جو چند دنوں میں بہلول کی بیوی بننے والی تھی۔

عجلت میں شادی کا انتظام کیا گیا اور ملک کالا کا انتظار کئے بغیر بہلول کی شادی کر دی گئی۔ اسلام خان نے آنسوؤں بھرے چہرے سے دونوں کو دعائیں دیں اور عزیزوں، افغانوں اور رشتہ داروں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ اس کے بعد اس کا جانشین بہلول ہوگا۔ اس

لئے جو لوگ اسلام خان کو اپنا حاکم اور بڑا سمجھتے ہیں انہیں اسلام خان کے بعد بہلول کو بھی عزت و توقیر دینا ہوگی۔"

مجمع پر سکوت طاری ہوگیا۔ شاید لوگوں کو اس اعلان پر اعتراض تھا۔

اسلام خان نے کہا۔ "تم لوگ خاموش کیوں ہو؟ کیا تمہیں میری اس تجویز سے اختلاف ہے؟"

سب سے پہلے فیروز خان کی آواز بلند ہوئی۔ "بھائی اسلام خان! میں آپ کا بھائی ہوں اور مجھ میں وہ ساری خوبیاں بھی موجود ہیں جو آپ کے ایک جانشین میں ہونا چاہئیں۔۔۔۔"

اسلام خان کا غصے سے چہرہ سرخ ہوگیا، بات کاٹ کر بولا۔ "بات مختصر کرو فیروز خان! تو یہ کیسی اختلاف اور انتشار کی باتیں کر رہا ہے۔ کیا تو مجھ کو جہاں دیدہ نہیں سمجھتا۔۔۔۔"

فیروز خان نے جواب دیا۔ "سمجھتا کیوں نہیں، آپ نے جو مقام حاصل کیا ہے اس میں آپ کی محنت اور صلاحیتوں کا بڑا حصہ ہے۔"

اسلام خان نے جواب دیا۔ "جب یہ بات ہے اور تم لوگ مجھ کو ایسا سمجھتے بھی ہو تو میری باتوں پر یقین بھی کرو اور بہلول کو اپنا حکمران تسلیم کرلو۔ بہلول پٹھانوں کی سلطنت کا بانی ثابت ہوسکتا ہے، بہلول میں بڑی صلاحیتیں ہیں اور یہ موسیٰ کی طرح پٹھانوں کے گمشدہ ریوڑ کو تاج و تخت کی طرف واپس لے جائے گا۔"

فیروز خان کی آواز کمزور پڑگئی آہستہ سے بولا۔ "بھائی اسلام خان اگر میں نے آپ کی مخالفت نہ کی تو آپ کا بیٹا قطب خان مخالفت کرے گا کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس اعلان سے اس کا حق غصب ہو رہا ہے اور اس کا مرتبہ گھٹا دیا گیا ہے۔"

اسلام خان نے جواب دیا۔ "فیروز خان! تو اس خاندان کا بڑا ہے بڑوں کی مخالفت موثر ہوتی ہے مگر جب بڑے تائید کریں گے اور چھوٹے مخالفت تو چھوٹوں کی کوئی بھی نہیں سنے گا۔"

فیروز خان نے کہا۔ "اب میں آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔"

اسلام خان بڑا جذباتی ہو رہا تھا اس نے بھائی کو اپنے پاس بٹھالیا اور آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ "دیکھو، تو اس سے ہی میرے خلوص پر یقین کرسکتا ہے کہ میں نے اپنے بیٹوں میں سے کسی کو بھی اپنا جانشین نہیں بنایا۔۔۔ بہلول ہمارے بھائی ملک کالا کا بیٹا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کے باصلاحیت بھتیجے کو اپنا جانشین بنا دیا۔ صرف اس لئے کہ بہلول میں وہ ساری خوبیاں اور صلاحیتیں موجود ہیں جو اسے بادشاہی تک لے جاسکتی ہیں۔ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ بہلول کے ذریعے ہندوستان پر افغانوں کی بساط سلطنت بچھ رہی ہے اگر میرا یہ خواب پورا نہ ہوسکا تو یہ یقینی ہے کہ ہندوستان کے کسی بڑے حصے پر افغانوں کی حکومت ضرور قائم ہوجائے گی اور بہلول اس سلطنت کا بانی ہوگا۔"

جس مجمع کے سامنے دونوں بھائی سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے اس میں قطب خان بھی موجود تھا اس کو یہ طریقہ گفت و شنید بالکل پسند نہ آیا، اپنی جگہ پر کھڑا ہوگیا اور باآواز بلند کہا۔ "بابا جان! آپ عم محترم سے جو باتیں کر رہے ہیں ذرا زور سے کیجئے تاکہ سبھی سنیں۔ ورنہ یہ مجمع اور افغانوں کی برادری کسی بھی ایسے فیصلے کو قبول نہ کرے گی جس کا علم انہیں نہ ہو۔"

اسلام خان نے فیروز خان سے کہا۔ "فیروز خان! میری طرف سے تو اعلان کردے۔"

فیروز خان جہاں بیٹھا تھا وہیں کھڑا ہوگیا، اور باآواز بلند کہا۔ "میرے عزیزو اور ہم قومو! بھائی اسلام خان نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اپنے بھتیجے اور داماد بہلول کو اپنا جانشین بنا دیں۔ ان کا یہ فیصلہ ہمارے لئے یوں قابل قبول ہے کہ بہلول اس اعزاز کا مستحق اور حقدار ہے، میں نے اپنے بھائی کی مخالفت کا ارادہ ترک کردیا ہے اور تم سب سے بھی یہی درخواست ہے کہ اسلام خان کے فیصلے کو مان لو۔"

قطب خان کھڑا ہوگیا، بولا۔ "میں یہ فیصلہ نہیں مانوں گا کیونکہ اس سے میرا حق غصب ہوتا ہے۔ بہلول نے والد صاحب پر جادو کردیا ہے اور سحر زدہ شخص کی باتیں ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتیں۔"

اسلام خان نے غصے میں اٹھ کر بیٹھنا چاہا مگر نہ اٹھ سکا اور گر گیا۔ فیروز خان نے سہارا دیا۔ بہلول ابھی تک تماشائی بنا ہوا تھا اب وہ بھی اپنی جگہ سے ہلا اور اسلام خان کی پشت پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی پشت اسلام خان کی پشت سے ٹکا دی اور کہا۔ "عم محترم! آپ میرے سہارے بیٹھ جائیے اور غم و غصے کو تھوک دیں۔"

لیکن اسلام خان کہاں باز آنے والا تھا۔ اس نے پوری قوت سے آواز نکالی مگر وہ منمنی ہی رہی، اس نے کہا۔ "قطب خان! میرے پاس آتا کہ میں تجھ کو سمجھا سکوں۔ میں تیرا باپ ہوں، تیرا برا کس طرح چاہ سکتا ہوں اک ذرا دیر کے لئے میرے پاس آجا، اگر میری

باتیں تیری سمجھ میں آجائیں تو ٹھیک ہے ان پر عمل کرنا اور اگر نہ سمجھ میں آئیں تو تیری مرضی، جو جی میں آئے کرتے رہنا۔"

قطب خان باپ کی باتوں اور لب و لہجے سے سہم گیا۔ اسی وقت باپ کے پاس چلا گیا اسلام خان نے بہلول سے کہا۔ "میری پشت سے گاؤ تکیہ لگا دے اور ذرا سی دیر کے لئے میرے سامنے آجا۔"

بہلول نے وہی کیا جس کا اسے حکم ملا تھا۔ اب قطب خان بھی باپ کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اسلام خان نے دونوں کو آمنے سامنے بٹھا کر باتیں شروع کر دیں۔ فیروز خان ان دونوں کے سامنے کھڑا باتیں سن رہا تھا۔

اسلام خان نے کہا۔ "قطب خان! پہلے یہ بتا کہ میں تیرا کون ہوں؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "باپ۔"

اسلام خان نے کہا۔ "دشمن تو نہیں ہوں ــ؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "نہیں ــ"

اسلام خان نے پر جوش لہجے میں کہا۔ "پھر تو نے یہ کس طرح سمجھ لیا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے اس میں تیرے حق میں دشمنی ہے۔ بہلول نے کبھی تجھے ستایا، کبھی تیرا حق مارا، کبھی شکایت کا موقع دیا؟ شاید نہیں پھر تو اس پر کوئی ایسا شبہ کس طرح کر سکتا ہے جس کا کہیں کوئی وجود نہیں ہے نہ اس کے آثار۔ میں بہلول کو یوں ہی اپنا جانشین نہیں بنا رہا ہوں اس کو ہدایت کرتا ہوں کہ یہ اپنے معاملات میں تجھ سے مشورہ لیتا رہے تو اس کے اقتدار میں برابر کا شریک رہے گا، لیکن تیرا حکم نہیں چلے گا۔"

قطب خان نے کہا۔ "بابا جان! یہ بھی تو سوچئے کہ آپ کی جانشینی کا اصل مستحق اور حق دار کون ہے؟"

اسلام خان نے جواب دیا۔ "میں نے اس پر بھی غور کر لیا۔ اس میں حق اور استحقاق اس کا ہوتا ہے جو اپنی اہلیت اور صلاحیت سے یہ ثابت کر دے کہ وہ اس منصب کا حقدار اور مستحق ہے۔ رسول اللہؐ نے اپنے غلام زادے اسامہ بن زیدؓ کو جب امیر عساکر اسلامیہ بنا دیا تھا تو کسی نے بھی یہ نہیں کہا تھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی موجودگی میں اپنے غلام زادے کو امیر کیوں بنا دیا ــ؟ بیٹے قطب خان میری فراست پر یقین کر اور یہ سمجھ لے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے بہتر کیا ہے۔ سب کے لئے بہتر کیا ہے۔ اپنے لئے، تیرے لئے، تیرے

بھائیوں اور خاندان والوں کے لئے، افغانوں کے لئے، مجھ سے اختلاف نہ کر۔ ورنہ جو کچھ ہے اسے بھی گنوا بیٹھے گا۔"

اسلام خان کی دلیلوں اور پر اثر باتوں نے قطب خان کو بے بس کر دیا اس نے کہا۔ "بابا جان! میں صرف یہ ضمانت چاہتا ہوں، کہ بہلول میری حق تلفی نہ کر سکے اور مجھ پر ہی حکم چلانا نہ شروع کر دے۔"

اسلام خان نے قرآن پاک کا ایک نسخہ منگوا کر اس پر بہلول اور قطب خان کے ہاتھ رکھوا دیئے اور کہا۔ "اب تم دونوں قسم کھاؤ کہ کوئی دوسرے کی حق تلفی نہیں کرے گا اور کاروبار سلطنت مل جل کر چلاؤ گے۔"

بہلول اور قطب خان نے ایک ساتھ قسمیں کھائیں اور وعدہ کیا کہ وہ دونوں آپس میں ہمیشہ مل جل کر رہیں گے۔

قطب خان نے بآواز بلند کہا۔ "میں اپنے چچا ملک کالا کے بیٹے اور اپنے بہنوئی بہلول کے حق میں اقتدار سے دستبردار ہوتا ہوں کیونکہ یہ میرے باپ کا فیصلہ ہے اور میں باپ کے فیصلے سے انحراف نہیں کر سکتا۔"

مجمع نے خوشی میں تالیاں بجائیں اور رشتہ داروں نے اسلام خان کو مبارک بادیں پیش کیں۔ شادی کے بعد اسلام خان نے بہلول، قطب خان اور فیروز خان کو سمانہ روانہ کر دیا تا کہ اس کی موت کے بعد اگر ان پر کوئی وقت پڑے تو سمانہ کا حاکم ان کی مدد کرے۔

یہ تینوں باعزم و باہمت انسان سمانہ میں داخل ہوتے تو کسی نے بتایا کہ یہاں ایک سید نامی مجذوب رہتا ہے اس سے ملے بغیر حاکم سمانہ سے نہیں ملنا چاہیئے۔ کیونکہ ملکی انتظام دراصل انہی باطنی اور روحانی کمال رکھنے والوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اگر یہ راضی ہوں گے تو دنیاوی حکمران بھی راضی رہیں گے۔ اور اگر یہ ناراض ہوں گے تو دنیاوی حاکم باریابی کی اجازت تک نہ دیں گے۔ بہلول نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔ "آپ دونوں کیا کہتے ہیں؟ کیا سید مجذوب سے ملاقات کر لی جائے یا پھر حاکم سمانہ کی ملاقات کے بعد ان سے ملا جائے ــ؟"

فیروز خان نے کہا۔ "میرا تو یہ خیال ہے کہ پہلے سید مجذوب سے ملاقات کی جائے۔ اس کے بعد کسی اور سے ــ۔"

لیکن قطب خان نے مخالفت کی بولا۔ "میرا خیال ہے کہ پہلے حاکم سمانہ سے

مل لیا جائے، اس کے بعد ان مجذوب سے۔ اور رہا یہ خیال کہ مجذوب صاحب اقتدار ہے اور یہی لوگوں کو دیتا ہے اور چھینتا رہتا ہے، تو میں یہ عقیدہ نہیں رکھتا۔"

بہلول نے کہا۔ "میں اپنے چچا کا ہم خیال ہوں ہمیں پہلے سیٹھ سے مل لینا چاہیئے، آخر اس میں ہرج ہی کیا ہے۔؟"

قطب خان نے زیادہ مخالفت بھی نہیں کی، بولا۔ "جیسی آپ دونوں کی مرضی۔"

یہ تینوں مجذوب کی کٹیا کے سامنے پہنچ کر بیٹھ گئے۔ وہاں کچھ اور لوگ بھی بیٹھے تھے۔ کچھ دیر بعد ایک شخص اندر سے نکلا اور کہا۔ "میاں صاحب پردیسیوں کو بلاتے ہیں۔"

باہر بیٹھے ہوئے لوگ ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے اس کے بعد سبھی نے ان تینوں سے کہا۔ "ہم سب مقامی ہیں۔ ہمارا خیال ہے آپ تینوں پردیسی ہیں اس لئے اندر تشریف لے جائیں۔"

بہلول، فیروز خان اور قطب خان کو لے کر اندر چلا گیا۔ سید مجذوب اپنے آگے مٹی کا ڈھیر رکھے ایک تہمد اور کرتے میں ملبوس آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے۔ یہ تینوں ان کے سامنے جا کھڑے ہوئے لیکن سید مجذوب نے آنکھیں نہیں کھولیں، بولے۔ "حاکم سمانہ تمہاری کیا مدد کرے گا اپنے آپ پر بھروسا کرو اور اتحاد قائم رکھو، پھر تم دوسروں کی مدد کر سکو گے۔"

وہ تینوں حیرت سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔

سید مجذوب کی آنکھیں بدستور بند تھیں، کچھ دیر بعد کہا۔ "حاکم سمانہ سے تمہیں کیا ملے گا؟ وہ تمہیں کیا دے گا؟ وہ تو خود کنگال ہے، کنگال کسی کو کچھ دے ہی نہیں سکتا۔"

فیروز خان نے پوچھا۔ "اگر وہ کنگال ہے اور ہمیں کچھ نہیں دے سکتا تو پھر اس کا پتہ بتایئے جو کچھ دے سکتا ہے اور کنگال نہیں ہے۔"

سید مجذوب نے آنکھیں کھول دیں ان کی سرخ سرخ آنکھیں دیکھ کر تینوں کو یہ وہم گزرا کہ شاید وہ نشے میں ہیں۔ سید مجذوب نے کہا۔ "کس کا پتہ بتاؤں گا۔؟"

فیروز خان نے کہا۔ "اس کا جو ہمیں کچھ دے سکتا ہے!"

سید مجذوب نے کہا۔ "اس کا پتہ کس طرح بتاؤں اسی کے سامنے تو تم تینوں بیٹھے ہو، میں ہی لوگوں کو کچھ نہ کچھ دیتا رہتا ہوں، کسی سے لے لیتا ہوں کسی کو دے دیتا ہوں ورنہ میرے پاس اپنا کچھ بھی نہیں۔"

قطب خان نے بہلول کے کان میں کہا۔ "یہ شخص دیوانہ ہے اور اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے اس لئے یہاں مزید وقت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

بہلول نے کہا۔ "ابھی چلتے ہیں چند باتیں کرنے میں کیا ہرج ہے؟"

فیروز خان نے کہا۔ "اگر آپ ہی دینے لینے والے ہیں تو ہمیں بھی کچھ عطا ہو جائے۔"

سید مجذوب نے پوچھا۔ "تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ مانگو، طلب کرو؟"

فیروز خان نے کہا۔ "میں کیا مانگوں، آپ خود جو مناسب سمجھیں اور جس کا اہل پائیں عنایت فرما دیں۔"

سید مجذوب نے بڑی بے رخی سے کہا۔ "تو مفت خورہ ہے، میں مفت کچھ بھی نہیں دیتا۔ جو کچھ دیتا ہوں اس کی قیمت لیتا ہوں، جو چاہتے ہو بتاؤ، میں اس کی قیمت بتا دوں گا۔ تم قیمت ادا کر کے لے لینا۔"

قطب خان نے ایک بار پھر ٹہوکا لگایا اور فیروز خان سے کہا۔ "یہ پکا دنیادار معلوم ہوتا ہے۔ ہم سے کاروبار کر رہا ہے۔ میں کہتا ہوں وقت ضائع کرنے سے کچھ حاصل نہیں اب یہاں سے اٹھ چلئے۔"

بہلول نے سید مجذوب سے کہا۔ "میں قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔ بتایئے آپ کے پاس اس وقت کیا ہے جو آپ میرے ہاتھ بیچ دیں گے۔"

سید مجذوب نے کہا۔ "میں دہلی کی حکومت بیچنا چاہتا ہوں، کیا تو خریدے گا۔؟"

قطب خان کو ہنسی آگئی، فیروز خان سے سرگوشی میں کہا۔ "عم محترم! کیا آپ اب بھی اس کو پاگل نہیں کہیں گے۔؟"

سید مجذوب نے قطب خان کو ڈانٹ دیا۔ "یہ کیا سرگوشیاں کر رہا ہے، مجھ کو پاگل کہتا ہے، حالانکہ میں دہلی کی حکومت فروخت کر رہا ہوں۔"

بہلول نے پوچھا۔ "دہلی کی حکومت کی کیا قیمت لیں گے آپ؟"

سید مجذوب نے جواب دیا۔ "صرف دو ہزار تنکے۔"

بہلول نے کہا۔ "اس وقت میرے پاس صرف تیرہ سو تنکے ہیں۔"

سید مجذوب ہنس دیئے، کہا۔ "بجاذ تاد کرتا ہے۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "یہ میری مجال نہیں، آپ صاحبِ کشف ہیں۔ خود معلوم کر سکتے ہیں کہ میرے پاس کتنی رقم ہے!"

سید مجذوب نے جواب دیا۔ "اچھا وہی دے۔ بڑی سستی دے رہا ہے دہلی کی حکومت، تو بھی کیا یاد کرے گا!"

بہلول نے تیرہ سو تنکے اسی وقت گن دیئے۔ سید مجذوب نے رقم لے کر رکھ دی اور کہا۔ "جا ہندوستان کی بادشاہت تجھ کو دی، تیرے نام کر دی، مزے کر اور اپنے خاندان اور قوم کا نام روشن کر۔"

یہ تینوں کچھ دیر وہاں اور ٹھہرے، اس کے بعد باہر آ گئے۔ قطب خان نے مذاق اڑایا۔ "بھائی بہلول! تم نے تو سادہ لوحی کی حد کر دی ــ بادشاہتیں اگر یوں اور اتنی سستی بکنے لگیں تو کیا کہنا، ہر شخص خرید سکتا ہے مجھ کو تو یہ مجذوب پکا دنیادار معلوم ہوتا ہے تیرہ سو تنکے ہتھیا لئے۔"

فیروز خان نے قطب خان کی تائید کی۔ "میرا بھی یہی خیال ہے اللہ والوں کو مال و زر کی پرواہ کہاں ہوتی ہے۔ پہلے تو میں اس کے جذب کا قائل ہو گیا تھا مگر جب خریداری اور رقم کی بات کی تو میرا دل بھی برا ہو گیا اور میں بھی یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ دنیادار فقیر ہے۔ بہلول نے تیرہ سو تنکے بلاوجہ گنوا دیئے۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "میں نے تیرہ سو تنکے گنوائے نہیں ہیں بلکہ میں نے واقعی ہندوستان کی حکومت خرید لی ہے اگر میں نے تیرہ سو تنکوں کے عوض اس ملک کی بادشاہت حاصل کر لی تو یہ بہت سستی ہے۔ اور اگر میں نے یہ رقم فضول ضائع کر دی ہے تو بھی میرا یہ دل مطمئن رہے گا کہ میں نے اللہ کے نام پر دھوکا کھایا ہے۔"

قطب خان نے از راہِ مذاق کہا۔ "اب جو چاہو کہو، جس طرح چاہو دل کو مطمئن کرو، ورنہ سیدھی سی بات تو یہ ہے کہ ایک مکار درویش نے تمہیں ٹھگ لیا ہے۔"

یہ تینوں سمانہ کے حاکم سے ملے۔ اس نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور بہلول

کی بڑی عزت کی۔ دونوں کو تعجب بھی ہوا اور دکھ بھی کہ حاکم سمانہ نے ساری باتیں بہلول ہی سے کیں اور شروع سے آخر تک اسی کی قدر و منزلت میں لگا رہا۔ آخر میں بہت زور دے کر کہا۔ "بہلول! تیرے چچا اور تیرے مجھ پر بڑے احسانات ہیں تو جب بھی میرے پاس آئے گا میرے دروازے کھلے پائے گا۔ اور میں جان دے کر تیرا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔"

ادھر سے فارغ ہو کر جب یہ تینوں سرہند واپس پہنچے تو اسلام خان کی میت آخری رسوم کی ادائیگی کے لئے ان کا انتظار کر رہی تھی۔ تینوں مرحوم کی لاش پر گر کر روتے اور آنسو بہاتے رہے۔ بہلول کو سب سے زیادہ صدمہ تھا کیونکہ اسلام خان نے اس کو جو کچھ دیا تھا وہ اتنا کچھ تھا کہ بہلول کو اپنے باپ سے بھی نہیں مل سکتا تھا۔

* * *

اسلام خان کے مرتے ہی افغانوں میں انتشار اور اختلاف پیدا ہو گیا اکثریت بہلول کے ساتھ ہو گئی، فیروز خان نے پہلے تو اپنا اقتدار الگ قائم کرنا چاہا، مگر بعد میں بہلول کا ساتھ دیا لیکن قطب خان الگ ہو گیا اور اس نے اپنے باپ کے حقیقی جانشین ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ بہلول نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہیں سمجھا اور اپنی بات پر اڑا رہا۔ بہلول نے جب یہ دیکھا کہ قطب خان کسی طرح مان ہی نہیں رہا تو اس نے بھی سخت رویہ اختیار کیا بولا۔ "بھائی قطب خان! اگر آپ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانا چاہیں گے تو میں آپ کو اس کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔"

قطب خان نے جواب دیا۔ "ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تو بنا رہا ہے۔ میں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ تجھ کو تیرے مقصد میں۔۔۔۔ کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔"

بہلول نے بڑی بے بسی سے قطب کی طرف دیکھا کہا۔ "آپ نے اپنے والد سے کیا وعدہ کیا تھا؟ کچھ یاد ہے۔؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "وہ وعدہ میں نے اس لئے کیا تھا کہ مرتے وقت میں انہیں اذیت نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ کیونکہ سے لے میں آداب فرزندی میں خیال سمجھتا ہوں۔ ورنہ اندر سے میں والد مرحوم کی جانشینی کی تجویز کا مخالف تھا۔"

بہلول کی بچی اور قطب خان کی ماں نے اپنے داماد کا ساتھ دیا، بولی "قطب خان! وعدہ خلافی کر کے باپ کی روح کو پریشان نہ کر، کیونکہ اگر اس وقت تیرے باپ کی روح ہمارے آس پاس ہو گی تو تجھ پر لعنت ملامت کر رہی ہو گی۔"

قطب خان مشتعل ہو گیا، بولا۔ "ماں! تو ان معاملات میں دخل نہ دے، تو بھی ناحق کی طرف داری کر رہی ہے۔"

فیروز خان نے اس کو علیحدہ لے جا کر سمجھایا۔ "قطب خان: ہوش میں آ۔ تو یہ بھی تو دیکھ کہ بارہ تیرہ ہزار افغان بہلول کے پرچم تلے متحد ہو چکے ہیں۔ تو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

قطب خان نے اکڑ کر جواب دیا۔ "مجھ کو خوفزدہ نہ کرو عم محترم! میں چاہوں تو ان بارہ تیرہ ہزار افغانوں کو خاک میں ملا سکتا ہوں۔"

فیروز خان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "چھی چھی چھی، ایسی بات نہیں کرتے۔ تو اپنی ہی قوم کو خاک میں ملانے کی بات کر رہا ہے توبہ! توبہ! تو بھی توبہ کر قطب خان!"

قطب خان اپنے چچا سے ہاتھ چھڑا کر چلا گیا۔ ہر ایک کو ناراض کر کے چلا گیا۔ اس کی ماں کا خیال تھا کہ قطب خان ضدی اور سازشی ہے۔ وہ یوں خاموش نہیں بیٹھے گا۔ اس سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔

فیروز خان غصے میں بولا۔ "بھابی! اگر اس نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو اس کو ایسا سبق دیا جائے گا کہ اس کے بعد اپنی قوم سے غداری کا خیال تک دل میں نہ لا سکے گا۔"

بہلول حالتِ اعتدال میں تھا، افسوس کرتے ہوتے کہا۔ "ممکن ہے بھائی قطب دہلی دربار سے ہمارے خلاف مدد چاہیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو سخت غلطی کریں گے۔ کیونکہ دشمن موقع پرست ہوتا ہے وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر بھائی قطب خان کو بے وقوف بنا دے گا۔"

فیروز خان نے کہا۔ "اگر وہ ایسا کرے گا تو اس کو منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔"

ماں کو اپنے بیٹے کے بھیانک انجام کا خدشہ تھا، اس نے درپردہ سفارش کی۔ "ابھی تم لوگ اس کے خلاف کچھ بھی نہ کرو، مجھے موقع دو کہ میں سمجھا بجھا کر راہ

پر لے آؤں۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "میری طرف سے اجازت ہے۔ میں اس کو موقع ضرور دوں گا۔"

سر دست محفل برخاست ہو گئی لیکن ہر ذمہ دار حیران اور پریشان تھا۔ اور کسی کی بھی یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس چپقلش کا نتیجہ کیا نکلے گا؟

بہلول نے سرہند کی حکومت تو سنبھال ہی لی تھی اور اب افغانوں کا تحفظ اور ورثے میں پائی ہوئی حکومت کی حدود میں توسیع اور اضافہ۔ یہ اس کی بنیادی فکریں تھیں جن پر اس کو کام کرنا تھا۔

❋ ❋ ❋

قطب خان دہلی پہنچا اور بادشاہ محمد شاہ سے ملاقات کا خواہاں ہوا۔ بادشاہ نے ملاقات تو کی نہیں، کہلا دیا کہ "پہلے میرے امراء سے بات کرے۔"

وہ ابھی امراء سے ملا بھی نہیں تھا کہ غیر متوقع طور پر چچا فیروز خان کے بیٹے شاہین خان سے ملاقات ہو گئی۔ یہ نوجوان بہت جذباتی اور قطب خان سے قریب تھا قطب خان نے حیرت سے پوچھا۔ "شاہین خان! تو کیوں آ گیا۔؟"

شاہین خان نے جواب دیا۔ "بھائی قطب خان! میں غاصبوں اور ظالموں کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لئے آپ کے پاس چلا آیا۔ حق آپ کی طرف ہے اس لئے میں آپ کا طرفدار ہوں۔"

قطب خان نے خوشی سے گلے لگا لیا بولا۔ "خدا تیری عمر دراز کرے اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں جو کچھ سوچ رہا ہوں، ہم میں کچھ اور لوگ بھی ہماری ہی طرح سوچ رہے ہیں۔"

شاہین خان نے رقت زدہ لہجے میں کہا۔ "لیکن ہم ان غاصبوں سے لڑیں گے کس طرح۔؟"

قطب خان نے تھپکی دی بھائی۔ "میں یہ جنگ یوں جیت لوں گا۔ بارہ تیرہ ہزار افغان خاک و خون میں مل جائیں گے۔ تب بہلول اور تیرے باپ فیروز خان کو محسوس ہو گی کہ انہوں نے مجھ کو نظر انداز کر کے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔"

شاہین خان نے عرض کیا۔ "بھائی قطب خان! جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا

لیکن افغانوں کی بربادی سے دل خوش نہیں ہوگا۔"

قطب خان نے کہا۔ "افسوس کہ کوئی اور صورت بھی تو ممکن نہیں میں بھی کیا کروں۔"

قطب خان اور شاہین خان شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا دیئے گئے۔ قطب خان بہت بے چین تھا کہ وہ اپنا منصب کس طرح حاصل کرے جو امراء اس سے ملے، ان سے اس کا کام نہیں نکلتا تھا۔ وہ مایوسی اور تذبذب کے عالم میں اپنے دن مت گزار رہا تھا۔ اور یہ احساس پیدا ہو چلا تھا کہ عزیزوں، رشتہ داروں اور ہم قوموں کی مخالفت بھی مول لی اور دہلی حکومت نے بھی ساتھ نہیں دیا۔ اس کو اپنے چچا زاد بھائی شاہین خان پر بڑا رحم آیا کہ اس نے حق کی خاطر اور اس کی محبت میں اپنا سب کچھ کھو دیا۔ اب قطب خان کو اپنے سے زیادہ اپنے چچا زاد بھائی شاہین خان کی بڑی فکر تھی۔

قطب خان نے سکندر تحفہ نامی ایک امیر سے رابطہ قائم کیا بادشاہ تک اپنی عرض داشت پہنچائی، کہلوایا۔ "اگر حضور والا نے میری عرض داشت نہ سنی اور لاعلمی میں رہے تو وہ دن دور نہیں جب بادشاہ کو ناقابل تلافی نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

بادشاہ بھی قطب خان کی بار بار کی یاد دہانی سے تنگ آیا ہوا تھا وہ فتنوں اور خرخشوں سے لاعلم رہ کر عیش و عشرت کی زندگی گزارنا چاہتا تھا مگر قطب خان نے اسے محال کر دیا تھا۔ بادشاہ نے سکندر تحفہ کو حکم دیا کہ وہ قطب خان کو بہ نفس نفیس پیش کرے۔

قطب خان کو جب بادشاہ کی طرف سے پروانۂ طلبی موصول ہوا تو وہ بے حد خوش ہوا۔ وہ اپنے ساتھ شاہین خان کو بھی لے گیا۔ اس وقت بادشاہ عورتوں سے دل بہلا رہا تھا۔ بادل نخواستہ باہر نکلا۔ اور سکندر تحفہ سے کہا۔ "یہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اس سے کہو، جو کچھ کہنا ہے کھڑے کھڑے کہہ دے اور واپس چلا جائے۔"

قطب خان نے عرض کیا۔ "حضور والا! میں صرف یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ سرہند کا نیا حاکم بہلول میرے چچا کا لڑکا ہے اس نے میرے باپ کو دغا کر میرے حق کو غصب کر لیا ہے، اگر میں سرہند کا حکمران رہتا تو ہمیشہ بادشاہ کا وفادار رہتا

لیکن بہلول نے سرہند کی حکومت اس لئے ہتھیا لی ہے کہ اس کو سمانہ کے ایک دیندار مکار فقیر نے تیرہ سو تنکے وصول کر کے دہلی اور پورے ملک کا بادشاہ بنا دیا ہے۔ اس درویش نے گویا آپ کی حکومت تیرہ سو تنکوں کے عوض بہلول کے ہاتھ بیچ دی ہے درویش نے تو شاید بہلول کو بے وقوف بنایا تھا۔ مگر خود بہلول اپنی کم عقلی سے یہ یقین کر بیٹھا ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن ہندوستان کا بادشاہ بن کر رہے گا۔"

محمد شاہ نے ہنس کر کہا۔ "بادشاہ کس طرح بنے گا۔ میں اس کو بادشاہ بننے ہی کیوں دوں گا۔ اور بول۔"

قطب خان نے عرض کیا۔ "اس وقت سرہند میں بارہ تیرہ ہزار افغان موجود ہیں کیا ظل اللہ کے خیال میں ایسا کرنا جائز ہے، درست ہے۔؟"

محمد شاہ نے چونک کر پوچھا۔ "بارہ تیرہ ہزار افغان! یہ سب کس لئے جمع ہوئے ہیں سرہند میں۔؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "حضور والا۔! اس ناچیز نے جو کچھ دیکھا تھا آپ کے روبرو بیان کر دیا، حل میں نہیں بتا سکتا۔"

بادشاہ نے سکندر تحفہ سے پوچھا۔ "قطب خان کوئی حل نہیں بتاتا تو ہی کوئی حل بتا۔"

سکندر تحفہ نے جواب دیا۔ "حضور والا۔! اس ناچیز کی دانست میں اس کا بہترین حل یہ ہے کہ افغانوں پر فوج کشی کر کے قتل یا منتشر کر دیا جائے۔"

شاہین خان نے بڑی بے چینی سے کہا۔ "نہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ اس طرح افغان دہلی کے بادشاہ پر بھروسا نہیں کریں گے۔"

قطب خان نے ایک نئی تجویز پیش کی۔ "حضور والا! اگر سرہند کی حکومت مجھ کو دے دی جائے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ سرہند میں افغانوں کو جمع نہیں ہونے دوں گا۔"

بادشاہ نے سکندر تحفہ کی طرف دیکھا، سکندر تحفہ نے عرض کیا۔ "بادشاہ سلامت! میں شاہی حکم کی بجا آوری کے لئے ہر وقت مستعد اور تیار ہوں۔"

بادشاہ نے قطب خان کو حکم دیا۔ "دیکھ تو سکندر تحفہ کے ساتھ سرہند چلا

جا اور جیسا کہ تو نے ابھی مشورہ دیا تھا، اس پر خود عمل کر۔ افغانوں کا زور توڑنا چاہیئے جس طرح بھی مناسب ہو کارروائی شروع ہو جانا چاہیئے۔"

شاہین خان کا چہرہ فرطِ غم سے فق ہو گیا۔

کچھ دیر بعد جب یہ لوگ بادشاہ سے مل کر باہر آئے تو سکندر تحفہ فوج کی تیاری میں مشغول ہو گیا۔

قطب خان بہت خوش تھا کہ بالآخر وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گیا لیکن شاہین خان بہت اداس تھا۔ قطب خان نے پوچھا۔ "شاہین خان آخر تو اتنا اداس کیوں ہو گیا؟ میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں اپنے منصوبے میں کامیاب رہا تو تجھ کو کوئی اعلیٰ منصب عطا کروں گا یہ میرا وعدہ ہے۔"

شاہین خان روہانسا ہو گیا، بولا۔ "بھائی قطب خان! اعزاز و منصب کا وہ محل جس کی بنیادوں میں میرے عزیزوں، رشتہ داروں اور ہم قوموں کا خون اور ہڈیاں شامل ہوں، میرے لئے موزوں اور خوشگوار نہیں ہو سکتا۔ سکندر تحفہ جس مہم کا آغاز کرنے والا ہے میں اس سے خوش نہیں ہو سکتا۔"

قطب خان نے بے پروائی سے کہا۔ "اپنے اپنے سوچنے کا انداز ہے بہرحال جو کچھ ہونے والا ہے، میں اس سے مایوس یا ناخوش نہیں ہوں۔"

سکندر تحفہ نے افغانوں کو منتشر اور ہلاک کرنے کے لئے ایک شاندار لشکر تیار کیا۔ قطب خان اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ لیکن شاہین خان اپنے چچا زاد بھائی قطب خان کو کچھ بتائے بغیر ہی اپنی قوم میں واپس چلا گیا اور یہ بات ہر شخص کو بتا دی کہ عنقریب سکندر تحفہ اور قطب خان ایک لشکرِ جرار لے کر آ رہے ہیں۔

کسی نے بات کاٹ دی۔ "لیکن بھائی تو: میں اس پر کس طرح یقین کر لوں کہ وہ قطب خان جو اسلام خان کا بیٹا ہے وہ ہم پر ہتھیار ورسے کیونکر حملہ کرے گا۔"

شاہین خان نے منہ بنا کر بہلول کو مخاطب کیا۔ "بھائی بہلول! میں نے تو وہ کچھ بتا دیا ہے کہ دوسرا نہیں بتاتا۔ اب تم اپنی قوم کو اس مصیبت سے نکالنے کی کوشش کرو۔"

بہلول کو بہت احساس ہو رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اس طرح تو پٹھان پارہ پارہ ہو جائیں گے۔ اس نے اپنے دل کی بات دل ہی میں رکھی، بولا۔ "میں نے تو یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میرے مقابلے میں جو بھی آئے گا، میں مقابلہ کروں گا۔"

فیروز خان نے اپنے بیٹے شاہین خان اور بھتیجے بہلول کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے خاندان کو لے کر پہاڑوں میں چلے جائیں اس پر اسی طرح عمل ہوا۔ جس طرح فیروز خان نے چاہا۔ پٹھان اِدھر اُدھر پھیل کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔

ملک سکندر تحفہ لشکرِ جرار لے کر سرہند میں داخل ہوا۔ دوسری طرف سے بادشاہ کے حکم پر جسرت کھکھر نامی ایک دوسرا باج گزار حکمران سکندر تحفہ کی مدد کو پہنچ گیا۔ جسرت کھکھر اور سکندر تحفہ نے عام اعلان کر دیا کہ ان کا یا دہلی سرکار کا عام افغانوں سے کوئی جھگڑا نہیں ان کے لئے پناہ ہے لیکن بہلول کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

قطب خان نے پہاڑوں کے دامن میں آواز لگائی۔ "چچا فیروز خان کے لئے معافی ہے اور ان افغانوں کو بھی جو اس جنگ میں غیر جانب دار رہیں گے۔"

فیروز خان نے بہلول کو تلاش کیا مگر وہ کسی اور طرف نکل گیا تھا۔ شاہین خان موجود تھا، پوچھا۔ "بیٹے مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

شاہین خان نے جواب دیا۔ "ان پر کس طرح اعتبار کیا جا سکتا ہے؟"

فیروز خان نے کہا۔ "اگر کسی طرح خون خرابہ روکا جا سکتا ہے تو ہمیں بھی جنگ سے بچنا چاہیئے۔ یہ لوگ بہلول کے دشمن ہیں، میرے نہیں۔ اس لئے میں کوشش کروں گا کہ مفاہمت ہو جائے۔"

فیروز خان نے تین جیالے قطب خان، جسرت کھکھر اور سکندر تحفہ کے پاس بھیج دیئے اور ان سے اپنے عہد پر قائم رہنے کی ضمانت طلب کی۔ ان تینوں نے قرآن پاک کو بیچ میں ڈالا اور یقین دلایا کہ انہیں امان حاصل رہے گی۔ لیکن جو لوگ پہاڑوں سے نہیں نکلیں گے ان کا پیچھا کیا جائے گا اور ان کو گھیر گھیر کر ہلاک کیا جائے گا۔

فیروز خان اس یقین دہانی کے بعد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شاہی لشکر میں چلا گیا۔ لیکن شاہین خان اور دوسرے افغانوں کو اس وقت تک پہاڑوں میں رہنے کی ہدایت کر دی جب تک کہ وہ خود اپنے حریفوں سے مطمئن نہ ہو جائے۔

سکندر تحفہ، جسرت کھکھر اور قطب خان نے فیروز خان اور اس کے ساتھیوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور قطب خان کے اشارے پر قید کر دیا۔ فیروز خان

کا ایک ساتھی کسی طرح نکل بھاگا اور اس نے افغانوں کو اس نئی صورتِ حال سے مطلع کر دیا۔

سکندر تحفہ اور جسرت کھکھر نے افغانوں کو کسی بات کی مہلت ہی نہ دی اور اپنی افواج کو حکم دے دیا کہ پہاڑوں کا محاصرہ کر لیا جائے۔ شاہین خان اور دوسرے سرداروں نے بھی اپنے افغان بھائیوں کو موت اور زندگی کی جنگ کرنے کا حکم دے دیا۔ بہلول کسی اور سمت جا چکا تھا۔ شاہی افواج نے افغانوں کے گرد اپنا حصار تنگ کرنا شروع کر دیا۔ شاہین اور دوسرے سرداروں نے جب یہ دیکھا کہ اگر وہ پہاڑوں میں روپوش رہے تو چوہے کی طرح ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ اس لئے انہوں نے اعلان کر دیا کہ شاہی فوجوں کا کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے۔

افغان پہاڑوں سے نکل نکل کر شاہی افواج کے مقابل صف آرا ہو گئے۔

طبل جنگ بجا اور دونوں فوجیں گتھم گتھا ہو گئیں۔ شاہی افواج تعداد میں زیادہ تھیں۔ اس لئے وہ جلدی ہی حاوی ہونے لگیں۔ شاہین خان بھی تو ڑ کر جنگ کر رہا تھا مگر حملہ آور بھی بہت طاقتور تھے اور وہ افغانوں کا صفایا کرنے لگے۔ یہ سب کچھ فیروز خان کی قید و بند اور قطب خان کی موجودگی میں ہو رہا تھا۔ فیروز خان خون کے آنسو رو رہا تھا کہ وہ اپنی بے بسی اور مجبوری پر گریہ کناں تھا۔

قطب خان چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "خبردار! بہلول کو فرار ہونے کا موقع دیا گیا۔"

شاہین خان اپنا گھوڑا بھگاتا ہوا قطب خان کے سامنے آیا اور کہا۔ "بھائی قطب خان! یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"

قطب خان نے پوچھا۔ "بہلول کہاں ہے۔؟"

شاہین نے جواب دیا۔ "وہ جہاں کہیں بھی ہے تیری دسترس سے باہر ہے۔"

سکندر تحفہ نے دور ہی سے کہا۔ "اس نوجوان کو کہیں گھیر لو جانے نہ پائے، مستقل دردِ سر بنا ہوا ہے۔"

کئی گھنٹے دونوں فوجیں برسرِ پیکار رہیں۔ دونوں طرف لاشوں کے ڈھیر لگ گئے مگر اس معرکے میں افغانوں کا نقصان زیادہ ہوا آخر کار ان کے پاؤں اکھڑ گئے، اور افغانوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ کچھ کا پیچھا کر کے گرفتار کر لیا گیا، باقی فرار ہو گئے۔

سکندر تحفہ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ مقتولوں کے سروں کو یک جا کیا جائے۔

میدانِ جنگ میں میلوں پھیلے ہوئے سروں کو ایک جگہ جمع کیا جانے لگا۔ جن کے سر جسموں میں لگے ہوئے تھے، انہیں کاٹ کر الگ کر لیا گیا۔

سکندر تحفہ، جسرت کھکھر اور قطب خان ایک بڑے سے خیمے میں بیٹھ کر اکل و شرب میں مشغول ہو گئے۔ یہ تینوں بہت خوش تھے فیروز خان بندھا ہوا ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ تینوں کے پُر شور قہقہے۔ فیروز خان کے دل پر آرے چلا رہے تھے۔

ظہر کے وقت ایک سردار نے انہیں مطلع کیا کہ مقتولوں کے سر یک جا کئے جا چکے ہیں۔

سکندر تحفہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور ایک سپاہی کو حکم دیا۔ "فیروز خان کو آزاد کر دیا جائے۔"

فیروز خان کو اسی وقت کھول دیا گیا، اس کی کلائیوں، بازوؤں اور پنڈلیوں پر رسیوں کے نشانات ثبت ہو چکے تھے۔ سکندر تحفہ نے فیروز خان سے کہا۔ "تو میرے ساتھ چل!" پھر قطب خان سے پوچھا۔ "کیا تو یہیں رہے گا یا ہمارے ساتھ چلے گا۔؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "مقتولوں کے سروں کے انبار میں میری کوئی ضرورت نہیں بھیا فیروز خان ایک ایک کا سر دیکھ کر پہچان لیں گے۔"

جسرت کھکھر خود ہی کھڑا ہو گیا اور بولا۔ "میں تیرے ساتھ چلوں گا۔"

قطب خان خیمے میں ہی بیٹھا رہا سکندر تحفہ اور جسرت کھکھر فیروز خان کے ساتھ مقتولوں کے سروں کے انبار میں پہنچ گئے۔ گردنوں سے الگ کئے ہوئے سروں میں سے بعض کی آنکھیں تیروں کی نوک سے غائب ہو چکی تھیں بعض کی ناک کٹ گئی تھی، کسی کی پیشانی اڑ گئی تھی۔ کسی کی ٹھوڑی ہی ندارد تھی، کسی کے رخسار سے خون رواں تھا۔

سکندر تحفہ نے فیروز خان سے کہا۔ "ان سروں کو اٹھا اٹھا کر دوسری طرف پھینکتا جا اور پہچان کرتا کہ یہ کس کس کے سر ہیں؟ ان میں بہلول کا سر کون سا ہے؟"

فیروز خان نے جواب دیا۔ "افسوس کہ میں اپنے پیاروں کے سروں کو ادھر ادھر پھینک کر بے حرمتی نہیں کر سکتا۔ یہ مجھے اب بھی اتنے ہی عزیز ہیں جتنے زندگی میں تھے۔"

جسرت کھکھر نے ہنس کر کہا۔ "چلو اس کی یہ بات مان لو۔ کسی دوسرے شخص کو اس کے ساتھ کھڑا کر دو۔ جو ایک ایک سر اٹھا کر اسے دکھلائے اور جب فیروز خان اس کا نام بتاتے تو دوسرا شخص یہ نام لکھ لے۔"

فیروز خان بڑے صبر و ضبط سے کام لے رہا تھا۔ اس کا کلیجہ منہ کو آیا جا رہا تھا، بمشکل بولا۔ "ہاں ٹھیک ہے، میں ان کے چہروں سے انہیں پہچان ضرور لوں گا۔"

سکندر تحفہ قہقہہ مار کر ہنس کر دیا۔ "چلو یہی سہی، ہمیں یہ بھی منظور ہے۔"

اس کے بعد ایک شخص سر اٹھا کر فیروز خان کو دکھاتا اور فیروز خان اس کا نام لیتا۔ دوسرا شخص اس نام کو لکھ لیتا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ جب فیروز خان نے فرطِ غم سے مقتول کا نام لینا چاہا تو اس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ اور نام لکھنے والے کو بڑی زحمت پیش آئی۔

سکندر تحفہ نے کہا۔ "ملک ہسلول کا سر ملے تو مجھے ضرور خبر کرنا۔"

فیروز خان نے جواب دیا۔ "شاید ہسلول اس جنگ میں شریک ہی نہیں تھا، تو اس کا سر کہاں ہوگا؟"

سکندر تحفہ نے کہا۔ "مقتولوں کی شناخت کی کارروائی کا مقصد بھی یہ ہے کہ میں ہسلول کے سر کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ خیر تو اپنا کام کئے جا۔"

انہی سروں میں ایک ایسا سر بھی فیروز خان کے سامنے آیا کہ وہ اسے چونک کر بغور دیکھتا رہا پھر منہ پھیر کر کہا۔ "میں اس کو نہیں جانتا اس کو گمناموں میں لکھ لو۔"

جسرت کھکھر نے اس سر کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کہا۔ "لیکن اس سر کو میں پہچانتا ہوں اس چہرے کو میں کبھی بھی نہیں بھول سکتا۔"

فیروز خان نے پوچھا۔ "یہ کون ہے۔؟"

جسرت کھکھر نے جواب دیا۔ "میں اس کا نام نہیں جانتا لیکن میں اس

کو پہچانتا ہوں اس لئے ہوں کہ میں نے اتنا نڈر، دلیر اور بہادر جنگجو نہیں دیکھا اس نے ہمیں بڑا نقصان پہنچایا اور کئی بار میں خود اس کے ہاتھوں قتل ہوتے ہوتے بچا۔"

فیروز خان منہ پھیرے آنسوؤں سے رو رہا تھا جسرت کھکھر نے پوچھا۔ "مگر یہ تو کیوں رو رہا ہے؟ تجھ کو کیا ہو گیا۔؟"

فیروز خان نے جواب دیا۔ "میں اس لئے رو رہا ہوں کہ یہ میرے بیٹے شاہین خان کا سر ہے!"

جسرت کھکھر نے کہا۔ "مگر ابھی تو تو یہ کہہ رہا تھا کہ تو اس کو نہیں جانتا، تو اس چہرے کو نہیں پہچانتا۔"

فیروز خان نے جواب دیا۔ "اس وقت تک میں یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ عامیوں کی موت مرا ہے یا بہادری کی موت۔ لیکن جب تو نے یہ تصدیق کر دی کہ میرے بیٹے نے نہایت بہادری سے جان دی ہے تو مجھ کو اس کی شناخت میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔"

اب سکندر تحفہ بھی ان دونوں کی طرف متوجہ ہو چکا تھا اس نے پوچھا۔ "یہ کس کی باتیں ہو رہی ہیں۔؟"

جسرت کھکھر نے جواب دیا۔ "فیروز خان کے بیٹے شاہین خان کی، کیونکہ مقتولین میں یہ بھی شامل ہے۔"

سکندر تحفہ نے کہا۔ "ملک قطب خان کو بلوا کر اس کی تصدیق کر لی جائے معلوم نہیں فیروز خان جھوٹ بول رہا ہے یا سچ؟"

جسرت کھکھر نے اسی وقت قطب خان کو بلوا لیا اور اس نے بڑے افسوس اور غم زدہ آواز میں تصدیق کر دی۔ کہ یہ اس کے چچا زاد بھائی اور فیروز خان کے بیٹے شاہین خان ہی کا سر ہے۔"

فیروز خان نے اپنا کام ختم کر دیا اور خیمے کے اندر کونے میں جا کر سسکیاں لے کر رونے لگا۔ سکندر تحفہ نے کہا۔ "ارے یہ فیروز خان کہاں چلا گیا ہے؟ اس کے حصے کا کام تو ابھی باقی ہے۔"

قطب خان کو اپنے چچا پر رحم آ گیا، بولا۔ "ملک سکندر! اپنے چچا کے حصے کا بقیہ کام میں کر دوں گا۔ انہیں رو لینے دو، شاید اسی طرح دل کا بوجھ ہلکا ہو

جاسکے۔"

قطب خان نے بقیہ سروں میں سے ایک ایک سر اٹھایا اور ان کے نام بتانا شروع کر دیئے۔ لیکن جب اس کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ان میں بہلول کا سر نہیں ہے تو بہت افسوس ہوا۔

قطب خان نے ایک بار پھر جسرت کھکھر اور ملک سکندر کو پٹی پڑھائی کہ افغانوں کا تعاقب کیا جائے۔ کیونکہ ان افغانوں میں ملک بہلول بھی ہوگا۔ اور جب تک ملک بہلول ہاتھ نہیں لگ جاتا۔ دہلی دربار کو خطرہ ہی خطرہ لگا رہے گا۔

جسرت کھکھر نے عذر پیش کیا۔ "میں جنگ کے دائرے کو وسیع نہیں کروں گا کیونکہ بادشاہ نے ہمیں اس کی اجازت نہیں دی ہے۔"

سکندر تحفہ نے کہا۔ "اور میں بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا بادشاہ سے گا تو ناراض ہو جائے گا۔"

فیروز خان کے پاس دونوں امیر پہنچے اور ازراہِ مہربانی کہا۔ "فیروز خان! اب تو آزاد ہے، جہاں چاہے جا سکتا ہے۔"

فیروز خان نے شکر گزار نظروں سے ان دونوں کو دیکھا اور خیمے سے باہر جانے لگا۔ اچانک سامنے سے قطب خان بھی آگیا۔ فیروز خان نے اس کو قہر کی نظروں سے دیکھ کر تھوک دیا اور سروں کے انبار میں سے اپنے بیٹے شاہین خان کا سر نکال کر اس کی پیشانی اور دونوں رخساروں کو چومنے لگا۔

قطب خان کو شبہ گزرا کہ شاید چچا فیروز خان نے اپنا دماغی توازن کھو دیا ہے۔ خیمے کے در پر کھڑا اپنے چچا کے والہانہ اور عاجلانہ طور و طریق اور رویئے پر افسوس کرتا رہا۔ آہستہ سے بولا۔ "عمِ محترم! آپ کے بیٹے کو بہلول کی طرف داری کھا گئی۔ اے کاش! آپ نے میرا ساتھ دیا ہوتا۔"

فیروز خان نے اپنے بیٹے شاہین خان کے سر کو اس طرح رومال میں باندھ لیا گویا کوئی خزانہ باندھ رہا ہے۔ اس کے بعد وہ کسی طرف دیکھے بغیر گھوڑے کی پشت پر چلا گیا اور اس کو حدِ نظر تک پھیلے ہوئے کوہستانی سلسلوں کی طرف بھگانا شروع کر دیا۔ قطب خان اس کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو قطب خان نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ "آپ لوگوں نے اس کو

چھوڑ کر کچھ اچھا نہیں کیا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ افغانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کرکے ایک بار پھر شاہی فوج کی گزرگاہوں کو خطرے میں ڈال دے گا۔"

جسرت کھکھر نے جواب دیا۔ "اگر وہ ایسا کرے گا تو اس کے چہرے کی شناخت کے لئے ہمیں قطب خان کا سہارا لینا پڑے گا۔"

ملک سکندر نے قہقہہ مارتے ہوئے کہا۔ "بے شک، بے شک، اپنے آدمیوں کو ملک قطب خان سے بہتر کون پہچانے گا؟"

مغرب کے وقت اذان نے انسانوں کو بتلایا کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اس سب سے بڑی اور عظیم ذات کے سامنے سبھی نے اپنے اپنے سر جھکا دیئے۔ اور اپنے اپنے حسبِ حال دعائیں مانگنے لگے۔

۲ آشنا پرست

جب سکندر تحفہ اور جسرت کھکھر نے بہسلول کے چچا فیروز خان کو قید اور اس کے بیٹے شاہین خان کو باقاعدہ جنگ میں قتل کر کے سرہند پر قبضہ کر لیا تو دہلی کے بادشاہ محمد شاہ کو یہ خوش خبری بھیج دی گئی کہ شاہی افواج نے بادشاہ کے اقبال اور خدا کی مہربانی سے سرہند میں افغانوں کی قوت پارہ پارہ کر کے ملک بہسلول لودھی کو خانماں برباد، آوارہ وطن کر دیا ہے۔ بادشاہ مارے خوشی کے اچھل پڑا اور سکندر تحفہ کو انعام میں سرہند کی حکومت بخش دی۔

بہسلول لودھی نے جب ایک پہاڑ کی کھوہ میں یہ بری خبر سنی کہ اس کا چچا زاد بہادر بھائی شاہین قتل کر دیا گیا اور سرہند میں موجود افغانوں کو قید یا منتشر کر دیا گیا ہے تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اس کو ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ اس کے چچا فیروز خان کا کیا حشر ہوا ہے؟ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا سرسبز و شاداب کوہستانی سلسلہ اس کا ملجا و ماویٰ بنا ہوا تھا اب اس کے پاس محض چند ہزار افغان رہ گئے تھے۔ وہ ان کی تعداد بڑھانے کی فکر میں تھا۔ لیکن اب اس آوارہ وطن مفتوح اور مفرور کے پاس نہ تو حکومت تھی اور نہ مال و زر۔ اور اپنے آس پاس آدمیوں کو جمع کرنے کے لئے حکومت اور مال و زر کی افراط بے حد ضروری ہوتی ہے۔

اس کو اپنے چچا اسلام خان مرحوم کے بیٹے قطب خان پر بہت غصہ تھا، جس کی وجہ سے وہ اور اس کے ہم قوم افغان یہ دورِ نکبت و افلاس دیکھ رہے تھے۔ وہ پہاڑ کی وسیع و عریض کھوہ میں بیٹھا مستقبل کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اس کے آدمی کھوہ کے باہر کوہستانی سلسلوں میں دور دور تک پھیلے ہوتے تھے۔ اور ان کا کام یہ تھا کہ جس کسی کو بھی متجسس اور متلاشی دیکھیں، بہسلول لودھی کو فوراً خبر دیں۔ یہ آدمی اتنے مستعد اور چوکس تھے کہ بہسلول لودھی کو ان پر فخر تھا۔

بہسلول کا اپنا کنبہ بھی اسی کھوہ میں روپوش تھا۔ بہسلول نے اپنے ہمدم آزردہ حمایتیوں اور دوستوں کو اپنے ارد گرد کھڑا کیا اور موجودہ صورتحال پر مشورے طلب کرنے لگا۔ بہسلول نے ان سے کہا۔ "اے میرے ہم قومو! دہلی کی سلطنت کسی شخص یا خاندان کی میراث نہیں ہے۔ اگر تم لوگ میرا ساتھ دو گے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے عوض میں تمہیں ہندوستان کا مالک و مختار بنا دوں گا۔"

کسی افغان نے کھڑے ہو کر سوال کیا۔ "ہم تیری کیا مدد کریں؟ اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ اگر دہلی کی حکومت تجھے مل گئی تو اس پر تو خود حکومت نہیں کرے گا۔ اور اس پر اپنی قوم افغان کو حکمران بنا دے گا۔"

بہسلول نے جواب دیا۔ "تم سب مال و زر سے میری مدد کرو کیونکہ فوج اکٹھی کرنے کے لئے مال و زر کا ہونا ضروری ہے۔ رہی یہ بات کہ میں دہلی کی حکومت حاصل کرنے کے بعد اپنے علاوہ کسی اور کو حکمران بنا دوں گا۔ تو یہ تیری خام خیالی ہے اور خوش فہمی ہے، حکومت میں خود کروں گا لیکن اس حکومت میں افغانوں کو شریک رکھا جائے گا۔"

کئی افغانوں نے ایک ساتھ اعلان کیا۔ "ہم بہسلول کی مدد کریں گے اور اس کی فوج کے لئے مال و زر مہیا کریں گے۔"

ایک عمر رسیدہ افغان نے کھڑے ہو کر وعدہ کرنے والوں کو منع کیا۔ "لالچ نے تم سب کو اندھا کر دیا ہے۔ ہم سب سرہند میں اچھے خاصے رہ رہے تھے لیکن خدا برباد کرے اس ملک بہسلول کو۔ جس نے دہلی کی حکومت کی طمع میں جو پاس تھا اسے بھی کھو دیا۔ بھائیو! ہم سے اگر کوئی شخص ہمارا گھوڑا چھیننا چاہے تو اس کے لئے ہم اپنی جان دے دیں گے مگر گھوڑا نہیں دیں گے۔ پھر یہ خوش فہم اور کم عقل بہسلول محمد شاہ سے دہلی کی حکومت کس طرح چھین لے گا۔؟"

بہسلول نے بڑے تحمل کا ثبوت دیا اور معترض عمر رسیدہ افغان سے پوچھا۔ "بابا! اگر ہم تیری بات مان لیں اور دہلی کی سلطنت کا خواب نہ دیکھیں تو زندہ رہنے کے لئے کون سا پیشہ اختیار کریں؟"

معمر افغان نے جواب دیا۔ "تجارت۔ تیرا دادا بھی تاجر ہی تھا۔"

بہسلول نے ہنس کر کہا۔ "لیکن میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میری قوم اگر تجارت بھی کرے گی تو اپنی حکومت میں، اس کی سرپرستی سے کرے گی۔ بابا! تو بہت زیادہ بوڑھا ہو چکا ہے۔ تیرے جوش اور ولولوں میں بھی تیری کھال ہی کی طرح جھریاں پڑ چکی ہیں۔ ہم جوانوں کو اپنے شایانِ شان کاموں میں لگا رہنے دے۔" پھر دوسروں کو مخاطب کیا۔ "میرے

بھائیو! میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم میرا ساتھ دو، میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ تم مجھے جو کچھ دو گے، میں اس سے کئی گنا زیادہ واپس کروں گا۔"

بوڑھے نے پھر مخالفت کی۔ "کئی گنا زیادہ کی طمع میں جو پاس ہے اسے بھی گنوا دو گے۔ تجارت کرو، تجارت کر کے اپنے مال و زر میں اضافہ کرو، حکومت کی خواہش میں اپنی اصلی پونجی بھی برباد کر دو گے۔"

بہلول نے بوڑھے کو سختی سے منع کیا۔ "بابا! تیرا تو دماغ چل گیا ہے۔ تجارت میں بھی گھاٹا ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی تاجر بھی زیادہ بنانے کے چکر میں اپنی اصل پونجی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ تو اپنی دقیانوسی سڑی گلی باتوں سے میرے جفاکش اور سلطنتوں پر کمندیں پھینکنے والے نوجوانوں اور بہادروں کو پست حوصلہ نہ کر۔" پھر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "میرے دوستو! جن کے پاؤں قبر میں لٹکے ہوتے ہیں، میں ان سے تو مخاطب بھی نہیں، میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ اب تک ہم سب جن نااہلوں اور نالائقوں کے دربار میں دست بستہ کھڑے ہوتے رہے ہیں انہیں اب اس طرح مودب اور دست بستہ ہمارے روبرو کھڑا ہونا پڑے گا۔"

کئی پرجوش نوجوانوں نے کھڑے ہو کر اعلان کر دیا۔ "ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے بوڑھوں کو کابل بھیج دیں کیونکہ وہاں ان کا آبائی قبرستان بڑی بے چینی سے ان کا انتظار کر رہا ہے۔"

ایک نوجوان تیزی سے اٹھا اور حاضرین کے سروں اور کاندھوں کو پھلانگتا ہوا عمر رسیدہ افغان کے پاس پہنچ کر اس کو سونگھنے لگا۔ سر، منہ، پشت اور پیٹ جسم کے کئی حصوں پر ناک رکھ کر زور زور سے سانس کھینچتا رہا پھر اچانک اس بوڑھے کو دونوں شانوں سے پکڑ کر اس کا چہرہ اپنے روبرو کر لیا۔ اور ہنستے ہوئے کہا۔ "بابا! تمہارے جسم سے تو کفن اور کافور کی بو آ رہی ہے!" پھر بہلول سے کہا۔ "ملک بہلول! تو اپنا کام کر۔ بھلا مردوں کا زندوں میں کیا کام۔ یہ تو قبر کی امانت ہے آج نہیں تو کل اس کے حوالے کر دی جائے گی۔"

بہلول نے مداخلت کر کے دونوں کو الگ کر دیا اور کہا۔ "بھائیو! ایسی کوئی بات نہ کرو، جس سے ہم نفاق کے شکار ہو جائیں۔ اس بزرگ کی سمجھ میں جو بات آج نہیں آ رہی ہے کل ضرور آ جائے گی۔ ہم اس کی بات پر افسوس تو کر سکتے ہیں لیکن مایوس نہیں ہوں گے۔"

اب بوڑھے کی حمایت میں بھی کئی افغان کھڑے ہو چکے تھے بوڑھا جاگ کر ان میں جا کھڑا ہوا اور اعلان کیا۔ "میرے ہم قبیلہ افغانو! ادھر میرے پاس آ جاؤ۔ ہم سب دہلی چل کے قطب خان کے پاس رہیں گے۔ آج سے قطب خان ہمارا سردار ہے۔ یہ بہلول اتو بنا رہا ہے، یہ دہلی اس لئے پہنچنا چاہتا ہے کہ وہاں اس کی محبوبہ ستارہ کی بیٹی زیبا اس کا انتظار کر رہی ہے اور ایک دیوانے نے اس کو تیرہ سو تنکوں کے عوض دہلی کی حکومت دے رکھی ہے، یہ خود تو ڈوبے گا ہی مگر اپنے ساتھ اپنی قوم کو بھی برباد کر دے گا۔"

کئی دوسرے بوڑھوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ یہ مختلف قبیلوں کے بوڑھے تھے ان سبھوں نے اپنے اپنے ہم قبیلہ لوگوں کو بہلول سے الگ کر لیا۔ بہلول نے کھیل بگڑتے دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ اس نے بڑے پرعزم لہجے میں کہا۔ "میرے افغان بھائیو! اگر تم سب میرا ساتھ چھوڑ دو گے تو میں اپنا کام پھر بھی جاری رکھوں گا۔ دہلی سلطنت کی شاندار عمارت اپنے دیمک زدہ ستونوں پر اب مزید کھڑی نہیں رہ سکتی۔ اس عمارت کو افغان ستون درکار ہیں۔ اور میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ میں اپنی قوم کو ستون بنا کر اس عمارت کو اپنی تحویل میں لے لوں گا۔ پھر اس عمارت کے سائے میں وہ افغان بھائی بھی بیٹھ سکیں گے، جو آج مجھ سے ناراض ہو کر الگ ہوتے جا رہے ہیں۔ میرے ناراض بزرگ اور بھائی مجھے یہ دھمکیاں دے رہے ہیں کہ وہ میرے مقابلے میں قطب خان کو اپنا سردار بنا لیں گے لیکن میں ان سے یہ پوچھتا ہوں کہ قطب خان سردار کہاں رہا، وہ سردار نہیں غدار ہے جو دہلی کی فوجیں اپنے افغان بھائیوں پر چڑھا لایا اور ہمیں بے گھر بے در اور بے نشان کر دیا۔"

پرجوش نوجوانوں نے ناراض بوڑھوں اور ان کے حمایتی ہم قبیلہ لوگوں پر حملہ کر دیا اور مار پیٹ شروع ہو گئی۔ بہلول اور اس کے ساتھیوں نے بیچ بچاؤ کرانے کی کوشش کی۔ مرحوم اسلام خان کی بیٹی اور بہلول کی بیوی عورتوں میں سے نکل کر مردوں میں آ گئی اور چیخ چیخ کر جھگڑنے والوں کو مخاطب کیا۔ "بھائیو! دیکھو میں اسلام خان کی بیٹی اور قطب خان کی بہن تمہارے سامنے کھڑی ہوں۔ دہلی پر۔۔۔ افغان حکومت کریں یہ صرف میرے شوہر بہلول ہی کی خواہش نہیں ہے، یہ میرے مرحوم باپ اسلام خان کی بھی سب سے بڑی تمنا تھی اس نے اپنے بھتیجے بہلول میں جب اپنے ہی جیسا حوصلہ اور اپنی ہی جیسی خواہش دیکھی تو اس سے میری شادی کر دی

اور اپنا جانشین قرار دیا۔ خدا کے لئے باہمی جنگ وجدل سے باز آجاؤ اور میرے شوہر بہلول کا ساتھ دے کر سلطنتِ دہلی پر قبضہ کرلو۔ میرا بھائی قطب خان سردار نہیں غدار ہے۔ اگر تم نے اس کو اپنا سردار بنالیا تو میں تمہیں بھی غدار ہی سمجھوں گی۔"

لشکر میں چند دیدبان افغان بھاگتے ہوئے آئے اور سب کو مطلع کیا۔ "بھائیو! ہوشیار، ہم نے اپنی پہاڑیوں میں بہت سارے گھوڑوں کے سرپٹ دوڑنے کی آوازیں سنی ہیں۔ شاید دہلی کی تعاقب کرنے والی فوجیں ہماری تلاش میں یہاں تک پہنچ چکی ہیں۔"

بہلول نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ "جو افغان آپس میں برسرِپیکار ہیں انہیں تماشہ میں چھوڑ دو، جو میرے ساتھ ہیں میرے ساتھ رہیں۔ میں اپنے دشمنوں کا مقابلہ کروں گا۔"

آپس میں گتھم گتھا افغان نرم پڑ گئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے لڑائی بند ہوگئی۔

بہلول نے اپنی بیوی کو عورتوں میں بھیج دیا۔ اور خود ایک جمعیت کے ساتھ مقابلے کے لئے چل پڑا۔ اب گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز بہلول بھی سن رہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "سواروں کی تعداد زیادہ نہیں ہے اس لئے یہ ہمارے دشمن نہیں ہوسکتے۔"

بہلول اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک تنگ درّے کے منہ پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کردی کہ آنے والوں پر اس وقت تک حملہ نہ کیا جائے جب تک کہ ان کے بارے میں یہ یقین نہ ہوجائے کہ وہ سلطنتِ دہلی کے آدمی ہیں۔

درّے میں داخل ہوتے ہوتے آنے والوں کے گھوڑوں کی رفتار سست پڑ گئی تھی۔ چٹانوں کی آڑ سے بہلول نے بیس پچیس سواروں کو انتہائی یاس اور افسردگی کے عالم میں آتے ہوئے دیکھا۔ سب سے آگے جو شخص تھا۔ وہ ایک چھوٹی سی گٹھڑی اپنے آگے رکھے اپنے چہرے کو بڑے رومال میں چھپائے گھوڑے کو دھیمی چال میں ہنکا رہا تھا۔ ان سواروں کے لباس اور وضع قطع میں افغانیت محسوس ہورہی تھی۔ بہلول اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک دم نمودار ہوکر چیخا۔ "خبردار جو آگے بڑھے وہیں رک جاؤ تم کون ہو؟"

آنے والوں نے اپنی اپنی تلواریں نیام سے باہر کرلیں اور بہلول کی طرف بڑھے لیکن ان کے سردار نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں منع کیا کہ حملہ نہ کیا جائے۔ اس کے

بعد وہ گھوڑا بھگاتا ہوا بہلول کے پاس پہنچ گیا اور اپنے گھوڑے کو اس کے مقابل روک کر بولا۔ "تو ہم سے پوچھتا ہے کہ ہم کون ہیں؟" اس کے بعد اس نے اپنے چہرے سے رومال کھینچ کر ہوا میں لہرا دیا۔ "دیکھ اور پہچان کہ میں کون ہوں۔"

بہلول کے منہ سے چیخ سی نکل گئی۔ "چچا فیروز آپ!"

اس نے بھرائی آواز میں جواب دیا۔ "ہاں! یہ میں تیرا چچا فیروز ہوں۔" پھر اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اور یہ میرے ساتھی سب تیرے ہی بھائی بند ہیں۔"

بہلول نے محسوس کیا، چچا فیروز کی آواز گلے میں پھنس رہی ہے بولا۔ "محترم! سچ بتایئے آخر بات کیا ہے؟ رہی یہ بات کہ آپ کو شکست ہوگئی تو رزم گاہوں میں ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ ایک جیتتا ہے تو دوسرا ہار جاتا ہے، اس میں دل برداشتہ ہونے کی کیا بات ہے؟"

فیروز نے پوچھا۔ "اور سب کہاں ہیں؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "یہیں، کوہستانی سلسلوں میں روپوش ہیں۔"

فیروز نے کہا۔ "پھر وہیں اپنے لوگوں میں چل، مجھے اپنوں سے کچھ شکایتیں کرنا ہیں!"

بہلول اپنے ساتھیوں کے ہمراہ، چچا فیروز اور ان کے ہمراہیوں کو لئے ہوئے اپنے افغانوں میں واپس گیا، وہاں ہر کوئی روپوش ہوچکا تھا، بہلول نے باآوازِ بلند انہیں مطلع کیا۔ "میرے ہم قوم لوگو! باہر آجاؤ، چچا فیروز اپنے ساتھیوں کو لے کر ہم میں واپس آگئے ہیں۔"

بہلول کی آواز چٹانوں سے ٹکرا کر واپس آگئی اور اس کے ساتھ ہی پہاڑی کھوہ، چٹانوں اور پتھروں کی آڑ سے افغان مرد اور عورتیں نمودار ہونے لگیں لیکن بچوں کو اب بھی روپوش ہی رکھا گیا۔ افغانوں نے فیروز اور اس کے ساتھیوں کی آمد کی خوشی میں ناچنا تھرکنا شروع کردیا۔

بہلول نے دیکھا، چچا فیروز کے ہاتھ میں جو پوٹلی تھی، اب وہ ان کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ فیروز آہستہ آہستہ چلتا ہوا، ایک پہاڑی چٹان سے لگ کر کھڑا ہوگیا، اب اس کی پشت چٹان سے ٹیک لگی تھی اور اس کا منہ اپنے افغان بھائیوں کی طرف تھا، اس نے بہلول کو آواز دی۔ "بہلول! اپنی بیوی اور اس کے بھائیوں

کوٹے کر میرے پاس آجا۔"

بہلول نے چچا کے حکم کی تعمیل کی اور اپنی بیوی اور سالوں کوٹے کر ان کے پاس چلا گیا۔

اس وقت ہزاروں افغان فیروز کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔ ان میں وہ بوڑھے اور ان کے حامی سب سے آگے تھے جو کچھ دیر پہلے بہلول سے ناراض ہو کر دست بہ گریباں ہو گئے تھے۔ انہیں فیروز اور اس کے ساتھیوں کی آمد سے یہ امید پیدا ہو گئی تھی کہ شاید اب افغانوں کی سرداری بہلول کے ہاتھ سے نکل کر اسلام خان مرحوم کے بھائی فیروز خان کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔ ان کے چہروں سے خوشی اور بہلول کے حق میں طنز و استہزا کی کیفیت ہویدا تھی۔

فیروز نے اپنے افغان بھائیوں سے کہا۔ "میرے بزرگو اور دوستو! مجھے یہ بتاؤ کہ میں نے اپنے بھتیجوں اور بھتیجیوں کو کبھی کوئی تکلیف پہنچائی ہے؟"

بہت سی آوازوں میں بہلول کی آواز سب سے نمایاں تھی، اس نے کہا۔ "نہیں نہیں! میں اس کا گواہ ہوں کہ آپ کی ذات سے ہمیں کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔"

فیروز خان نے رقت زدہ آواز میں کہا۔ "پھر یہ میرے بھائی اسلام خان مرحوم کے بیٹے قطب خان نے ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ وہ ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم پر فوج چڑھا لایا اور میرے کلیجے کو چھلنی اور دل کو مسل کر پھینک دیا۔ میں اپنی بھتیجی اور بہلول کی بیوی سے یہ پوچھتا ہوں کہ اس کے بھائی قطب خان نے میرے ساتھ یہ زیادتی کیوں کی؟"

بہلول نے اپنی بیوی کو سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے چچا فیروز خان سے بلند آواز میں پوچھا۔ "کیا میں عم محترم سے ان کے اس اجمالی سوال کی تفصیل معلوم کر سکتا ہوں؟"

فیروز خان نے اپنے سینے سے لگی ہوئی پوٹلی کو کپکپاتے لرزتے ہاتھوں سے کھول کر اپنے بیٹے شاہین خان کا سر سب کے سامنے رکھ دیا اور کہا۔ "یہ میرے بیٹے شاہین خان کا سر ہے جو قطب خان کی غداری کی نذر ہو گیا!"

اس سے زیادہ وہ اور کچھ نہ کہہ سکا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ہونٹ کپکپانے لگے، اور دونوں آنکھیں بند ہو چکی تھیں اور ان سے اندرونی طوفان کا اندازہ لگانا مشکل ہو گیا تھا۔

افغانوں نے ایک دوسرے کو دھکیل کر اور اپنے آگے کھڑے ہوئے افغان بھائیوں کے کاندھوں پر سے جھانک جھانک کر شاہین خان کے سر کا مشاہدہ کیا اور اپنے دلوں پر چوٹ لگتی محسوس کی۔ بہلول اور اس کی بیوی کے دل زیادہ غم زدہ تھے فیروز خان نے کسی سوال کے بغیر خود ہی ساری تفصیل بتا دی اور کہا۔ "میں تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ میرا اپنا خون اور میرے سب سے زیادہ لائق مرحوم بھائی اسلام خان کا فرزند ایسی حرکت کرے گا۔"

لیکن قطب خان کی بہن، بہلول کی بیوی اپنے بھائی کے کرتوتوں پر ذرا بھی نہ شرمائی۔ اس نے شیرنی کی طرح گرج کر کہا۔ "عم محترم اور میرے افغان بزرگو اور بھائیو! ذرا سچ سچ بتانا کہ کل قیامت کے دن ہمیں اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے یا دوسروں کے اعمال کا بھی ہمیں جواب دہ ہونا پڑے گا؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "میری بیوی کے سوال کا جواب ہے کہ ہمیں مرنے کے بعد اپنے اپنے اعمال کا جواب دینا پڑے گا، دوسروں کے اچھے برے اعمال نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔"

بہلول کی بیوی نے کہا۔ "پھر میرے بھائی قطب خان کی غداریوں کا ذمہ دار ہمیں کیوں ٹھہرایا جاتا ہے؟ اس پر ہمیں کیوں شرمندہ کیا جاتا ہے؟ میں اپنے بھائی کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کو تیار نہیں۔"

بہلول نے مضبوط لب و لہجے میں کہا۔ "میری بیوی نے جو کچھ کہا اس میں بال برابر بھی جھوٹ نہیں۔ اب میں اپنے ان بزرگوں اور ان کے حامی افغانوں سے یہ پوچھوں گا کہ کیا تم لوگ اب بھی میرے برادرِ نسبتی اور غدار قطب خان کے پاس جانا چاہو گے؟"

بہلول نے اپنے ساتھیوں کو اپنے قریب بلا لیا اور ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔ "افغان بھائیو! میرے چند بزرگ اور ان کے حامی ابھی ذرا دیر پہلے ہم میں انتشار پھیلا رہے تھے آپ بتائیں کیا میں انہیں یہاں اپنے پاس بلوا لوں یا اپنے پاس سے جدا کر دوں؟"

وہ بزرگ لوگوں کو دھکیلتا ہوا فیروز خان کے پاس پہنچ گیا، جس کو تھوڑی دیر پہلے طنز و مذاق کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اس نے فیروز خان سے کہا۔ "فیروز خان! میں اور میرے ساتھی بہلول کی سرداری سے بیزار ہو چکے ہیں اب تم ہم میں آچکے ہو،

اس لیے تم ہی سرداری کا جوا اپنی گردن میں ڈال لو، اسی طرح ہم میں اتحاد اور اتفاق برقرار رہے گا، ورنہ ہم ان گنت ٹکڑیوں میں بٹ جائیں گے۔"

فیروز خان نے اُن کو جھڑک دیا۔ "یہ تم لوگ کیا بک رہے ہو؟ مرحوم بھائی اسلام خان نے بہلول کو امیر نامزد کر دیا تھا۔ اسی لئے یہ ہمارا فرض ہے کہ اسلام خان کے حکم کی تعمیل کریں۔"

بہلول نے بیزاری سے کہا۔ "افغان بھائیو! میں اسلام خان کا بھتیجا اور داماد ہوں، مجھے عہدے مناصب کی کوئی پرواہ نہیں، میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہم میں اختلاف اور نفاق کا پودا نہیں پلنا چاہیئے اگر میری سرداری سے میری قوم کو نقصان پہنچ جانے کا احتمال ہے تو میں سرداری سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں!"

بہت سارے افغانوں نے بیک آواز کہا۔ "بہلول! تجھے اسلام خان نے اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا، اس لیے تو اپنی مرضی سے یہ منصب نہیں چھوڑ سکتا۔"

بہلول نے گلوگرفتہ آواز میں کہا۔ "سرداری کانٹوں کا تاج ہے۔ جب یہ کسی کے سر پر رکھا جاتا ہے تو وہ زندگی بھر دردِ سری میں مبتلا رہتا ہے۔ میرے افغان بھائیو! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے ہمارا ساتھ دے دیا تو میں اس کے عوض تمہیں ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک بنا دوں گا۔"

مخالفوں کو سانپ سونگھ گیا۔ وہ لاجواب ہو کر چپ ہو گئے۔

بہلول نے شاہین کا سر دونوں ہاتھوں میں لے کر بڑے غور سے دیکھنا شروع کیا، پھر کٹے ہوئے سر سے باتیں کرنے لگا۔ "شاہین میرے بھائی میرے دوست! تو نے بہادری میں اپنا نام روشن کر دیا۔ دشمنوں نے تیری تعریف کر دی۔ تو ہم میں موجود نہیں لیکن تیرا شاندار چرچا ہم میں ہمیشہ موجود رہے گا۔"

چچا فیروز نے کہا۔ "میرے افغان بھائیو! میں نے سکندر تحفہ اور جسرت گکھڑ سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اس جنگ میں بہلول نہیں تھا۔ مگر جب وہ اس تباہ کاری کی داستان کو لوگوں سے سنے گا تو اپنا سر پیٹ کر رہ جائے گا اور ناممکن ہے جو وہ اس کا بدلہ نہ لے۔" پھر بہلول سے کہا۔ "بہلول! اب یہ تیرا کام ہے کہ تو میرے قول کی سچائی میرے دشمنوں پر ثابت کر دے۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "عمِ محترم! شاہین کا بدلہ ضرور لیا جائے گا اور دہلی

کی حکومت کو ہمیشہ کے لیے مسترد کر دیا جائے گا۔ میں محمد شاہ کی حکومت کو نہیں مانتا۔ ہمیں مال و زر درکار ہے، تم سب میرے لیے مال و زر فراہم کرو، میں اس کے عوض تمہیں ہندوستان کی حکومت دوں گا۔"

افغان بہلول کے نعرے سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے پاس جو کچھ بھی تھا، رو رو کر بہلول کے قدموں میں ڈالنے لگے۔ عورتوں نے اپنے زیورات تک اس کے حوالے کر دیے لیکن افغانوں میں وہ چھوٹی سی ٹکڑی جو چند بزرگوں اور ان کے حامیوں پر مشتمل تھی اور جس کے دل میں بہلول کی مخالفت اور قطب خان کی سرداری کا نشہ چھایا ہوا تھا، اب بھی سب سے الگ تھلگ تھی، وہ اپنے سامان کو باندھنے بیٹھنے لگے۔ جب بہلول کو یہ سب بتایا گیا تو اس نے جواب دیا۔ "میں انہیں نہ سمجھاؤں گا نہ روکوں گا کیونکہ یہ اپنے بھائی بند ہیں، آج نہیں تو کل ان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ میں ان کا دشمن نہیں دوست ہوں۔"

لیکن فیروز خان لال بھبوکا ہو گیا، وہ اپنے بیس پچیس ساتھیوں کو لے کر ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ "میں پوچھتا ہوں کہ تم لوگوں نے کیا فیصلہ کیا؟"

ایک بزرگ افغان نے فیروز خان کو غصے کی نظروں سے دیکھ کر سوال کیا۔ "تو کیا تم لوگ میرا راستہ روک سکتے ہو؟"

فیروز خان نے جواب دیا۔ "ابھی تک تو میں نے یہ نہیں سوچا تھا لیکن اگر ضرورت پڑی تو یہ افسوس ناک فرض بھی انجام دینا پڑے گا۔ فی الحال تو میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم لوگ جا کہاں رہے ہو؟"

بزرگ افغان نے جواب دیا۔ "ہم سب نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ملک گیری کی ہوس دلوں سے نکال دیں اور اپنے آبائی پیشے تجارت سے دوبارہ ناتہ جوڑ لیں۔" پھر انتہائی خوف ناک لب و لہجے میں کہا۔ "رہی یہ بات کہ تم میرا راستہ روک لوگے تو اس خیالِ خام کو اپنے دل سے نکال دو، راستہ روکنے والوں کو میں اس طرح اپنی راہ سے ہٹا دوں گا جس طرح قافلے اپنی راہ کے پتھروں اور جنگلوں کو ہٹا دیا کرتے ہیں۔"

فیروز خان غصے میں کانپنے لگا۔ "میں تیری بات نہیں مان سکتا۔ تم لوگ اپنے آبائی پیشے تجارت کو اپنانے نہیں جا رہے ہو۔ تم سب قطب خان کے پاس جا رہے ہو لیکن میں تمہیں وہاں نہیں جانے دوں گا۔ ایک قطب خان نے تو یہ ستم ڈھایا کہ ہمارا قتلِ عام کرا دیا، میرے بیٹے شاہین کا سر اتروا دیا۔ اب اگر تم لوگ بھی اس

کے پاس پہنچ گئے تو ہمیں معلوم نہیں، کیسی بربادیوں اور تباہیوں سے دوچار ہونا پڑے۔"

بزرگ افغان کی طرف سے اس کا ایک حمایتی پرجوش نوجوان افغان فیروز خان کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ بولا "فیروز خان! تو مجھ سے بات کر۔ ہاں ہاں میں قطب خان کے پاس جا رہا ہوں تو اگر روک سکے تو روک لے۔"

اس کشیدگی کا علم دوسروں کو بھی ہو گیا۔ کسی نے یہ خبر بہلول کو بھی پہنچا دی کہ افغانوں کے دو گروہ ایک دوسرے کے مقابل تلواریں تانے کھڑے ہیں اور آپس میں ایک بڑے خون خرابے کا آغاز ہونے والا ہے۔ بہلول بھاگا ہوا ان کے پاس پہنچا اور دونوں فریقوں کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ اس نے پہلے اپنے چچا کو مخاطب کیا "عم محترم! اگر کچھ لوگ ہم سے متفق نہیں ہیں تو انہیں ان کے حال اور مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر انہیں جبراً اپنا ہم خیال بنا بھی لیا جائے تو اس سے کسی فائدے کے بجائے نقصان پہنچ جانے کا احتمال رہے گا۔" پھر اپنے مخالف گروہ کو سمجھایا "افغان بھائیو! میں تم سے ایک ہی درخواست کروں گا۔ اگر تم لوگ ہمارا ساتھ نہیں دے سکتے تو امید ہے کہ نقصان بھی نہیں پہنچاؤ گے۔"

دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ بہلول اپنے چچا کو لے کر واپس چلا گیا۔

شاہین کے سر کو نہایت عزت و احترام سے پہاڑی پتھروں میں دفنا دیا گیا۔ افغانوں نے اس غم میں غیر معمولی جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اور بہلول نے اس جگہ کھڑے ہو کر بڑی رقت سے اعلان کیا۔ "شاہین خان! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ تیرے سر کے عوض تیرے دشمنوں کے لاتعداد سر ان کے جسموں سے جدا کر دیے جائیں گے اور وہ سر جنہوں نے بادشاہ کو اس جنگ کا مشورہ دیا تھا، بادشاہ ہی کے حکم سے قلم کر دیے جائیں گے!"

* * *

بہلول نے اپنے پرچم تلے دس بارہ ہزار آدمی جمع کر لیے۔ اب اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس لشکر کی مدد سے سرہند اور اس کے آس پاس کا علاقہ زبردستی چھین لے گا۔ وہ پہاڑوں کے اندر سے خونخوار شیر کی طرح نمودار ہوا۔ اب

اس کے لشکر میں ہر قسم کے لوگ تھے۔ بہلول نے قسم کھائی تھی کہ اب اس کا مرنا جینا اپنے افغان بھائیوں کے ساتھ ہو گا۔

وہ جب پہاڑوں کے اندر سے نکل کر میدانی علاقے میں داخل ہوا تو چاروں طرف کھیت ہی کھیت لہلہاتے دکھائی دیے۔ بہلول نے ازراہ مذاق کہا "یہ سارے کھیت ہمارے ہی ہیں بس اب وہ دن دور نہیں جب میں ہندوستان کے تاج و تخت کو اپنے قبضے میں لے چکا ہوں گا۔"

جنوب کی میدانی آبادیوں سے جب وہ گزرا تو وہ افغانوں کے ٹھاٹ باٹ دیکھ کر سہم گئیں۔ انہوں نے اپنے دروازے اندر سے بند کر لیے اور چھتوں، دیواروں اور درختوں پر سے یہ تماشا دیکھنے لگے۔ افغانوں کی چمکتی تلواریں، تیروں سے بھرے پشت پر بندھے ترکشوں اور کمانوں کا منظر قابل دید تھا۔ بہلول کے آدمی بستیوں اور آبادیوں میں باآواز بلند کہتے پھر رہے تھے "اس بستی میں جو افغان بھی آباد ہو، وہ ہم میں آ سکتا ہے۔"

وہ سرہند میں بڑی آسانی سے داخل ہو گیا۔ سکندر تحفہ نے معمولی سے مقابلے کے بعد پسپائی اختیار کر لی اور سرہند پر بہلول کا قبضہ دوبارہ ہو چکا تھا۔ جب یہ خبر دہلی پہنچی تو وہاں کہرام برپا ہو گیا اور بادشاہ اپنے دانش مندوں کو جمع کر کے منصوبے بنانے لگا۔ ان میں حسام خان نامی امیر نے بادشاہ کو دو ٹوک مشورہ دیا کہ بہلول کا قدم ابھی زیادہ طاقت نہیں پکڑ سکا ہے اس لیے اگر آپ اس فتنے کو یہیں کچل دیں گے تو آئندہ دوسروں کی ہمت بھی نہیں بڑھے گی۔

بادشاہ نے حسام خان کو حکم دیا۔ "تب پھر یہ مہم آپ ہی کے سپرد کرتے ہیں۔"

حسام خان نے تین بار ڈنڈوت کی اور بادشاہ کو سلام کر کے واپس چلا گیا اب وہ بہلول سے مقابلے کی تیاری کر رہا تھا۔ دوسری طرف بہلول کی یہ کوشش تھی کہ یہ مقابلہ سرہند سے دور دہلی کے مضافات میں سے کسی جگہ ہو۔ بہلول ہر روز علی الصباح اٹھ کر سپاہیوں کو کسرت اور قواعد کراتا رہتا۔ اس نے سرہند کے آس پاس کی چراگاہوں میں گڈریوں اور چرواہوں کو چھوڑ رکھا تھا کہ جیسے ہی کوئی نئی بات نظر آئے وہ بہلول کو اس سے آگاہ کر دیں۔

کئی ہفتوں بعد اس کے آدمیوں نے خبر دی کہ چند نفری لشکر سرہند کی طرف

آتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ بہلول ایک دستے کو لے کر چند نفری لشکر کی تلاش میں نکل گیا۔ دوپہر کو اُس نے ان لوگوں کو ایک باغ میں پکڑ لیا۔ بہلول کو یہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی کہ یہ لوگ قطب خان اور اُس کے ساتھی تھے۔ بہلول یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ قطب خان پراگندہ اور بے سروسامانی کی حالت میں کیوں آیا؟ وہ قطب خان کو غدار سمجھتا تھا۔

قطب خان نے بہلول کو دیکھ کر پہچان تو لیا لیکن نظریں نہیں ملائیں، وہ شرمندہ تھا اور نظریں ملاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ بہلول کے ساتھی بھی اپنے سردار کے بیٹے کو پہچان چکے تھے اور بہلول کے حکم کے منتظر تھے۔

بہلول نے قطب خان سے پوچھا۔ "قطب خان! کیا بات ہے۔ یہاں تو کیا لینے آیا ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "بھائی بہلول! اب میں تیری سرداری کو تہہ دل سے قبول کرتا ہوں۔"

بہلول ہکا بکا رہ گیا، بولا۔ "یعنی تم میری قیادت تسلیم کرتے ہو؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "ہاں جو کچھ ہوا میں اس پر بے حد شرمندہ ہوں اور میں نے جو کچھ کیا اُس کی معافی چاہتا ہوں۔"

بہلول نے کہا۔ "ہمارے چچا فیروز خان کا شیر دل بیٹا شاہین خان تمہاری غداری کی بھینٹ چڑھ گیا اور اب تم شرمندہ ہونے اور معافی مانگنے چلے آئے، کم از کم میری سمجھ میں تو کوئی بات آ نہیں رہی۔"

قطب خان نے نظریں ملائے بغیر جواب دیا۔ "بھائی بہلول! مجھ کو میرے حسد نے خوار کر دیا، معلوم نہیں کیوں میں تیری سرداری سے خوش نہیں تھا، جبکہ تو نے خود سے سرداری کا اعلان نہیں کیا تھا، میرے باپ نے تجھے سردار مقرر کیا تھا، میں نے نادانی اور جہالت میں تیری سرداری کو ماننے سے انکار کر دیا اور خود سردار بننے کی خواہش میں دہلی کے بادشاہ کے پاس چلا گیا۔ بادشاہ نے میری خواہش پر تیرے خلاف لشکر کشی کی اور سرہند سے بے دخل کر دیا۔ میرا خیال تھا، سرہند کی حکومت میرے حوالے کر دی جائے گی لیکن وہ سکندر تحفہ کو دے دی گئی۔ میں بادشاہ کی افواج میں بے زبان قیدی کی طرح تھا، میں بادشاہ سے یہ بھی نہیں کہہ سکا کہ سرہند کی حکومت میرا حق ہے۔"

بہلول نے کہا۔ "بھائی قطب خان! یہ اپنی اپنی سمجھ کا پھیر ہے۔ میں تمہارا بھائی ہوں اور تم میری بیوی کے بھی بھائی ہو، ذرا سوچو تو میں تم پر کس طرح حکومت کرتا۔ میں نے کہیں پڑھا ہے کہ منگولوں کے بوڑھے اپنے بچھڑنے والوں سے کہا کرتے تھے کہ جو تیر کمان سے نکل گیا وہ اونچی اونچی گھاس میں کہیں گم ہو جاتا ہے۔ بھائی قطب خان! اگر تم بھی اپنے پیارے افغان بھائیوں سے بچھڑ گئے تو کمان سے نکلے تیر کی طرح انسانوں کے جنگل میں کہیں گم ہو جاؤ گے۔"

قطب خان نے ندامت سے جواب دیا۔ "بے شک، میں نے جو کچھ کیا اُس پر بے حد شرمندہ ہوں۔"

بہلول نے پوچھا۔ "اب کیا ارادے ہیں؟"

قطب خان نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ "اب میرا کوئی ارادہ نہیں، میں تیرے ارادوں کا تابع ہو گیا ہوں، میں اور میرے ساتھی اب تیری تابعداری کریں گے۔"

بہلول نے قطب خان کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھا لیا اور سینے سے لگاتا ہوا بولا۔

"بھائی قطب خان! میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ اگر میں اس ملک کا بادشاہ بھی بن گیا تب بھی تم لوگ میرے تابعدار یا رعایا نہیں کہلاؤ گے، تم لوگ میرے دست و بازو ہو گے۔ تم تو میرے بھائی ہو، میں افغان قوم کے کسی معمولی فرد کو بھی اپنے سے کم نہیں سمجھتا۔"

قطب خان، بہلول کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اُس کی ہچکیاں بندھ گئیں، بہلول اُس کی پشت پر کبھی تو ہاتھ پھیرتا اور کبھی تھپتھپانے لگتا۔ وہ قطب خان کو ہر طرح تسلیاں دے رہا تھا۔

پھر دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ دونوں کے ساتھیوں نے بھی گھل مل کر باتیں شروع کر دیں۔

ان دونوں نے بڑی دیر تک جانے کیا کیا باتیں کر ڈالیں، ماضی کی خوشگوار یادیں تازہ کی گئیں اور مستقبل کے شاندار امکانات پر قیاس آرائیاں ہوئیں۔ لیکن اس دوران قطب خان ذرا سی دیر کے لئے بھی یہ نہیں بھلا سکا کہ اُس نے دہلی دربار سے مل کر اپنے بھائیوں پر جو ظلم کیا ہے اس کو کس طرح بھلایا جائے؟

بہلول نے قطب خان کی پشت پر ایک زوردار ہاتھ رسید کیا اور

قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "بھائی قطب خان! جو کچھ ہو گیا۔ اس پر زیادہ افسوس کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس سے حاصل کیا ہو گا؟ کچھ بھی نہیں، پھر افسوس کرنے کا فائدہ؟"

قطب خان نے کہا۔ "بہلول! میں سب سے زیادہ اپنے چچا فیروز خان سے شرمندہ ہوں، اُن کے سامنے جانے کی ہمت نہیں پڑ رہی۔ اس لیے میں اس باغ میں رُک گیا تھا۔"

بہلول نے رنجیدہ آواز میں کہا۔ "ہاں یہ بات تو ہے مگر غلطیاں انسان ہی سے ہوتی ہیں۔"

قطب خان ایک دم خاموش ہو گیا اور پھر کچھ دیر سوچتا رہا۔ بہلول نے کھڑے ہوتے ہوتے قطب خان کا بازو پکڑ کر اُٹھانے کی کوشش کی اور کہا۔ "بھائی قطب خان! بس اٹھو اور چلو زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

قطب خان نے کھڑے ہوتے ہوتے جواب دیا۔ "بہلول! میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تو میرے دونوں ہاتھ باندھ دے اور میری پگڑی کا سے میری گردن پھانس کر گھسیٹتا ہوا چچا فیروز کے پاس لے چل، اس طرح میں یہ تاثر دینے میں کامیاب ہو جاؤں گا کہ میں اپنی قوم اور چچا فیروز خان کا خطاکار ہوں، وہ چاہیں تو معاف کر دیں نہ چاہیں تو جو سزا مناسب سمجھیں، دے دیں، میں بھگتنے کو تیار ہوں۔"

بہلول نے کہا۔ "میرے خیال میں اس کی کوئی ضرورت نہیں، میں چچا فیروز اور اپنی قوم کو سمجھا دوں گا۔ وہ لوگ بآسانی معاف کر دیں گے کیونکہ وہ تمہاری واپسی سے بہت خوش ہوں گے۔"

قطب خان نے اصرار کیا۔ "بہلول! جو میں کہہ رہا ہوں وہی کر! اس میں لیت و لعل اور حیل و حجت سے کام نہ لے، میری یہ خواہش پوری کر دے۔"

بہلول نے قطب خان کے کان میں کہا۔ "ایسا کرنے میں یوں تو کوئی حرج نہیں لیکن تمہارے آدمیوں کے دل پر اس کا کوئی اچھا اثر نہیں پڑے گا۔"

قطب خان نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔ "میں نے ان تمام پہلوؤں پر غور کر لیا ہے بات دراصل یہ ہے کہ میں اپنے ضمیر کی چبھن سے کس طرح نجات حاصل کروں؟ اس کی بس یہی ایک ترکیب ہے۔"

بہلول نے کھڑے ہو کر اعلان کیا۔ "بھائیو! اب ہم اپنے گھروں کو روانہ ہو رہے ہیں، اپنے اپنے سامان کو سمیٹ لو۔"

افغانوں میں معمولی سی ہلچل پیدا ہوئی اور ہر کوئی اپنے اپنے سامان کی طرف چل دیا۔

قطب خان نے اپنی پگڑی بہلول کے حوالے کر دی، بہلول نے اپنے رومال سے پہلے تو قطب خان کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے اس کے بعد قطب خان کی پگڑی کا پھندا بنا کے اس کی گردن میں پھنسا دیا اور دوسرا سرا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ قطب خان کے ساتھی اور بہلول کے سپاہی یہ عجیب و غریب منظر سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا، قطب خان کے ساتھی کچھ اور ہی سمجھے، ایک تلوار کو نیام سے کھینچ کر بہلول کی طرف لپکا اور حکم دیا۔ "بہلول! تو نے میرے سردار کے ساتھ دھوکا کیا ہے اب خیریت اسی میں ہے کہ اس کو چھوڑ دے ورنہ میں تیرا پیٹ چاک کر دوں گا۔"

اس پر جوش نوجوان کی دیکھا دیکھی قطب خان کے دوسرے ساتھی بھی اپنی اپنی تلواریں سنبھال کر بہلول کی طرف دوڑے، بہلول کے آدمیوں نے اپنے سردار کو خطرے میں جو دیکھا تو وہ بھی اپنی اپنی تلواریں نیام سے کھینچ کر قطب خان کے آدمیوں پر جھپٹے۔

قطب خان اور بہلول نے معاملے کو بگڑتے جو دیکھا تو فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کیا جائے مگر قطب خان کی حاضر دماغی اپنا کام کر گئی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو منع کیا۔ "دوستو! یہ تم کیا کر رہے ہو! میں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی مرضی سے بندھوائے ہیں اور اپنے گلے میں پھندا ڈالنے کے لیے میں نے اپنی پگڑی بہلول کو خود ہی دی تھی تاکہ اس طرح میں اپنے چچا فیروز کے دل میں اپنے لئے جذبۂ رحم پیدا کروں۔"

اُٹھے ہوئے ہاتھ نیچے ہو گئے اور بڑھتے ہوئے قدم ایک دم رُک گئے۔ قطب خان کے آدمی اپنی غلطی پر زور زور سے ہنسنے لگے وہ سب اس نوجوان کا مذاق اُڑا رہے تھے جس نے سب سے پہلی بار اپنی تلوار بے نیام کی تھی۔

قطب خان کے آدمیوں کی دیکھا دیکھی بہلول کے سپاہی بھی ہنسنے لگے۔ بعد میں اس ہنسی میں بہلول اور قطب خان نے بھی اپنے ساتھیوں کا ساتھ دیا۔

پہلے بہلول اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، اس کے بعد قطب خان کے دونوں ہاتھ بندھے ہوتے تھے اسلیے گھوڑے کی پشت تک جانے کے لیے، اس نے اپنے ایک ساتھی کا سہارا لیا۔

یہ ایک پراسرار منظر تھا کہ بہلول کا گھوڑا سب سے آگے تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں گھوڑے کی لگام تھی اور دوسرے میں قطب خان کی پگڑی کا سرا، اس کے پیچھے قطب خان کا گھوڑا تھا، دونوں بندھے ہاتھوں اور پگڑی کے ایک سرے میں پھنسی ہوئی گردن میں قطب خان کچھ عجیب ہی لگ رہا تھا۔ اس نے سر جھکا لیا تھا اور ایسا لگتا تھا گویا خجالت اور ندامت کے بوجھ نے اس کو اس لائق ہی نہیں رکھا کہ وہ گردن تان کر اور سینہ نکال کر اپنے لوگوں کے سامنے جاسکے۔

آناً فاناً تمام افغانوں کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ قطب خان ایک قیدی کی طرح آ گیا ہے، فیروز خان اپنے گھر سے نکل کر بہلول کے پاس چلا گیا، بہلول کی بیوی اپنے بھائی کو رومال اور پگڑی میں بندھا دیکھ کر آبدیدہ ہوگئی، اس نے ایک بڑی بی کو بہلول کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ "قطب خان کو آزاد کر دو، ورنہ میں ننگے سر باہر آجاؤں گی۔"

بہلول نے جواب میں کہلا دیا کہ "ننگے سر باہر آنے کی کوئی ضرورت نہیں، قطب خان اپنی مرضی سے قیدی بنا ہے۔"

لیکن اس کی بیوی اپنے شوہر کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئی۔

فیروز خان، قطب خان کے سامنے جا کھڑا ہوا، حیرت سے پوچھا، "بہلول، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

بہلول نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ "عم محترم! آپ وہی دیکھ رہے ہیں جو ہم سب دیکھ رہے ہیں۔"

فیروز خان کے سینے میں آگ سی جل اٹھی تھی، جلے بھنے لہجے میں پوچھا۔ "کیا یہ قطب خان ہے؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "ہاں یہ قطب خان ہے، اپنے کیے پر نادم اور شرمسار، عم محترم! بھائی قطب خان نے جس ندامت اور خجالت سے اپنی غلطی کا اعتراف کیا ہے اسے خدا بھی معاف کر دیتا۔ میں نے اس کو آپ کی طرف سے معاف کر دیا ہے۔"

فیروز خان نے آنکھوں کے گوشوں سے باہر نکلنے والے آنسوؤں کو کرتے کے دامن سے پونچھتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو میں نے بھی اس کو معاف کر دیا۔"

اس وقت بہلول کی بیوی کی طرف سے دوسرا پیغام موصول ہوا۔ "آخر کیا بات ہے جو میرے بھائی کو ابھی تک آزاد نہیں کیا گیا؟"

بہلول نے پیغام لانے لے جانے والی بڑی بی کو ڈانٹ دیا۔ "جا! اس سے کہہ دے کہ زیادہ بک بک نہ کرے۔ میں اپنے معاملات میں عورت کی دخل اندازی برداشت نہیں کر سکتا۔" پھر بڑی بی کو بطور خاص مخاطب کیا۔ "اور یہ تو بار بار اندر باہر کے چکر کیوں لگا رہی ہے؟ اگر پھر آئی تو تیری ٹانگیں توڑ دوں گا۔"

بڑی بی خوف زدہ ہو کر بھاگ گئیں۔

قطب خان کو چاروں طرف سے افغانوں نے گھیر رکھا تھا، ان میں وہ لوگ بھی موجود تھے جو بہلول کا ساتھ چھوڑ کر قطب خان کے پاس جانے والے تھے، انہیں بہلول کی باتوں اور اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

فیروز خان نے بہلول کے کان میں کہا۔ "بہلول! بہت ہو چکا اب اس کو آزاد کر دے۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "لیکن میں نے تو قطب خان کو قیدی نہیں بنایا، یہ تو خود بنا ہے قیدی!"

بہلول کے مخالف افغانوں میں سے کسی نے آواز بلند کی۔ "فیروز خان! اب اس تماشے کو ختم کر دے، ورنہ اب جو فساد ہوگا اس میں افغان تباہ و برباد ہو جائیں گے۔"

بہلول نے بھی سختی سے جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ افغانوں میں چند مفسد موجود ہیں اور وہ موقعے کی تلاش میں ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ انہیں قطب خان کی ماتحتی میں جانے کا بڑا شوق ہے۔ اب قطب خان آگیا ہے، وہ لوگ بہ شوق اس کی ماتحتی میں جا سکتے ہیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

فیروز خان نے بہلول کے کان سے منہ لگا کر پوچھا۔ "کیا میں قطب خان کو آزاد کر دوں؟"

بہلول نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔ "ابھی نہیں۔"

اس کے بعد بہلول قطب خان کے پاس جا کر کھڑا ہوا اور اس سے آہستہ آہستہ کہا۔ "بھائی قطب خان! تم جس جگہ سے نادم اور خجل واپس آ گئے ہو، افغانوں کی ایک جماعت وہاں پہنچنے کے لیے بے چین ہے۔ یہ لوگ تمہیں اپنا سردار بنانا چاہتے ہیں، میں ان سے کیا کہوں اور کیسا سلوک کروں؟"

قطب خان نے بڑی بے باکی سے اپنے حمایتی سرکشوں کی طرف دیکھا اور انہیں مخاطب کیا۔ "ہاں تو اے میرے ہمدردو اور حمایتی بھائیو! آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

سب سے زیادہ شرّی بوڑھے افغان نے قطب خان کے قریب جا کر اس کو غیرت دلائی۔ "قطب خان! تیری غیرت کہاں چلی گئی ہے یہ تجھ کو ہو کیا گیا۔ تو نے خود کو قید و بند میں کیوں ڈال لیا؟"

قطب خان نے گویا اس بوڑھے کی کوئی بات سنی ہی نہ تھی، ایک بار پھر پوچھا۔ "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم لوگ کیا چاہتے ہو؟"

شرّی بوڑھے نے جواب دیا۔ "تیرا باپ اسلام خان مرحوم سرہند کا حاکم تھا اب ہماری آنکھیں سرہند پر تجھ کو حکمران دیکھنا چاہتی ہیں۔"

قطب خان نے پوچھا۔ "لیکن بھائی بہلول کیا کرتے ہیں؟"

بوڑھے نے جواب دیا۔ "اس کی یہی برائی کیا کم ہے کہ تیرا حق غصب کر کے بیٹھ گیا، کیا ہمیشہ سے یہ ہوتا نہیں چلا آیا ہے کہ باپ کے بعد بیٹا جانشینی کرے۔"

قطب خان نے کہا۔ "لیکن میرے باپ نے اپنی زندگی ہی میں بھائی بہلول کو اپنا جانشین کر دیا تھا، اس فیصلے کو میں یا کوئی اور کس طرح بدل سکتا ہے!"

بوڑھے نے جواب دیا۔ "تیرا باپ اسلام خان اس دنیا سے جا چکا" "اب اس کی قبر میں ہڈیاں تک چورا ہو چکی ہوں گی۔ جب تیرا باپ ہی نہ رہا اس دنیا میں، تو اس کے عہد و پیمان اور وعدے کتنے دن جیئیں گے سمجھ لے، اسلام خان کے ساتھ اس کی ہر بات مر گئی، اسلام خان کی جانشینی کا مسئلہ ہم لوگ حل کریں گے۔"

قطب خان نے بڑے میاں کو ڈانٹا۔ "خدا کے لئے تو اپنی خباثت سے اپنے ہی بھائیوں اور ان کی اولاد کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کر، تیری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ خود میں نے بھی بہلول کو اپنا سردار تسلیم کر لیا ہے!"

بوڑھے نے منہ بنا کر پوچھا۔ "کیا سچ؟ یہ تو کہہ رہا ہے یا تجھ سے کہلایا

جا رہا ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "یہاں ہے کوئی ایسا جو مجھ سے میری مرضی کے خلاف ایک لفظ بھی کہلا سکے؟"

بوڑھے کی جماعت کا ایک نوجوان تیز تیز قدم اٹھاتا قطب خان کے بالکل قریب چلا گیا۔ "قطب خان میرے مرحوم سردار کے بیٹے! ہم سب تیری مرضی جاننا چاہتے ہیں، تیرے ایک اشارے پر ہزاروں تلواریں نیام سے باہر آ جائیں گی۔"

قطب خان نے انہیں سمجھایا۔ "میرے بزرگ! یہ آپ لوگ شر اور فساد پر کیوں مائل ہو رہے ہیں؟ میں تم سب کو بانگ دہل یہ یقین دلا رہا ہوں کہ میں نے بہلول کی سرداری تسلیم کر لی ہے۔ آج سے بہلول ہمارا بادشاہ ہے اور ہم سب اس کی رعایا۔"

بہلول بھی بڑا جذباتی ہو رہا تھا، وہ برابر اپنی اہانت محسوس کرتا جا رہا تھا اس نے قطب خان سے کہا۔ "بھائی قطب خان! یہ ہماری کوئی بات بھی نہیں مانیں گے، اس لیے ہم انہیں ان کی مرضی پر چھوڑ دیں گے!"

بہلول نے جواب دیا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا بھائی قطب خان! ہم سرکشوں اور مفسدوں کو ان کی مرضی پر نہیں چھوڑ دیں گے، پہلے یہ لوگ میری اطاعت کریں اور میری امارت کا جوا اپنی گردن پر رکھیں، اس کے بعد مجھ پر چھوڑ دیں کہ میں ان سے کیا کام لوں؟"

بہلول کی بیوی کا ایک پیغام اور موصول ہوا، اس بار ایک نو دس سالہ بچہ یہ پیغام لے کر آیا تھا۔ بہلول کی بیوی نے کہلایا تھا کہ میرے شوہر سے جا کر کہہ دو کہ اگر اس نے پانچ سات ثانیوں کے اندر میرے بھائی کو آزاد نہ کیا تو میں باہر نکل کر اس کو زبردستی آزاد کر دوں گی۔"

بہلول نے بھی بڑا سخت جواب دیا۔ "جا، اپنی مالکہ سے صاف صاف کہہ دے کہ اگر اس نے ایسی کوئی غلطی کی تو میں زندگی بھر تیری شکل بھی نہ دیکھوں گا، کسی عورت کا شوہر کی مرضی اور اجازت کے بغیر باہر آ جانا کوئی معمولی بات تو نہیں۔"

قطب خان کو اپنی بہن پر رحم آ گیا۔ بولا۔ "بھائی بہلول! میں نے اپنے لیے تجھ سے کوئی رعایت نہیں چاہی لیکن میں اپنی بہن کے لئے تجھ سے نرمی اور

محبت کا تقاضہ کروں گا۔"

ہسلول نے ہنس کر جواب دیا "بھائی قطب خان! یہ تو ایک دھمکی تھی، اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔"

فیروز خان نے قطب خان سے کہا "آزادی کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا "میں ہمیشہ ہی آزاد رہا ہوں اور یہ اسی آزادی کا نتیجہ ہے کہ میں نے ہسلول کی اطاعت تک نہیں قبول کی تھی۔"

شرقی بوڑھے نے ایک بار پھر باآواز بلند دریافت کیا "ہاں تو قطب خان! تو نے ہماری بابت کیا فیصلہ کیا؟"

قطب خان نے جواب دیا "تمہاری بابت کوئی اور کیا فیصلہ کرے گا، میں نے تو تھک ہار کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہسلول کو اپنا حکمران مان لوں۔ جب کہ تم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مجھ کو اپنا سردار بنا لو۔ اب میں تمہارے سردار کی حیثیت سے تمہیں یہ حکم دے رہا ہوں کہ میرے ہمراہ تم بھی ہسلول کو اپنا سردار بنا لو۔"

ایسا لگا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو!

قطب خان کو ہسلول نے اپنے ہاتھوں سے آزاد کیا، قطب خان کے حامیوں نے خوشی میں نعرے لگائے اور سب سے پہلے چچا فیروز خان نے اس کو سینے سے لگا لیا، بھرائی ہوئی آواز میں کہا "قطب خان! اب تو شاہین خان کی جگہ ہے، میں نے تجھ کو اپنا بیٹا مان لیا ہے۔"

اس کے بعد ہسلول کی باری تھی۔ اس نے بھی قطب خان کو گلے سے لگا لیا "تم میرے پہلے بھی بھائی تھے اور اب بھی بھائی ہو لیکن خدارا برادرِ یوسف نہ ثابت ہونا، میں بادشاہ بن جانے کے بعد بھی تمہیں اپنے پاس ہی بٹھایا کروں گا۔"

اس کے بعد دوسرے سربرآوردہ افغانوں کی باری تھی، ان سب نے قطب خان کو اپنے سینے سے لگایا اور حسبِ توفیق کلمات ادا کیے۔ ان میں قطب خان کا حامی شرقی بوڑھا بھی شامل تھا اور اس کے ہم نوا بھی۔ شرقی بوڑھے نے گلے لگتے ہوئے قطب خان سے کہا "اگر تو اس وقت اپنی سرداری کا اعلان کر دے تو دو تہائی افغان تیرے ساتھ ہو جائیں گے۔"

قطب خان نے جواب دیا "اگر مجھ کو یہ یقین بھی ہو جائے کہ کل افغان میرے ہم نوا ہیں۔ میں اس وقت بھی اپنی سرداری کا اعلان نہیں کروں گا کیونکہ جس مسئلے کو والد مرحوم طے کر گئے ہیں میں اس کو دوبارہ کیوں اٹھاؤں۔"

بوڑھے نے بڑے افسوس سے کہا "پتہ نہیں اسلام خان کو کیا ہو گیا تھا، جو اپنے بیٹوں کی موجودگی میں اپنے نالائق اور مادیت پسند بھتیجے کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ اگر اس وقت میں اسلام خان کے پاس ہوتا تو اس سے سخت اختلاف کرتا۔"

قطب خان نے جواب دیا "بزرگ افغان! اب ان باتوں کا وقت نہیں رہا ہمیں اپنی صفوں میں اتحاد کی سخت ضرورت ہے کیونکہ ہسلول ہندوستان پر حکومت کرنے کا مصمم ارادہ کر چکا ہے۔"

بوڑھے نے بے دلی سے کہا "خیر تم کہتے ہو تو میں ملک کالا کے بیٹے کی تابعداری کر لوں گا، ورنہ میرا دل اس پر آمادہ نہیں۔"

مردوں سے فرصت پا کر قطب خان اپنی بہن کے پاس چلا گیا۔ بہن نے اس کے سر پر دوپٹے کا پلو ڈال دیا اور اس کے پیچھے کھڑے ہو کر آنسو بہانے لگی، بولی "بھائی جب میں نے تجھ کو بندھے ہوئے دیکھا تو تیرے بہنوئی کے پاس بار بار یہ پیغام بھیجا کہ وہ مجھے فوراً رہا کر دے، میں نے تو یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر ہسلول نے میری بات نہ مانی تو میں اس سے طلاق لے کر علیحدگی اختیار کر لوں گی۔"

قطب خان نے جواب دیا "خبردار بہن جو آئندہ اس طرح سوچا بھی، تیرا شوہر افغان قوم کا عظیم نوجوان ہے تو نے اگر اس کو کھو دیا تو گویا اپنا سب کچھ کھو دے گی اور پھر یہ بھی طے ہے کہ ہسلول کے دل میں آج بھی زیبا ستاری کی محبت رچی بسی ہے، یہ جب بھی تیری محبت سے گلو خلاصی حاصل کرے گا، اپنی محبوبہ زیبا کے پاس چلا جائے گا۔"

قطب خان کی بہن لرز گئی، بولی "اچھا اگر تو کہتا ہے تو میں اس کی عزت کروں گی۔"

وہ رات ایک یادگار رات تھی، قطب خان اپنے آدمیوں میں گھرا ہوا بڑی دلچسپ باتیں کرتا رہا۔ ہسلول بھی اس محفل میں موجود تھا، ہسلول کو بس ایک ہی فکر تھی، ایک ہی طلب اور ایک ہی جستجو تھی۔ ہسلول یہ جاننا چاہتا تھا کہ محمد شاہ کا اصل دماغ کون ہے؟ وہ کس کے دماغ سے سوچتا اور کس کے دماغ

سے فیصلے کرتا ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "بھائی بہلول! دہلی میں اس وقت جو دماغ ہیں ان میں دو نہایت اہم ہیں، ایک حسام خان کا دماغ ہے اور دوسرا حمید خان کا دماغ لیکن فی الحال بادشاہ کے دل و دماغ پر حسام خان کی حکومت ہے۔ بادشاہ حسام خان ہی کے دماغ سے سوچتا، فیصلے کرتا اور حکومت کرتا ہے اگر بادشاہ کے پاس سے حسام خان کو ہٹا دیا جائے تو وہ کچھ بھی نہیں رہے گا۔"

بہلول نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اور حسام خان کو میں ہٹا دوں گا اپنی راہ سے اور دیکھو قطب خان! مجھ کو ایک بات اور بتاؤ۔"

قطب خان نے پوچھا۔ "وہ کون سی بات ہے؟"

بہلول نے خود سوال کر دیا۔ "اچھا قطب خان! بس ایک بات اور بتا دو۔"

قطب خان نے پوچھا۔ "کون سی بات؟ اگر مجھ کو معلوم ہو گی تو ضرور بتاؤں گا۔"

بہلول نے پوچھا۔ "سرہند پر حملہ کس نے کروایا تھا؟ یہ لشکر کشی کس کے مشورے سے ہوئی تھی؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "حسام خان کے مشورے پر، بادشاہ کے دل و دماغ پر حسام خان ہی کی حکومت ہے۔"

بہلول کچھ دیر سوچتا رہا، پھر بولا۔ "وہ مارا۔ اب حسام خان اپنے بادشاہ ہی کے حکم پر مارا جائے گا۔ میں نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ جن جن لوگوں نے افغان دشمنی میں بادشاہ کو افغانوں کے خلاف استعمال کیا ہے، میں ان سب کو ان کے بادشاہ کے حکم ہی سے قتل کراؤں گا۔ یہ میرا عہد ہے جو ضرور پورا ہو گا، انشاء اللہ۔"

بہلول بادشاہ کی طرف سے غافل نہیں تھا جبکہ اس کو یہ بات بھی معلوم ہو چکی تھی کہ حسام خان سرہند پر لشکر کشی کی تیاریاں کر رہا ہے۔

بہلول نے اسی شب یہ ہنگامی اعلان کر دیا کہ افغان بادشاہ کی فوجوں سے اپنی مرضی کے محاذوں پر جنگ کریں گے۔

یہ ایک طرح کا طبلِ جنگ تھا۔ جو بہلول نے بجا دیا تھا۔ افغانوں نے اس وقت سے جنگ کی خوفناک تیاریاں شروع کر دیں۔

٭ ٭

وزیر الممالک حسام خان اپنا لشکر لے کر انبالہ کے جنوب میں تقریباً پچیس میل دور مڑھورا اور خضر آباد نامی قصبوں کے درمیان کڑہ نامی مقام تک پہنچ گیا مگر تک بہلول کی فوج حسام خان کا راستہ روک کر دیوار کی طرح کھڑی ہو گئی تھی۔ رات کو دونوں طرف آگ روشن کر دی گئی تاکہ کوئی کسی پر شب خون نہ مار سکے۔ بہلول، قطب خان اور چچا فیروز خان کو اپنے ساتھ لیے پھر رہا تھا، بہلول اپنے جنگ جوؤں کے پاس جاتا تو پہلے ان کی پشت تھپتھپاتا اور ان کی بہادری کا بڑی عزت سے ذکر کرتا، وہ ہر ایک سے ایک ہی بات کہہ رہا تھا: "حکومت کسی کے باپ کی میراث نہیں ہے جو اس کا اہل ہو گا نا اہل سے چھین لے گا۔ محمد شاہ نا اہل ہے افغان اہل ہیں، اس لئے یہ حکومت بہرحال افغانوں کا حق ہے۔"

بہلول کی پُر اسرار اور تکرار آمیز باتوں نے افغانی جیالوں میں ساحرانہ جوش و خروش پیدا کر دیا اور انھیں اپنی کامیابی کا پورا یقین ہو گیا۔

گھوڑوں کے ہنہنانے اور سواروں کے ادھر اُدھر گھوڑے دوڑانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

حسام خان بہت فکر مند تھا، معلوم نہیں کیوں اس کو یہی محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بہلول سے شکست کھا جائے گا۔

صبح طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی حسام خان نے جب اپنی فوج کو صف آراء کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بہلول اس سے پہلے ہی اپنی فوجیں میدانِ جنگ میں کھڑی کر چکا ہے۔

حسام خان اپنی شجاعت اور لیاقت کا نفسیاتی دباؤ ڈالنے کے لئے اپنی فوج سے جُدا ہو کر بہلول کی صف آرا فوج کے قریب پہنچ گیا اور آوازیں دے کر بہلول کو طلب کیا۔ بہلول گھوڑا دوڑاتا ہوا حسام خان کے مقابل پہنچ گیا۔

حسام خان نے بہلول کو اوپر سے نیچے تک دیکھ کر کہا: "تو یہ ہے ملک بہلول، اسلام خان کا بھتیجا اور داماد۔"

بہلول نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حسام خان نے پوچھا: "ملک بہلول کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس جنگ سے تیرا مقصد کیا ہے؟"

بہلول نے جواب دیا: "صرف یہ کہ نااہل کو اس کی جگہ سے ہٹا کر اہل کو بٹھا دوں۔"

حسام خان نے پوچھا: "یہ نااہل کون ہے اور اہل کون؟"

بہلول نے جواب دیا: "تو نااہل ہے تیرا بادشاہ نااہل تیرے سارے ہی امرا نااہل ہیں۔"

حسام خان کو طیش آگیا، بولا: "کل کے چھوکرے! زبان سنبھال کر بات کر شاید تو نہیں جانتا کہ اس وقت تیرے سامنے اس ملک کا وزیر الممالک کھڑا ہے۔"

بہلول نے جواب دیا: "کون کیا ہے؟ کون بہادر ہے اور کون بزدل میدانِ جنگ میں دونوں فریق اپنی اپنی صلاحیتوں کو واضح اور ثابت کر دیگا۔"

حسام خان نے کہا: "بہلول! اس لشکر کو کٹوانے سے فائدہ؟ پھر کیوں نہ ہم دونوں لڑ کر اس بات کا فیصلہ کر دیں کہ کون کس پر فضیلت رکھتا ہے۔"

بہلول نے جواب دیا: "حسام خان! تم جو چاہو کہو، لیکن جنگ کا نتیجہ دو آدمی نہیں نکالیں گے اس میں بہتوں کو اپنی جرأت اور بہادری دکھانے کا موقع ملے گا۔ میں اپنے بہادروں کے دل نہیں توڑوں گا۔"

حسام خان ہنس دیا: "شاید تو نے میری بات کا غلط مطلب لیا ہے، خیر، اگر تیری یہی منشا ہے کہ اس جنگ میں دونوں طرف کی ساری فوجیں جھونک دی جائیں تو میں بھی راضی ہوں۔"

حسام خان نے گھوڑے کو تھوڑا اور دوڑانا شروع کر دیا وہ اپنی فوج میں واپس چلا گیا اور چیخ کر کہا: "میرے دوستو اور ساتھیو! افسوس کہ میں نے بڑی کوشش کی کہ یہ جنگ ٹل جائے اور ملک بہلول اپنے دل و دماغ سے بادشاہت کا خیال نکال دے۔"

کئی آوازیں سنائی دیں، اس کے نامور ساتھی کہہ رہے تھے: "سردار! صلح کی کوئی ضرورت نہیں، ہم انھیں میدانِ جنگ میں شکست دے دیں گے۔"

بہلول نے اپنے آدمیوں سے کہا: "میرے افغان بھائیو! اب جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، میں نے حسام خان کی دعوتِ مبارزت قبول کر لی ہے۔"

قطب خان نے تشویش سے پوچھا: "بھائی بہلول! کیا تم نے واقعی حسام خان

کی دعوتِ مبارزت قبول کر لی ہے؟"

بہلول نے جواب دیا: "بھائی! تم کیسی بات کر رہے ہو! میں جنگ مبارزت ہر اس جنگ کو کہتا ہوں جو للکار کر مردانہ وار لڑی جائے۔"

فیروز خان اپنی فوج کے میمنہ پر کھڑا ہو گیا، قطب خان نے میسرہ سنبھال لیا۔ بہلول فوج کے قلب میں کھڑا ہوا تھا۔ سرکش گھوڑے کسی ایک جگہ کھڑے ہی نہیں ہو رہے تھے، وہ اپنی دموں سے مورچھل کا کام لے رہے تھے، اپنے اگلے پیروں کو بار بار پٹک کر اپنی بے زبانی کا اعلان کر رہے تھے۔

حسام خان کی طرف سے طبلِ جنگ بجا اور دونوں فوجیں ہاتھیوں کی طرح ایک دوسرے کی طرف بڑھیں اور پھر تلواریں تلواروں سے یوں ٹکرائیں کہ ان سے شعلے نکلنے لگے۔ حسام خان ہر طرف بھاگا پھر رہا تھا وہ اپنے بادشاہ کے اقبال اور اقتدار کو بچانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا اس کے سپاہی بادشاہ کے اجرت یافتہ تھے دوسری طرف بہلول اپنے افغان بھائیوں کے حوصلے ابھار رہا تھا۔ بہلول اپنا اور اپنی قوم کا اقتدار چاہتا تھا۔ اور اس کے افغان بھائی اپنی قوم کو حکومت دلانے کی خاطر جنگ کر رہے تھے معاوضہ یا بخشش ان کے دماغ میں دور دور تک نہیں تھا۔

حسام خان نے سوچا کہ جب تک افغانوں میں بہلول موجود ہے، ان کے حوصلے بلند رہیں گے، اس نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے بہلول کا کام تمام کر دیا جائے اس کے بعد ایک فیصلہ کن حملہ کر کے افغانوں کے عزائم خاک میں ملا دیئے جائیں۔

بہلول کا بھی یہی حال تھا وہ خوب جانتا تھا کہ اگر ان میں سے حسام خان کو قتل یا گرفتار کر لیا جائے تو سارا کھیل ختم ہو جائے گا۔ بہلول حسام خان پر کاری ضرب لگانے کی خاطر قلب سے باہر آگیا دوسری طرف سے حسام خان بھی بہلول کی طرف بڑھا۔ دونوں کی تلواریں ایک دوسرے کے سر پر چمک کر غائب ہو گئیں، بالکل کوندے کی طرح۔

حسام خان نے چیخ کر کہا: "بہلول! تو نے یہ اچھا نہیں کیا، تجھ کو بادشاہ کے خدمت گار کی طرح رہنا چاہیے تھا۔"

بہلول نے جواب دیا: "حسام خان! تو نے کون سے اچھے کام کیے ہیں۔ بادشاہ کو میرے اور میری قوم کے خلاف اکسانے والے تم ہو اور اب تم مجھ کو نصیحتیں کر رہے ہو

ہو۔ حسام خان! میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ میں افغان ہوں جو اپنے دشمنوں سے بدلے لے کر رہتا ہے، میں بھی تجھ سے انتقام لوں گا، مزے دار انتقام جو احاطہ خیال میں نہیں آسکتا۔"

اس کے بعد دونوں آپس میں برسرِ پیکار ہو گئے، آخر کافی دیر بعد بہلول حسام خان کو زخمی کر دینے میں کامیاب ہو گیا، حسام خان کی چیخ نکل گئی، اور وہ بھاگ نکلا، بہلول نے اس کا پیچھا کیا، لیکن وہ ہاتھ نہیں لگا۔ حسام خان کے جاتے ہی فوج بد دل ہو گئی اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی، بہلول اور اس کے افغان بھائیوں نے اُن کا دور تک پیچھا کیا۔ قطب خان اور فیروز خان بے حد خوش تھے اور عام افغانوں نے تو یہ تاثر لیا تھا کہ انھوں نے دہلی کے بادشاہ کو فیصلہ کن شکست دے دی ہے اور اب کسی بھی دن بہلول دہلی کا بادشاہ ہو جائے گا اور قوم افغان بڑے بڑے سرکاری عہدوں اور منصبوں پر فائز ہو جائے گی۔

اس دن بہلول ذرا سی دیر کے لئے بھی نہیں سستایا، اس کا جسمانی محنت کا کام ختم ہو چکا تھا، اب دماغی محنت ہو رہی تھی وہ ایک خیمے میں گھس کر چپ چاپ بیٹھ گیا، فیروز خان اور قطب خان اس کو تلاش کرتے پھر رہے تھے، کسی افغان نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ اس خیمے میں بہلول سو رہا ہوگا کیونکہ اس کو اندر جاتے تو دیکھا گیا تھا مگر نکلتے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔

قطب خان اور فیروز خان جب خیمے میں داخل ہوئے تو انہوں نے مزے دار منظر دیکھا، بہلول ایک چارپائی کے سہارے گردن جھکائے بیٹھا تھا، فیروز خان نے اس کا شانہ پکڑ کر ہلا دیا: "ملک بہلول! تو یہاں بیٹھا کیا کر رہا ہے، ہم لوگ تو تجھے معلوم نہیں کہاں کہاں تلاش کر آئے۔"

بہلول نے جواب دیا: "میں بہت تھک چکا ہوں، اک ذرا دم لینے دیں اللہ نے چاہا تو میں حسام خان کی اس شکست کو آخری شکست میں بدل دوں گا اور شاید اب وہ میرے مقابلے پر کبھی بھی نہ آسکے۔"

قطب خان نے پوچھا: "وہ کس طرح؟"

بہلول نے جواب دیا: "اک ذرا مجھ کو ہمت کرنا ہو گی۔"

فیروز خان بہلول کے پاس جا کر کھڑا ہوا، بولا: "کچھ مجھے بھی تو بتا آخر وہ کون سی ترکیب ہے جس سے تو حسام خان کی شکست کو اس کی زندگی کی آخری شکست بنا دے گا؟"

بہلول نے کہا: "قطب خان! اب تو مجھ کو ایک بات صاف صاف بتلا دے۔"

قطب خان نے جواب دیا: "تو مجھ سے جو چاہے پوچھ، میں تیری ہر بات کا سچا اُجلا جواب دوں گا۔"

بہلول نے کہا: "بھائی قطب خان! تُو تو بادشاہ کے قریب رہ چکا ہے، اس کی عادات اور اطوار کے بارے میں کچھ بتا۔"

قطب خان نے جواب دیا: "محمد شاہ حماقت کی حد تک سادہ لوح اور کمزور شخص ہے۔"

بہلول نے پوچھا: "وہ عقلی اعتبار سے کیسا شخص ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا: "بہت معمولی، اتنا معمولی کہ چھوٹے چھوٹے درباری تک بعض اوقات بادشاہ کو سنا دیتے ہیں اور بادشاہ ہنسی ہنسی میں سب کچھ برداشت کر جاتا ہے۔"

بہلول نے پوچھا: "بھائی قطب خان! اگر میں تجھ کو بادشاہ کے پاس روانہ کروں تو کیا تو چلا جائے گا؟"

قطب خان نے جواب دیا: "بہلول! میں تیری خاطر تیرے حکم پر جہنم تک جا سکتا ہوں، بادشاہ کیا چیز ہے؟"

بہلول نے کہا: "بس تو تیاری کر لے، کیونکہ معاملہ گرم گرم ہے جلد ہی بن جائے گا۔"

کئی دن تک فتح کا جشن منایا جاتا رہا، بہلول افغانوں کا سب سے لائق آدمی ثابت ہو چکا تھا، بہلول کے حاسد اور مخالف افغان بھی اس کی بہادری، تدبر اور لیاقت کے قائل ہو چکے تھے، بہلول ان سے اب بھی یہی کہہ رہا تھا کہ اگر افغان بھائی متحد ہو کر میرا ساتھ دیتے رہے تو اس ملک کی حکومت اُن کے قدموں میں ڈال دوں گا۔

اس کے برعکس دہلی میں کہرام برپا تھا، بادشاہ محمد شاہ، بہلول کی فتح اور حسام خان کی شکست سے دل برداشتہ تھا، وہ حسام خان سے بہت ناراض تھا، اور حسام خود، بادشاہ کو یہ باور کرانے کی کوشش میں تھا کہ اس شکست سے کچھ نہیں ہوتا، دوسری بار کی لشکر کشی سے میں بہلول اور افغانوں کا زور بالکل توڑ دوں گا۔

حسام خان بادشاہ کی مایوسی نہیں دور کر سکا۔ اب بادشاہ بہلول کو سیاست اور چالبازی سے مات دینے کی فکر میں تھا، اس کے دربار میں اب بھی چند افغان امراء موجود تھے وہ انہیں استعمال کرنا چاہتا تھا اس نے چند افغان امراء سے کہا "مجھے افسوس ہے کہ افغانوں کے خلاف لشکر کشی کی گئی اور میں نے بہلول کو خواہ مخواہ ناراض کر دیا۔"

ایک افغان امیر نے دبے لفظوں میں کہا: "حضور والا۔ اگر افغان دشمنی برقرار رہی تو اندیشہ ہے کہ تمام افغان دہلی چھوڑ کر اپنے وطن واپس چلے جائیں۔"

بادشاہ نے کہا۔ "لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں افغانوں کے اعتماد کو بہر حال برقرار رکھوں گا۔"

ایک دوسرے امیر نے کہا: "حضور والا! بہلول نے قطب خان کو آپ کے پاس کسی خاص پیغام کے ساتھ بھیجا ہے، اگر اجازت ہو تو حضور کے روبرو پیش کر دیا جائے۔"

بادشاہ نے بڑی بے چینی سے پوچھا: "قطب خان کہاں ہے، اس کو مجھ سے ملایا کیوں نہیں گیا۔؟"

افغان امیر نے جواب دیا: "قطب خان یہ اطمینان چاہتا ہے، کہ اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔"

بادشاہ نے کچھ سوچتے ہوئے افغان امیر کو مشورہ دیا۔ "اچھا، تو اس وقت تک قطب خان کو دور رکھو۔ جب تک کہ میں حسام خان کو دہلی سے باہر نہ بھیج دوں۔"

بادشاہ نے اسی دن حسام خان کو طلب کر لیا اور نہایت نرمی اور انکساری سے کہا۔ "حسام خان! میں نے تیرے مشورے پر خوب غور کیا اور بالآخر اس کی افادیت اور اس کے دور رس اثرات کا قائل ہو گیا۔"

حسام خان نے حیرت سے پوچھا۔ "اس ناچیز نے حضور والا کو وہ کون سا مشورہ دیا تھا کہ میں خود بھول گیا اور حضور نے اس کو یاد رکھا۔؟"

بادشاہ نے جواب دیا۔ "یہ کہ ہمیں ابھی اس شکست سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ دوسرے بڑے اور فیصلہ کن معرکے کی تیاری کرنا چاہیے۔"

حسام خان کے چہرے پر لمحوں کے لئے مسکراہٹ آئی اور کافور ہو گئی،

بولا۔ "مشورہ اگر خلوصِ قلب اور نیک نیتی سے دیا جائے تو دل پر ضرور اثر کرتا ہے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تو کل ہی دہلی کے مضافات سے آدمیوں کو اکٹھا کرنا شروع کر۔ میں اس وقت ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس مہم کو جاری رکھوں گا۔"

حسام خان نے حیرت سے پوچھا۔ "کل ہی سے؟ کیا میں کل ہی دہلی کے مضافات سے آدمیوں کو اکٹھا کرنا شروع کر دوں۔؟"

بادشاہ نے جواب دیا۔ "ہاں کل ہی سے، مگر تجھ کو حیرت کیوں ہو رہی ہے۔؟"

حسام خان نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے ذرا بھی حیرت نہیں ہو رہی حسب الحکم میں کل ہی سے اپنا کام شروع کر دوں گا۔"

حسام خان بادشاہ کے پاس سے چلا آیا، مگر وہ چوکنا ہو گیا تھا۔ وہ بادشاہ کی غیر ضروری اور غیر فطری نرمی اور خوش اخلاقی سے ڈر گیا تھا اس نے بادشاہ کے مکالموں میں فریب کی بو محسوس کی۔ اس نے ایک شاہی پہرے دار کو رشوت میں دس اشرفیاں دے دیں اور اس سے پوچھا۔ "میں ان اشرفیوں کے عوض تجھ سے کوئی بڑا اور خطرناک کام نہیں لوں گا۔ میں تو بس یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مجھ سے پہلے بادشاہ سے کون ملا تھا۔؟"

شاہی پہرے دار پہلے تو گھبرایا مگر آخر کار دس اشرفیوں نے اس کو بے بس اور مجبور کر دیا۔ بولا۔ "جناب والا! میں جو کچھ آپ کو بتاؤں گا، آپ اس کو راز ہی میں رکھیں گے۔"

حسام خان نے پانچ اشرفیاں اور نذر کر دیں، پہرے دار تو خوشی سے پاگل ہو گیا۔ بولا۔ "جناب! آج صبح ہی سے افغان امراء بادشاہ کی خلوتوں میں آ جا رہے ہیں۔"

حسام خان کو دہلی گیا اور اس نے فوراً ہی یہ فیصلہ کر لیا کہ دوسرے دن اس کو دہلی بالکل نہیں چھوڑنا۔

بادشاہ کے ہرکاروں نے حسام خان کو تنگ کر دیا وہ بار بار بادشاہ کا ایک ہی پیغام لے کر آ رہے تھے۔ "بادشاہ سلامت تساہل نہیں پسند کرتے آپ کو جو کام سونپا گیا ہے اس کو فی الفور انجام دیجئے۔"

حسام خان نے جملہ ہرکاروں کو ایک ہی جواب دیا۔ "میں نے بادشاہ کے کام کے لئے اپنے آدمی دہلی کے مضافات میں بھیج دیئے ہیں اور اللہ نے چاہا تو بہت جلد ایک لشکرِ جرار فراہم ہو جائے گا۔"

بادشاہ نے حسام خان کو ایک سخت حکم روانہ کیا۔ "حسام خان! تیری اتنی ہمت کہ شاہی حکم کو پس پشت ڈال کر اپنی مرضی استعمال کرے۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو دہلی کے مضافات میں بہ نفسِ نفیس جا اور فوج کے لئے آدمی اکٹھا کر۔"

حسام خان کو بھی غصہ آ گیا، اس نے بادشاہ کو مطلع کیا۔ "حضورِ والا کا فرمان سر آنکھوں پر، بندہ ابھی اسی وقت روانہ ہوا جاتا ہے لیکن جاتے جاتے میں ایک گزارش کروں گا اگر حضور مجھ سے کبیدہ خاطر ہیں تو یہ خاکسار کبیدہ خاطری کا سبب جاننا چاہے گا، میں اپنے اس شبہ کو زیادہ دن تک راز میں نہیں رکھ سکتا کہ ان دنوں حضور کی صحبت میں جو لوگ رہتے ہیں وہ کچھ بھی ہوں لیکن میرے دوست ہرگز نہیں۔ میں اپنے بارے میں بہت فکرمند اور خوفزدہ ہوں حضورِ والا اختیارِ کُل ہیں، ہماری زندگیاں آپ کے چشم و ابرو کی ہلکی سی جنبش پر قربان بھی ہو سکتی ہیں اور برقرار بھی رہ سکتی ہیں۔"

بادشاہ نے حسام خان کے پاس ایک دستہ بھیج دیا اور اس کو حکم دیا کہ حسام خان جس حال میں بھی ہو گرفتار کر کے میرے پاس لے آیا جائے۔ لیکن اس دستے کو حسام خان نہیں ملا۔ وہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی روپوش ہو چکا تھا لیکن گھر والوں نے یہی بتایا کہ حسام خان نئی اور بڑی فوج کے لئے آدمیوں کا بندوبست کرنے دہلی کے مضافات میں جا چکا ہے۔

بادشاہ نے اپنے ہرکارے سے پوچھا۔ "سچ سچ بتا، کیا حسام خان واقعی دہلی سے باہر چلا گیا ہے۔؟"

ہرکارے نے جواب دیا۔ "حضورِ والا! محسوس تو یہی ہوتا ہے۔"

بادشاہ کو شاید اب بھی یقین نہیں تھا کہ حسام خان دہلی میں موجود نہیں ہے۔ وہ بڑی دیر تک اسی ادھیڑ بن میں رہا کہ وہ حسام خان کے بارے میں کیا قدم اٹھائے؟ قطب خان کو بلوائے یا نہ بلوائے؟ وہ ایک طرف تو حسام خان اور اس کی شرارتوں سے خوفزدہ تھا اور دوسری طرف بہلول کی سراٹھاتی طاقت پریشان

کر رہی تھی۔

گھنٹوں کے سوچ بچار کے بعد بادشاہ نے افغان امراء کو اجازت دے دی کہ وہ قطب خان کو بادشاہ کے پاس لے آئیں۔

بادشاہ نے قطب خان کے آنے سے پہلے خوش گلو گانے والیوں اور با کمال ناچنے والیوں کو بلوا لیا۔ شراب کے مٹکے اور دوسرے آلاتِ مے کشی بھی وہیں فراہم کر دیئے گئے۔ بادشاہ نے قطب خان کا انتظار کئے بغیر ہی مے نوشی شروع کر دی اور مغنیاؤں اور رقاصاؤں کو حکم دیا کہ "رقص و سرود سے بادشاہ کا دل بہلایا جائے۔"

نازک اندام، خوبصورت اور پری پیکر لڑکیوں اور عورتوں نے جب رقص و موسیقی کا مظاہرہ شروع کیا تو بادشاہ اپنے آپے ہی میں نہیں رہا۔ اس نے چلا چلا کر حکم دیا۔ "کہاں ہے قطب خان؟ اس کو ابھی تک حاضر کیوں نہیں کیا گیا؟ میں حسام خان سے بالکل نہیں ڈرتا قطب خان کو فوراً حاضر کیا جائے۔؟"

خدمت گار اور محافظ ادھر ادھر بھاگنے دوڑنے لگے۔ افغان امراء کو مطلع کیا گیا کہ وہ قطب خان کو پیش کر دیں۔

قطب خان دہلی کے باہر ایک معروف افغان کا دو دن مہمان رہا۔ اور جب اس کو بادشاہ کی طرف سے اذنِ باریابی موصول ہوا تو وہ کسی نامعلوم خوف سے کانپ گیا، وہ بادشاہ سے زیادہ حسام خان کی شرارتوں سے خوفزدہ تھا۔ اس نے افغان امراء سے کہا۔ "افغان بھائیو! میں بادشاہ کے پاس جا تو رہا ہوں لیکن تم سب کو میری زندگی کا ضامن بننا چاہیئے اگر بادشاہ کی نیت خراب ہوا اور وہ مجھ کو قتل کرا دینا چاہے تو اس وقت تم سب کا یہ فرض ہو گا، کہ بادشاہ کو اس کے بُرے ارادے سے باز رکھو اور میری جان بچاؤ۔"

ایک افغان امیر نے جواب دیا۔ "قطب خان! ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے بادشاہ ملک بہلول سے خوفزدہ ہے اور خوب جانتا ہے کہ اگر تیرے ساتھ ناانصافی یا ذلیل سلوک ہوا تو بادشاہ ایک طرف تو اپنے افغان امراء کا اعتماد کھو دے گا اور دوسری طرف ملک بہلول کے انتقامی حملوں کا نشانہ بن جائے گا۔ کیا بادشاہ میں اتنی ہمت ہے کہ وہ ان بدترین خطرات کو مول لے؟"

قطب خان کو کچھ کچھ اطمینان ہوا اور وہ افغان امراء کی معیت میں شاہی محل کے سامنے پہنچ گیا۔ محل کے صدر دروازے کے دونوں طرف برجیوں میں شہنائی

نواز شہنائی بجا رہے تھے۔ دروازے کے آس پاس پہرے دار تلواریں نیام سے باہر کئے ہوئے ٹہل رہے تھے۔ افغان امراء جب ان پہرے داروں کے پاس پہنچے تو ان کے افسر نے پوچھا۔ "تم میں قطب خان کون ہے؟ اس کو ہمارے پاس بلاؤ۔"

قطب خان سینہ تانے ہوئے پہرے داروں کے سردار کے پاس جا کھڑا ہوا۔

پہرے دار افسر نے قطب خان کو بہت غور سے دیکھا اور پوچھا۔ "حاکم سرہند اسلام خان کا بیٹا قطب خان تو ہی ہے۔؟"

قطب خان تیز لہجے میں بولا۔ "کیا تجھے شبہ ہے۔؟"

پہرے داروں کے سردار نے کہا۔ "نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں پھر بھی ہمیں اطمینان تو کرنا ہی پڑتا ہے۔" اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ "اس کی تلاشی لے کر اندر پہنچا دیا جائے۔"

قطب خان کی تلوار اور خنجر اس سے لے لئے گئے۔ اب وہ بالکل نہتا ہو چکا تھا اس نے شاکی نظروں سے اپنے افغان بھائیوں کی طرف دیکھا۔ ایک افغان امیر نے تسلی دی۔ "قطب خان! پریشان مت ہو، یہاں کا یہی دستور ہے کہ اگر کوئی محل سرا میں جانا چاہے تو اس کے ہتھیار دروازے ہی پر رکھوا لئے جاتے ہیں۔"

قطب خان نے افغان امراء کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو۔ "بھائیو! کیا یہ افغان امیر سچ کہہ رہا ہے۔؟"

ایک دوسرے افغان امیر نے کہا۔ "قطب خان مرد بن، ہم جو تیرے ساتھ ہیں۔"

پہرے داروں نے قطب خان کو اپنے نرغے میں لے لیا اور اس کو محل سرا میں لے جانے لگے۔ قطب خان نے افغان امراء کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا یہ لوگ اندر نہیں جائیں گے۔؟"

پہرے داروں کے سردار نے جواب دیا۔ "نہیں۔"

اس پر افغان امراء بگڑ گئے۔ ایک نے کہا۔ "لیکن ہمیں تو بادشاہ سلامت نے اس لیے طلب کیا تھا کہ قطب خان اور بادشاہ کی بات چیت کے دوران اس کی مدد کے لئے پاس ہی موجود رہیں۔"

پہرے دار سردار نے بے مروتی سے کہا۔ "ممکن ہے آپ لوگوں سے یہی

کہا گیا ہو لیکن ہمیں یہی حکم ملا ہے کہ بادشاہ کے حضور قطب خان کو تنہا پیش کیا جائے۔"

اب قطب خان اندر تھا اور افغان امرا باہر، قطب خان اور افغان امراء کو بیک وقت یہ شبہ گزرا کہ شاید ان کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے۔ قطب خان نے باہر نکلنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ شاہی محل کے پہرے داروں نے اس کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس پہنچا دیا۔ اس وقت بادشاہ ترنگ میں تھا۔ حسن و شباب کے شہپارے اس کے زانوؤں پر بیٹھے اپنی مسکراہٹوں اور دست درازیوں سے بادشاہ کو شراب کے نشے سے زیادہ بدمست کیے دے رہے تھے۔ اس نے اس عالم میں جب یہ سنا کہ "قطب خان اذن باریابی کا طالب ہے!"

تو اس کو بہت گراں گزرا۔ اس نے نشے میں بہکی بہکی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کرخت لہجے میں پوچھا۔ "لوگو! یہ کیسی بدمذاقی ہے کہ اس کیف آور وقت میں قطب خان کو بلا لائے۔"

ایک خدمت گار اور محافظ خاتون نے عرض کیا۔ "حضور والا! گستاخی معاف قطب خان کو آپ ہی نے طلب فرمایا تھا۔ ورنہ وہ کیوں پیش کیا جاتا۔"

بادشاہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ "اس نے تو میرا مزہ کرکرا کر دیا۔ قطب خان کو پیش کیا جائے!"

دو طاقتور اور گرانڈیل خاتون پہرے داریوں نے قطب خان کو بازوؤں سے پکڑ لیا اور اس عالم میں تقریباً کھینچتی ہوئی بادشاہ کے پاس تک لے چلی گئیں بادشاہ پھر بہک گیا۔ وہ آنکھیں مل مل کر قطب خان کی طرف دیکھنے کی کوشش کرتا رہا پھر پوچھا۔ "تو کون ہے؟ یہاں کیوں آیا؟"

قطب خان نے عرض کیا۔ "حضور والا! آپ مجھ کو پہچان نہیں سکے۔ میں حاکم سرہند اسلام خان مرحوم کا بیٹا قطب خان ہوں اور اپنے بھائی "ملک بہلول" کا ایک خاص پیغام لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں!"

"ملک بہلول کا بھائی"، اسلام خان کا بیٹا!! تو تو بس ایک ہی نظر آ رہا ہے مجھے! دوسرا کہاں ہے؟"

قطب خان نے عرض کیا۔ "میری درخواست ہے کہ حضور میری ملاقات کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھیں، اس وقت میں وہ بات نہیں کروں گا جس کے لئے

میں بطورِ خاص بھیجا گیا ہوں!"

بادشاہ نے کہا۔ "دیکھ بھائی! ملک بہلول سے کہہ دے وہ مجھ پر ظلم نہ کرے، اب میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اس سے کہہ کہ اگر لڑکیاں درکار ہیں تو میں ہزاروں کی تعداد میں پیش کر سکتا ہوں۔ اگر حکومت کے لئے ملک درکار ہے تو اس سلسلے میں بھی میری خدمات حاضر ہیں۔ میں ملک بہلول کے ساتھ بنگال فتح کر کے اس کے حوالے کر دوں گا۔ اس طرح وہ حکومت کرنے کی خواہش پوری کرے گا۔"

قطب خان نے عرض کیا۔ "حضورِ والا! میرے بھائی ملک بہلول کو حکومت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس نے شاہی افواج سے مقابلہ بدرجۂ مجبوری کیا۔ وہ اس حرکت پر اتنا نادم اور شرمسار ہے کہ اس کی بھوک پیاس اڑ گئی۔"

بادشاہ زور زور سے ہنسنے لگا۔ اس کی حلق سے آواز اس طرح نکلنے لگی، جس طرح کسی برتن سے انڈیلے جانے والے پانی کی آواز آتی ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ "یقیناً ملک بہلول کو میرا جلال پریشان کر رہا ہوگا۔ قطب خان! میں اس کو معاف نہیں کر سکتا۔ میں اس کو اس کے کیے کی سزا دوں گا۔"

قطب خان نے ہاں میں ہاں ملائی۔ "میں خود بھی حضور کے پاس یہی کہنے آیا ہوں کہ ملک بہلول میرا بھائی ہی سہی، مگر اس کو اس کی گستاخیوں اور چیرہ دستیوں کی سزا ضرور ملنا چاہیئے۔"

بادشاہ نے نشے میں ادھ کھلی آنکھوں سے جھک کر قطب خان کو دیکھا، بولا۔ "تو زیادہ سمجھ دار معلوم ہوتا ہے تو آدمی سچا اور کھرا معلوم ہوتا ہے۔ کیا تیرا بھائی بہلول تجھ پر اعتماد کرتا ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "نہیں، وہ مجھ پر ذرا بھی اعتبار نہیں کرتا۔ اس نے مجھ سے جیسے ہی یہ کہا کہ میں اس کا ایک پیغام آپ تک پہنچا دوں میں فوراً تیار ہو گیا۔ کیونکہ اس طرح مجھ کو اس ماحول سے فرار ہو جانے کا موقع مل گیا تھا!"

بادشاہ نے کہا۔ "چالاک آدمی۔ اب تو میرا مہمان ہے۔ میں تجھ سے پھر کسی وقت بات کروں گا اس وقت تو میں بہت مصروف ہوں اور تو بھی تھکا تھکا نظر آتا ہے، تو آرام کر میں کام کروں گا۔" اس کے بعد فرمان جاری کر دیا۔ "قطب خان کو

شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا دیا جائے۔"

حکم کی دیر تھی کہ قطب خان کو شاہی مہمان خانے میں پہنچا دیا گیا۔ قطب خان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ بادشاہ اتنا بہادر کب سے ہو گیا۔ وہ ملک بہلول کا نام حقارت سے کیوں لے رہا تھا؟ اس نے یہ بھی سوچا کہ اگر یہاں کے حالات اور معاملات برعکس نکلے تو اس کو گلو خلاصی کس طرح ملے گی؟ وہ یہاں سے نکلے گا کس طرح؟ وہ معلوم نہیں کیا کیا سوچ رہا تھا، اس کی بھوک پیاس، نیند اور اطمینان سب کچھ چھن چکا تھا۔ بھائی بہلول نے اس کو کس مصیبت میں پھنسا دیا تھا؟

شاہی مہمان خانے میں نصف شب کے بعد قطب خان کو اس کے نگران نے مطلع کیا کہ وزیر الممالک حسام خان اس سے ملنا چاہتا ہے۔"

قطب خان سمجھا شاید اس کو بادشاہ نے بھیجا ہے، اس نے جواب دیا۔ "وزیر الممالک حسام خان کو مجھ سے ملنے کے لیے اجازت لینے کی کیا ضرورت؟"

کچھ دیر بعد حسام خان چوروں کی طرح اندر داخل ہوا۔ اس نے آتے ہی دروازے اندر سے بند کر لیے اور قطب خان کو سرگوشی میں مخاطب کیا۔ "قطب خان! تو یہاں کیا پیغام لے کر آیا ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "میں کوئی پیغام لے کر نہیں آیا۔ میں اپنے بھائی ملک بہلول سے ناراض ہو کر چلا آیا ہوں کیونکہ میں حقیقت پسند ہوں اور اس پر یقین رکھتا ہوں کہ ہم لوگ بادشاہ سے ٹکر لے کر کہیں کے بھی نہیں رہیں گے۔"

حسام خان کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہو گئی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی، بولا۔ "قطب خان! میرا خیال تھا اپنے بھائی ملک بہلول کی صحبت نے تجھے بھی خراب کر دیا ہے لیکن تو بلاشبہ اسلام خان کا فرزند ہے۔ اس کی طرح زیرک اور دانا۔"

قطب خان نے کہا۔ "گو کہ آپ کی شکست اور بہلول کی فتح سے بہلول اور افغانوں میں بڑی ہمت پیدا ہو گئی ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ عارضی فتح اور وقتی خوشی بالآخر ان کی بربادیوں پر ختم ہو جائے گی۔"

حسام خان قطب خان کی پشت تھپتھپانے لگا، بولا۔ "بیشک خدا نے تجھے

بڑی بصیرت دی ہے۔ بادشاہ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں دہلی کے مضافات سے فوجی جمع کروں اور اس لشکر جرار سے بہلول اور افغانوں کا زور ہمیشہ کے لیے توڑ دوں۔ مجھے اس وقت یہاں نہیں ہونا چاہیئے تھا اور بادشاہ کی اطلاع کے مطابق اس وقت میں دہلی کے مضافات میں سپاہیوں کی تلاش میں مشغول ہوں لیکن میں چوروں کی طرح تیرے پاس بیٹھا باتیں کر رہا ہوں۔ میری اس ملاقات کا ذکر بادشاہ سے ہرگز نہ کرنا۔"

قطب خان نے جواب دیا۔ "ذکر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں تو یہاں ملازمت کے لیئے آیا ہوں۔"

حسام خان نے کہا۔ "تقریباً ایک ہفتہ بعد میں تمہیں دہلی میں ہوں گا اور اس وقت میں تجھے کسی اچھے سے منصب پر فائز کر دوں گا۔"

قطب خان نے حسام خان کو ستانے کے لیے ایک شوشہ چھوڑا۔ "حسام خان! بہلول کی ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ وہ آدمی خود سر اور بلا کا خود اعتماد ہے۔ وہ کسی کو بھی اپنے برابر کا نہیں سمجھتا۔ بس اس کی اس بات سے تمہیں ہوشیار رہنا چاہیئے باقی کوئی خطرے کی بات نہیں۔"

حسام خان نے انگوٹھے اور درمیانی انگلی سے چٹکی بجائی اور خوش ہو کر کہا "میں اس کی کسی بات سے بھی نہیں ڈرتا۔ میں اس کو وہ سبق دوں گا کہ اگر اس کے بعد زندہ رہا تو زندگی بھر یاد رکھے گا۔"

حسام خان جس طرح آیا اسی طرح چلا گیا اور قطب خان کی نیند بالکل ہی اڑ گیا۔ یہاں کی تو فضا ہی کچھ اور تھی اور وہ کیا سمجھ کر آیا تھا۔

❋ ❋ ❋

قطب خان ابھی سو کر بھی نہیں اٹھا تھا کہ شاہی خدمت گار خاتون نے اس کو بیدار کر دیا اور بتایا کہ "بادشاہ تجھے فوراً ہی طلب کر رہا ہے۔"

قطب خان جس حال میں تھا۔ اسی میں افتاں و خیزاں بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا۔ اس وقت بادشاہ اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ اس نے اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر قطب خان کی پذیرائی کی اور کہا۔ "قطب خان! میں تجھے اپنا معتمد خاص بنا لوں گا، کیونکہ میں نے تجھ میں جو اوصاف دیکھے اور محسوس کیے ہیں کہیں اور

نہیں ملتے۔"

قطب خان سے کچھ اور باتیں ہوئیں اس کے بعد بادشاہ نے تالی بجا کر تخلیہ کا حکم دیا۔ کچھ دیر بعد بادشاہ اور قطب خان کے علاوہ تیسرا کوئی شخص نہیں نظر آیا۔ جب بادشاہ کو اچھی طرح یہ یقین ہو گیا کہ ان دونوں کے درمیان تیسرا کوئی شخص بھی وہاں موجود نہیں ہے تو بادشاہ نے قطب خان سے آہستہ سے پوچھا "قطب خان! میں نے کل تجھ سے جو باتیں کی تھیں ان پر سنجیدگی سے کچھ بھی نہ سوچنا، وہ ساری فضول باتیں کی تھیں۔ اصل باتیں تو آج اور اس وقت ہوں گی۔"

قطب خان نے عرض کیا۔ "حضور والا کیا فرما رہے ہیں، میں سمجھا نہیں۔ اگر بات کو صاف کر دیا جائے تو مجھ کو بات کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔"

بادشاہ نے ادھر ادھر شک کی نظروں سے دیکھ کر قطب خان سے پوچھا۔ "میرا فرزند ملک بہلول کیسا ہے؟"

قطب خان نے شک و شبہ سے جواب دیا۔ "اچھا ہے، حضور کو سلام کہلوایا ہے۔"

بادشاہ نے جواباً وعلیکم السلام کہا اور بے اختیار بہلول کو دعائیں دینے لگا۔ "قطب خان! میں تجھ سے سچ کہہ رہا ہوں کہ میں ملک بہلول سے بہت زیادہ متاثر ہوں۔ اگر بہلول جیسے لوگ میرے پاس آجائیں تو اس ملک میں قوم افغان کا کوئی جواب نہ ہوگا اور برادری اور اعلٰے منصب پر تم ہی لوگ نظر آؤ گے۔"

قطب خان نے عرض کیا۔ "بجا فرمایا حضور والا نے، لیکن اس سے پہلے اعتماد کی فضا پیدا کی جانی چاہیئے۔ میری قوم اس غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہے کہ بادشاہ ان کا دشمن ہے۔"

بادشاہ نے جواب دیا۔ "ملک قطب خان! تیری قوم اور بہلول کے ساتھ میری طرف سے جو کچھ بھی ہوا اس کا ذمہ دار حسام خان ہے۔ اسی نمک حرام نے مجھے تیری قوم اور بہلول کی نظر میں خوار کر دیا ہے لیکن اب میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

قطب خان چکر میں تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ بادشاہ کی باتیں کل کے مقابلے میں متضاد تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ معلوم نہیں کل کی باتیں درست تھیں یا آج کی بولا۔ "حضور والا! جیسا کہ میں نے ابھی ابھی عرض کیا تھا کہ قوم افغان اور آپ کے درمیان جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں پہلے انہیں دور ہونا چاہیئے اس کے بعد کچھ اور

سوچا جائے"۔

بادشاہ نے کہا: "دیکھ قطب خان! میری کل والی باتوں کو تو بھلا دے، وہ فضول باتیں تھیں لیکن آج ہم دونوں میں جو باتیں ہو رہی ہیں، یہ درست اور قابلِ اعتبار ہیں"۔ پھر کچھ دیر چپ رہ کر پوچھا: "اچھا ایک بات تو بتا، تیرا تیرے بھائی ملک بہلول پر کتنا اثر ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا: "بہلول میری بڑی عزت کرتا ہے اور یہاں تک کہ وہ کسی حد تک میری ناجائز اور غلط باتیں تک مان لیتا ہے"۔

بادشاہ نے کہا: "اگر یہ بات ہے تو میں تجھ سے ایک کام لوں گا"۔

قطب خان بادشاہ کی صورت دیکھنا چاہتا تھا لیکن اتنی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ آہستہ سے کہا: "حضورِ والا! ایک ہی کام پر کیا موقوف، آپ مجھ سے دس کام لے سکتے ہیں"۔

بادشاہ نے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ میں بہلول سے طاقت آزمائی بند کر کے مفاہمت کر لوں لیکن یہ ہو تو کس طرح؟"

قطب خان نے دبی زبان میں عرض کیا کہ "حضورِ والا! اس ناچیز کی سمجھ میں آپ کی باتیں بالکل نہیں آ رہی ہیں۔ ایک طرف تو آپ اپنے وزیر الممالک حسام خان کو دہلی کے مضافات میں اس لئے روانہ فرما دیتے ہیں کہ وہاں سے ایک لشکرِ جرار تیار کر کے افغانوں پر فیصلہ کن چڑھائی کر دی جائے اور ملک بہلول کی قوت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پارہ پارہ کر دی جائے"۔

بادشاہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا: "تجھ کو یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی کہ میں نے حسام خان کو دہلی کے مضافات میں فوج اکٹھا کرنے کے لئے بھیجا ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا: "حضور! اس سوال کو آخر میں کر لیجئے گا ابھی تو آپ میری قوم کو یہ یقین دلائیں کہ آپ ان کے دشمن نہیں ہیں"۔

بادشاہ نے کہا: "میں نے افغان امراء سے جیسے ہی یہ خبر سنی کہ تو ملک بہلول کا کوئی خاص پیغام لے کر میرے پاس آ رہا ہے میں نے حسام خان کو فوج اکٹھا کرنے کے بہانے دہلی کے باہر بھیج دیا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ حسام خان یہ نہیں چاہتا کہ میں تیری قوم اور بہلول کی طرف مفاہمت اور دوستی کا ہاتھ بڑھاؤں"۔

قطب خان کی سمجھ میں اب چند باتیں یقینی طور پر آگئیں تھیں رات

حسام خان جس انداز میں اس سے ملا تھا اور چہرہ جاننے کی کوشش کی تھی کہ وہ بہلول کا کیا پیغام لے کر آیا ہے یہ ساری باتیں زیادہ بادشاہ کو سچا قرار دے رہی تھیں۔ قطب خان نے عرض کیا: "میرا بھائی بہلول حسام خان سے نفرت کرتا ہے وہ اس کو نالائق اور نااہل سمجھتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ جب تک حسام خان کے پاس رہے گا، بہلول اور قوم افغان حضور پر اعتماد نہیں کر سکتی"۔

بادشاہ نے عاجزی سے کہا: "لیکن میں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میں بہلول اور اس کی قوم کا اعتماد بہرحال اور بہر قیمت حاصل کر کے رہوں گا"۔

قطب خان نے نہایت محتاط لہجے میں رک رک کر کہا: "میرا بھائی ملک بہلول اور میری قوم بادشاہ سے مفاہمت کے خواہش مند ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اپنی زندگیاں بادشاہ کی خدمت اور قربت میں گزار دیں، مگر جب وہ یہ سوچتے ہیں کہ ایسا ہونا تقریباً ناممکن ہے تو بہت مایوس اور افسردہ ہو جاتے ہیں"۔

بادشاہ کے چہرے پر بشاشت اور تازگی پیدا ہو گئی، مضطربانہ کہا: "اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے اگر تیرے بھائی بہلول اور تیری قوم کے لوگوں کی یہ خواہش ہے کہ میرے قریب رہیں اور میں ان سے کام لوں تو یہ ایسی مشکل اور ناممکن خواہش تو نہیں ہے، میں انہیں ہر وقت خوش آمدید کہنے کو تیار ہوں"۔

قطب خان نے رک رک کر عرض کیا: "لیکن میرے بھائی بہلول کا خیال ہے کہ جب تک حضور کے پاس حسام خان موجود ہے ایسا نہیں ہو سکتا"۔

بادشاہ نے فوراً تجویز پیش کی: "ملک بہلول اور تیری قوم کی دوستی حاصل کرنے کے لئے میں حسام خان کو وزیر الممالک کے منصب سے علیحدہ کر سکتا ہوں"۔

قطب خان نے پس و پیش سے کہا: "ملک بہلول اس سے زیادہ کچھ چاہتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ حسام خان وزیر الممالک رہے یا نہ رہے اس کے اثرات ضرور رہیں گے اور یہ اثرات کبھی بھی حضور اور ملک بہلول کے درمیان کشیدگی کا باعث بن جائیں گے"۔

بادشاہ نے ذرا تیز آواز میں کہا: "قطب خان! جب میں یہ کہتا ہوں کہ مجھے بہلول اور تیری قوم کی دوستی ہر شے سے بڑھ کر عزیز ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ میں اپنے اس مقصد کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہوں۔"

قطب خان نے عرض کیا "حضور والا! یہ میری خواہش نہیں ہے، میں تو اپنے بھائی بہلول کا قاصد ہوں۔ اس نے مجھ کو جو پیغام دیا ہے میں اس کو نہایت دیانت داری سے کم سے کم لفظوں میں سادگی کے ساتھ حضور کے گوش گزار کر دینا چاہتا ہوں۔"

بادشاہ نے بے چینی سے کہا۔ "قطب خان! تو بلا وجہ بات کو طول دے رہا ہے، جو کچھ کہنا چاہتا ہے فوراً کہہ دے، میرے صبر اور برداشت کا امتحان تو نہ لے۔"

قطب خان نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور عرض کیا: "ملک بہلول کہتا ہے کہ اگر حضور حسام خان کو قتل کر دیں اور اس کی جگہ حمید خان کو وزیر الملک بنا دیں۔ تو وہ حضور کے دربار سے وابستگی کو اپنی عزت افزائی سمجھے گا اور اس کے ساتھ میری قوم بھی یہیں چلی آئے گی۔"

بادشاہ سوچ میں پڑ گیا۔ قطب خان کن انکھیوں سے بادشاہ کے چہرے اور حرکات و سکنات سے یہ اندازہ لگانے لگا کہ اس کی بات کا کیا ردعمل ہوا۔

کچھ دیر بعد بادشاہ نے اپنا سر جھکا لیا اور آہستہ سے کہا: "قطب خان! جا اور ملک بہلول اور اپنی قوم کو یہ خوش خبری سنا دے کہ بادشاہ اس قیمت پر بھی ان کی دوستی خریدنے کو تیار ہے۔"

قطب خان نے سرد مہری سے عرض کیا: "ظلِ اللہ! آپ کو میرے بھائی ملک بہلول کی طبیعت کا علم نہیں ہے، اس نے مجھ سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں جب حضور کے پاس سے واپس جاؤں تو میری جھولی میں بادشاہ کا محض وعدہ پڑا ہوا نہ ہو۔ اس نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ قطب خان! اگر تیری جھولی میں مجھے حسام خان کا سر مل گیا تو میں یہ سمجھ لوں گا کہ میں بادشاہ کی صحبت اور قربت میں رہنے کا اہل قرار دے دیا گیا ہوں، ورنہ میں مایوس ہو جاؤں گا۔"

بادشاہ پھر چپ ہو گیا اور بڑی دیر تک سوچتا رہا، آخر بولا: "اچھا بقیہ باتیں کل ہوں گی۔ میں تجھ کو کل پھر طلب کر لوں گا اور امید ہے کہ کل میں اپنا وعدہ پورا کر دوں گا اور تیری جھولی میں وہ شے ڈال دی جائے گی جو تیرے ضدی بھائی

ملک بہلول کو درکار ہے۔"

قطب خان شاہی مہمان خانے میں پہنچا دیا گیا۔

دوسرے دن بادشاہ نے فجر کی نماز کے بعد ہی قطب خان کو طلب کر لیا۔ بادشاہ نے جس وسیع و عریض کمرے میں قطب خان کو بلایا تھا وہاں ابھی تک اندھیرا تھا اور چھت گیر جھاڑ فانوس کی روشنی میں رات کا سماں طاری تھا۔ بادشاہ کے سر میں پٹی بندھی ہوئی تھی اور اس کے بیٹھنے کے انداز سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ سر کے درد میں مبتلا ہے۔ دو خوبصورت کنیزیں اس کا سر دبا رہی تھیں اور دو پاؤں دبانے میں مشغول تھیں۔ چار دائیں بائیں کھڑی بادشاہ کے حکم کی منتظر تھیں۔ بادشاہ کراہ رہا تھا۔ قطب خان یہ سماں دیکھ کر ڈر گیا۔ اس نے سوچا کہیں بادشاہ اس سے برہم تو نہیں ہے۔

بادشاہ نے قطب خان کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ قطب خان اس کے اتنا قریب پہنچ گیا کہ دونوں کے درمیان بس پانچ چھ قدم کا بعد حائل تھا۔

بادشاہ نے تلخی سے کہا: "تو اتنی دور کیوں کھڑا ہو گیا، میرے قریب کیوں نہیں آتا؟"

قطب خان دو قدم چل کر بادشاہ کے اور قریب ہو گیا۔

بادشاہ نے کہا: "کچھ اور قریب۔"

قطب خان دو قدم اور بڑھ گیا۔ بادشاہ نے پھر کہا: "قطب خان! میری مسہری کے پاس تک آجا۔ آخر اتنی دور کیوں رکا جا رہا ہے؟"

قطب خان بادشاہ کی مسہری سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے کنیزوں کو حکم دیا کہ باہر چلی جائیں۔ اس کو تخلیہ درکار ہے۔

کنیزیں دوسری طرف چلی گئیں۔ بادشاہ نے کچھ دم لے کر کہنا شروع کیا: "قطب خان! رات میں بڑی دیر تک تیرے بھائی ملک بہلول کی شرطِ دوستی پر غور کرتا رہا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا فیصلہ کروں۔"

قطب خان نے عرض کیا: "ظلِ اللہ! گستاخی معاف۔ قطع کلامی پر معذرت خواہ ہوں۔ کیا میں یہ پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ آپ میرے بھائی بہلول کی کس شرطِ دوستی پر رات بھر غور فرماتے رہے؟"

بادشاہ نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا: "ارے قطب خان! یہ تجھے ہو کیا گیا

ہے؟ کیا تو نے کل مجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ ملک بہلول میرے وعدے کی جگہ تیری جھولی میں حسام خان کا سر دیکھنا چاہتا ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا: "بے شک میں نے یہ کہا تھا لیکن اس وقت مجھ سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ میرے بھائی ملک بہلول کی شرط پوری کر دی جائے گی اور یہ کہ آپ بہلول اور میری قوم کی دوستی ہر قیمت پر خریدنا چاہتے ہیں۔ اور جب ہماری ملے پا گئی تھی تو پھر حضور رات بھر کس مسئلے پر غور فرماتے رہے اور اس کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا اور حضور کے ذہن میں تردد پیدا ہو گیا؟"

بادشاہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا: "واقعی یہ مسئلہ تو کل ہی طے پا چکا۔ پھر میں نے تجھ کو آج کیوں بلایا تھا۔ تجھے آج کس سلسلے میں ملاقات کا وقت دیا گیا تھا؟"

قطب خان نے جواب دیا: "یہ بات تو حضور ہی کو معلوم ہونا چاہیے۔ میں حضور سے کل ہی پوچھ سکتا تھا کہ مجھے دوبارہ کیوں طلب کیا جا رہا ہے لیکن یہ سوچ کر چپ ہو رہا کہ بادشاہ سے سوال و جواب کرنا گستاخی میں داخل ہے۔"

بادشاہ ہنسنے لگا۔ "قطب خان! تو اپنے باپ اسلام خان جیسی باتیں کرتا ہے تو خیر اب مجھ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ تیرے بھائی ملک بہلول کی مطلوبہ اور مشروط شے کب تیری جھولی میں ڈال دی جائے۔ اور تو واپس جا کر اس شے کے عوض ملک بہلول اور اپنی قوم کو لے کر میرے پاس چلا آئے۔"

قطب خان نے عرض کیا: "جی بندہ پرور۔ اب میں ایفائے عہدہ کا منتظر ہوں۔"

بادشاہ نے پوچھا: "وزیر الممالک حسام خان کے منصب پر فائز کس کو کیا جائے گا؟"

قطب خان نے جواب دیا: "میرے بھائی بہلول نے اس سلسلے میں حمید خان کا نام لیا تھا۔"

بادشاہ نے تذبذب کے لہجے میں کہا: "ہاں حمید خان بھی اچھا آدمی ہے، زیرک و فہیم، دانا و بینا۔ وہ بُرا آدمی نہیں ہے۔" پھر پوچھا: "قطب خان! میں تجھ سے مشورہ لیتا ہوں۔ یہ بتا کہ حسام خان کو قتل کرنے کا جواز کیا پیش کیا جائے؟"

قطب خان نے جواب دیا: "یہ کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے اس کا جواز میں فراہم کر دوں گا۔"

بادشاہ نے بے چینی سے کہا: "تو بتا، دیر کیوں، فوراً بتا۔"

قطب خان نے پوچھا۔ "ان دنوں حسام خان ہے کہاں کیا اس کو بلوایا جا سکتا ہے؟"

بادشاہ نے جواب دیا: "وہ تو میں تجھ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ تیری آمد اور ملاقات میں حسام خان کو دور رکھنے کی غرض سے میں نے اس کو فوجوں کی فراہمی کے بہانے دہلی کے مضافات میں روانہ کر دیا تھا۔"

قطب خان نے پوچھا: "اگر بادشاہ کے ملازمین میں کوئی ایسا بھی ہو جو بادشاہ کا حکم نہ مانے اور حکم عدولی کرے تو حضور اس کو کیا سزا دیں گے؟"

بادشاہ نے جواب دیا: "وہ باغی اور غدار سمجھا جائے گا اور واجب القتل ٹھہرے گا۔"

قطب خان نے عرض کیا: "تو حضور حسام خان بھی باغی اور غدار ہے۔ اس نے بادشاہ کا حکم نہیں مانا ہے۔ اس نے حکم عدولی کی ہے۔"

بادشاہ نے پوچھا: "اس کا ثبوت؟"

قطب خان نے جواب دیا: "حسام خان اس وقت بھی دہلی میں ہے اور دہلی کے باہر ایک دن کے لیے بھی نہیں گیا۔ میں اس کا ناقابلِ تردید ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔"

بادشاہ نے کہا: "قطب خان! اگر تو سچا ہے تو گویا تو نے میری مشکل آسان کر دی۔ بخدا تو تو اس لائق ہے کہ حسام خان کی جگہ تجھ کو وزیر الممالک بنا دیا جائے۔"

قطب خان نے جواب دیا: "بندہ پرور! میں اپنے بھائی بہلول سے زیادہ لائق نہیں ہوں۔ اس کی موجودگی میں میں کیسے وزیر الممالک بن سکتا ہوں۔ اور پھر کسی مقتول کی قائم مقامی میں اپنے لیے ناپسند کرتا ہوں۔"

اس کے بعد قطب خان نے حسام خان کی شاہی مہمان خانے میں خفیہ آمد، ملاقات، باتیں اور دوسری تفاصیل بادشاہ کے گوش گزار کر دیں۔ بادشاہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس نے پیشانی پر بندھی ہوئی پٹی اتار کر پھینک دی اور خوش ہو کر کہا: "قطب خان! اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کل میں تجھ کو زحمت پھر دوں گا۔"

میں تجھ کو اور شاہی مہمان خانے کے نگراں کو یہیں کہیں چھپا دوں گا اور حسام خان کو بلوا کر باتیں شروع کر دوں گا۔ میں اس سے پوچھوں گا کہ اس نے اتنے دنوں تک کیا کیا۔ ظاہر ہے وہ غلط بیانی سے کام لے گا۔ جب وہ اپنی کہہ چکے گا تو میں تالی بجا کر تم دونوں کو طلب کر لوں گا۔ اس وقت حسام خان کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ وہ مکافاتِ عمل کا شکار ہو چکا ہے۔ اور میں اسی وقت اس کو قتل کرا دوں گا۔"

بادشاہ ترنگ میں تھا۔ اس نے قطب خان کی موجودگی کی پروا کئے بغیر کنیزوں کو طلب کر لیا اور حکم دیا کہ قطب خان کو رقص و سرود سے خوش کیا جائے کیونکہ اس وقت یہ سب سے زیادہ معزز مہمان ہے۔"

بادشاہ کے حکم پر شاہی دربار سے وابستہ نامور مغنیاؤں اور رقاصاؤں کو طلب کر لیا گیا۔ بادشاہ کا انگ انگ خوش تھا۔ اس نے قطب خان کو میر محفل بنا کے ایک مخصوص جگہ پر بٹھا دیا۔ وہ گاؤ تکیوں کے سہارے اس طرح بیٹھ گیا جس طرح کوئی خود مختار حکمران بیٹھ سکتا ہے۔ بادشاہ اپنی جگہ لیٹا رہا۔ رقص و سرود کا طائفہ قطب خان کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کرنے لگا۔ بادشاہ اس سے لاتعلق رہا۔ گویا اس کا اس محفل سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ قطب خان کو اپنی اور اپنی قوم کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ بادشاہ کی پروا کیے بغیر ناچ گانے سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اس نے رقص میں مشغول رقاصہ کو اپنے پاس آتے دیکھا تو اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی مگر ہر بار رقاصہ وحشی ہرنی کی طرح پھرتی سے پیچھے ہٹ کر خود کو بچا لیتی۔

بادشاہ کے ارد گرد موجود کنیزیں قطب خان کو رشک و حسد سے دیکھ رہی تھیں انھیں اندازہ ہو چکا تھا کہ جلد بدیر اس افغان نوجوان کو بادشاہ کی طرف سے کوئی بڑا منصب ملنے والا ہے۔

❊ ❊ ❊

خلوت کی بات جلوت میں پہنچ گئی اور قطب خان کا ذکر شاہی محل کے باہر بھی ہونے لگا۔ یہ خبریں اپنے گھر میں روپوش حسام خان کے کانوں تک بھی پہنچ گئیں۔ وہ فکر مند تو تھا ہی ان خبروں نے اس کو خوفزدہ اور پریشان بھی کر دیا۔ وہ اسی وقت بادشاہ کے پاس پہنچ جانا چاہتا تھا لیکن ڈرتا بھی تھا۔

شام کو جب کہ فضاؤں میں پرندے بسیرے کے لیے جھنڈوں کی شکل میں

محو پرواز تھے اور ان کے اڑنے کا انداز ان ملازمین جیسا تھا جو دن بھر اپنے فرائض منصبی انجام دے کر تھکے ہارے اپنے گھروں کو جا رہے ہوں یا ان طالب علموں کی طرح جنھیں دن بھر کی پڑھائی کے بعد چھٹی مل گئی۔ اور وہ اپنے اپنے گھر کا رخ کئے ہوں۔ حسام خان اندر سے نکل کر صحن میں آ گیا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے پرندوں پر رشک آ رہا تھا۔ جو کسی کے ملازم نہیں تھے۔ جو کسی کے حکم کے تابع نہیں تھے۔ اور جنھیں کسی بادشاہ کا خوف نہیں تھا کھلی فضاؤں میں مرضی کے مطابق محو پرواز رہنا کتنی خوش قسمتی کی بات تھی۔

اندھیرا گہرا ہونے لگا۔ مغرب کی اذان نے اس کو چونکا دیا۔ عصر کے وضو سے مغرب کی نماز ادا کی اور ایک بار پھر مغربی افق پر رنگ برنگی شفق کا نظارہ کرنے لگا۔ کہیں دور سے بسیرا لینے والی چڑیوں کی چہچہاہٹ کا شور سنائی دے رہا تھا۔ اس عالم میں حسام خان کے خدمت گار نے اس کو مطلع کیا کہ بادشاہ کے ہرکارے بادشاہ کا یہ پیغام لے کر آئے ہیں کہ اگر حسام خان واپس آ گیا ہے تو فوراً بادشاہ سے ملاقات کرے کیونکہ بادشاہ کو کسی اہم معاملے میں اس سے مشورہ لینا ہے۔

ایک لمحے کے لئے اس کے جی میں آیا کہ جانے سے انکار کر دے اور شاہی ہرکاروں سے کہلوا دے کہ حسام خان ابھی واپس نہیں آیا لیکن پھر یہ سوچ کر ممکن ہے یہ معاملہ قطب خان ہی سے تعلق رکھتا ہو اور بادشاہ اس کو ٹھکانے لگانے کی فکر میں ہو۔ اس نے بادشاہ سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے خدمت گار سے کہہ دیا کہ "شاہی ہرکاروں سے کہہ دو میں واپس آ گیا ہوں اور اسی وقت بادشاہ کی زیارت کو حاضر ہوتا ہوں۔"

شاہی ہرکارے اس وقت تک حسام خان کے در پر موجود رہے جب تک کہ حسام خان دربار جانے کے لئے تیار نہیں ہو گیا۔ حسام خان درباری لباس پہن کر باہر نکلا۔ خدمت گار گھوڑا لئے پہلے ہی سے کھڑا تھا وہ گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی ہرکاروں کے ساتھ بادشاہ کے پاس روانہ ہو گیا۔

شاہی محل کے ایک گوشے میں بادشاہ نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ ایسا پرجوش اور پرتپاک کہ اس سے پہلے کبھی بھی نہیں کیا گیا تھا۔

بادشاہ نے آگے بڑھ کر حسام خان کو گلے سے لگا لیا۔ بولا: "بخدا حسام خان! تیری عدم موجودگی میں، میں خود کو تنہا تنہا محسوس کر رہا تھا اور کئی بار میرے جی میں آیا کہ تجھ کو واپس بلواؤں لیکن وہ کام بھی ضروری تھا بس اس لئے برداشت سے کام لیتا رہا۔"

حسام خان نے پوچھا: "حضور کو میری یاد اتنی شدت سے کیوں آتی رہی اس کی کوئی خاص وجہ؟"

بادشاہ نے جواب دیا: "ہاں اس کی ایک خاص وجہ تھی۔ تجھ کو شاید معلوم نہیں کہ ان دنوں باغی بہلول کا بھائی قطب خان اپنے بھائی کی سفارت پر آیا ہوا ہے۔ بہلول نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ سرہند کی حدود حکومت پانی پت سے لاہور کی سرحدوں تک تسلیم کی جائے۔ اگر بادشاہ نے اس کی یہ بات نہ مانی تو جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔ میدان جنگ میں آخر کار اس کا فیصلہ ہو جائے گا کہ بہلول اپنے مطالبے میں حق بجانب ہے یا جھوٹا۔"

حسام خان نے پوچھا: "تو حضور نے اس کا کیا جواب دیا؟"

بادشاہ نے جواب دیا: "قطب خان کو جواب میں نہیں، ٹُھ دے گا۔ میں تو تیری کوششوں کے نتیجے کے انتظار میں تھا۔ میں نے قطب خان پر ضرورت سے زیادہ نوازشیں کر دیں اور اس کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا۔ اور شاندار ضیافتیں دیں تاکہ وہ خوش رہے یہاں تیرے آنے تک رکا رہے۔"

حسام خان نے خوش ہو کر کہا: "تو اب میں آ چکا ہوں۔ حضور کیا فرماتے ہیں؟"

بادشاہ نے کہا: "اب تو مجھ کو یہ بتا کہ تجھ کو اپنے مقصد میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے؟"

حسام خان نے جواب دیا: "میں نے دہلی کے مضافات میں قدر تعداد تک آدمی چھوڑ رکھے ہیں اور خود بھی خاصے فوجی جمع کر چکا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو بہلول کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا جائے گا۔"

بادشاہ نے خوشی کا اظہار کیا، بولا: "حسام خان! مجھ کو تجھ سے یہی امید تھی اب تو یہ بتا کہ ہم بہلول پر کب تک لشکر کشی کر سکیں گے؟"

حسام خان نے جواب دیا: "بس دو تین ماہ بعد۔"

بادشاہ نے منہ بنا کر کہا۔ "دو تین ماہ زیادہ ہیں۔"

حسام خان نے عرض کیا: "وہ تو میں نے اندازے سے مدت بتائی ہے ورنہ شاید ماہ ڈیڑھ ماہ میں ہی ہم اس لائق ہو جائیں کہ بہلول اور افغان قوم کو کچل کر رکھ دیں گے۔"

بادشاہ نے پھر منہ بنایا، کہا: "ماہ ڈیڑھ ماہ بھی زیادہ ہے۔"

حسام خان نے اور اصلاح کی: "اگر حضور کو اتنی ہی جلدی ہے تو میں پندرہ دن کے اندر اندر سرہند پر حملہ کرنے کے لائق ہو جاؤں گا۔"

بادشاہ نے منہ بنایا: "حسام خان! پندرہ دن بھی بہت ہیں۔"

حسام خان نے مجبوری ظاہر کی: "جہاں پناہ! پندرہ دن کی قلیل مدت میں کمی کرنا ناممکن ہے۔ اگر حضور یہ سمجھتے ہیں کہ دہلی میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو پندرہ دن سے کم کی مدت میں بھی کمی کر سکتا ہے تو حضور کو مشورہ دوں گا کہ اس سے کام لینے میں مضائقہ نہیں۔ میں یوں بھی بہت تھک چکا ہوں اور اب آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

بادشاہ زور زور سے ہنستے ہوئے بولا: "تو نے سچی بات کہہ دی۔ میں بہت خوش ہوں۔ اب تو آرام کرنا چاہتا ہے کیونکہ بہت تھک چکا ہے۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ تو بہت تھک چکا ہے اب تجھ کو واقعی آرام کرنا چاہئے ایسا آرام کہ اس کے بعد کوئی تیرے آرام میں مخل نہ ہو سکے میں نے تیری جگہ حمید خان کا انتخاب کر لیا ہے۔"

حسام خان بہت زیادہ پریشان ہو گیا۔ بادشاہ کی باتوں سے چھل فریب اور مکر کی بو آ رہی تھی۔ ابھی وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچا تھا کہ بادشاہ نے تالی بجائی۔ تالی کی آواز پر ایک ملحقہ کمرے کا پردہ اٹھا اور پردے کے پیچھے سے تین آدمی بیک وقت نمودار ہوئے۔ حمید خان، قطب خان اور شاہی مہمان سرا کا نگران حسام خان تینوں کو ایک ساتھ نمودار ہوتے دیکھ کر ساری بات سمجھ گیا۔ التجا کرتے ہوئے کہا: "جہاں پناہ! مجھے معاف کر دیجئے میں شرمندہ ہوں۔"

بادشاہ نے پوچھا: "حسام خان! تو کس بات پر شرمندہ ہے مجھے تو بتا۔"

حمید خان جھک کر کورنش بجا لایا۔ بادشاہ نے کہا: "میرے پاس آ جا حمید خان! حسام خان کی سفارش پر آج سے تو وزیر الممالک ہے سلطنت دہلی کا حسام خان کے

پاس جاکر اس کا شکریہ ادا کر، کیونکہ اب تو جو کچھ ہے تم اس میں بنیادی آدمی حسام خان ہے۔"

حسام خان نے جواب دیا: "بادشاہ سلامت! میری بابت اگر کوئی فیصلہ کر لیا گیا ہے تو مجھے اس سے مطلع کیا جائے تاکہ میں اپنی اصلاح کر سکوں۔"

بادشاہ نے یک بیک گرم ہو کر کہا: "او جھوٹے، اب تو اپنے عہدے پر کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔ تو نے اپنا اعتبار کھو دیا۔ کیا تو قطب خان اور شاہی مہمان خانے کے نگران کو جھٹلا سکتا ہے؟"

حسام خان نے عرض کیا: "نہیں ہرگز نہیں جہاں پناہ!"

بادشاہ نے کہا: "کیا یہ غلط ہے کہ تو ایک دن کے لئے بھی دہلی سے باہر نہیں گیا اور تو نے جو کچھ بھی مجھ سے کہا ہے اس میں جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔"

حسام خان کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ بادشاہ نے حمید خان سے کہا۔
"حمید خان! آج سے تو وزیر المالک ہے اور یہ منصب تجھ کو ملک بہلول کی سفارش پر عطا کیا جا رہا ہے۔ اگر کبھی موقع ملے تو بہلول کا شکریہ ضرور ادا کر لینا۔"

حمید خان نے عرض کیا: "حضور والا کی ہدایتوں پر قطعی عمل کیا جائے گا۔"

حسام خان بادشاہ کے قدموں میں گر گیا، بولا: "بادشاہ سلامت رحم۔ مجھے معاف کر دیجئے۔"

بادشاہ نے جواب دیا: "ابھی ابھی میں نے تیری خواہش پر تجھے تیرے منصب سے سبکدوش کر دیا اور اب میں تیری دوسری خواہش بھی پوری کر دوں گا۔ یعنی یہ کہ تجھ کو آرام کرنے دیا جائے۔"

حسام خان اچانک تن کر کھڑا ہو گیا، بولا: "میں جانتا ہوں کہ یہ سب کس کی ایما پر اور کس کی خوشی پوری کرنے کے لئے کیا جا رہا ہے۔" اس کے بعد اس نے قطب خان کی طرف دیکھا: "تو یہ تو ہے، جو بادشاہ کو ایک مخلص، وفادار اور نمک خوار سے محروم کر رہا ہے۔" پھر بادشاہ سے کہا: "میں جانتا ہوں کہ آپ نے جو فیصلہ کر لیا ہے اس کو بدلا نہیں جا سکتا۔ لیکن میں بادشاہ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس نے اپنے ایک جان نثار، مخلص اور شریف النفس خادم کے عوض جن لوگوں کی دوستی حاصل کی ہے، وہ بالآخر سراب ثابت ہوگی۔ بادشاہ نے اپنی سلطنت قطب خان کے بھائی بہلول کو دے دی کیونکہ میں ہی وہ شخص ہوں جس کے بارے میں

بہلول تھی کی یہ رائے رہی ہے کہ جب تک حسام خان وزیر المالک ہے بادشاہ محمد شاہ اور اس کی حکومت برقرار ہے۔"

بادشاہ نے ایک بار پھر تالی بجائی۔ پردے کے پیچھے سے دو خونخوار برآمد ہوئے۔ بادشاہ نے انہیں اشارہ کیا۔ دونوں کی تلواریں ایک ساتھ بلند ہوئیں ایک کی تلوار حسام خان کی گردن کے پار ہو گئی اور دوسری تلوار دھڑ کاٹ گئی۔ دونوں کے وار اتنے یکساں اور ایک ساتھ ہوئے کہ سر اور دھڑ ایک ساتھ زمین پر گر گئے۔

ماحول ایک دم پر سکون ہو گیا۔ اس کے بعد بادشاہ حسام خان پر جھک گیا، بولا: "تو نے حکم عدولی کی میں نے اس کی سزا دے دی۔ حساب کتاب برابر ہو گیا۔"

اس کے بعد سر اٹھا کر قطب خان کے پاس لے گیا، بولا: "لے یہ تحفہ اپنے بھائی ملک بہلول کے لئے لیتا جا اور اس سے کہہ دے کہ میں نے اس کی شرط پوری کر دی اب وہ بھی سابقہ رنجشیں اور کدورتیں اپنے دل سے دور کر دے وہ اپنی قوم کے ساتھ میرے پاس آ جائے میں خوش آمدید کہوں گا۔"

قطب خان نے حسام خان کا سر بادشاہ کے ہاتھوں سے لیا اور عاجزی سے عرض کیا: "میں اپنے بھائی بہلول کی طرف سے بادشاہ کا شکر گزار ہوں کہ ہماری بات رکھ لی گئی۔ اب ملک بہلول میری قوم کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا میں اس کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔"

حسام خان کے قتل نے بادشاہ کی طبیعت میں تکدر پیدا کر دیا اس نے اسی وقت ہر ایک کو رخصت کر دیا اور خود کنیزوں میں چلا گیا اس کی طبیعت گرنے لگی اور وہ خود کو بیمار محسوس کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

قطب خان دربار کے افغان امراء سے رخصت ہو کر سرہند روانہ ہو گیا۔ اس کے سامان میں انتہائی قیمتی تحفے حسام خان کا سر بندھا ہوا تھا، جس کی وہ بڑی حفاظت کر رہا تھا۔ وہ اس پر بے حد خوش تھا کہ اپنے بھائی بہلول کے منصوبے پر نہایت ہوشیاری اور عقلمندی سے عمل کیا تھا۔

کئی دن بعد وہ سرہند میں داخل ہو گیا۔ یہ خبر آناً فاناً افغانوں میں مشہور ہو گئی کہ قطب خان دہلی دربار سے صحیح سلامت واپس آ گیا۔ بہلول اور وہ چچا

فیروز خان بے تابی سے قطب خان کے استقبال کو دوڑے۔ قطب خان اپنے تھکے ہارے اور بھوکے پیاسے گھوڑے کو چرنی پہ لے گیا اور اس کو پانی پلانے لگا۔ اس نے اپنے آس پاس لوگوں کے باتیں کرنے اور قدموں کی آہٹیں سنیں تو نظریں اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس نے اپنے سامنے ملک بہلول اور چچا فیروز خان کو آتے دیکھا تو احتراماً گھوڑے سے اتر گیا۔ بہلول نے اس کو اترنے سے روکنا چاہا لیکن وہ منع کرنے سے پہلے ہی اتر چکا تھا۔

قطب خان اپنی کامیابی پر اتنا خوش تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
بہلول آنسوؤں سے یہ سمجھا کہ قطب خان کسی مصیبت سے بچ نکلا ہے اور یہ اس غم اور خوشی میں آنسو بہا رہا ہے۔ اس نے اپنے بھائی سے کوئی سوال کیے بغیر سینے سے لگا لیا اور بھینچتے ہوئے کہا: "قطب خان! میرے لئے یہی کافی ہے کہ تو صحیح سلامت واپس آ گیا۔ میں تجھ کو اپنے سامنے دیکھ کر بڑی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔"

چچا فیروز خان نے بھی اس کو گلے لگایا۔ بولا: "قطب خان! کیا میرے سینے میں لگی ہوئی آگ یوں ہی بھڑکتی رہے گی؟ تو بے نیل و مرام کیوں واپس آیا؟"

بہلول نے چچا کو جھڑک دیا: "چچا ایسی باتیں نہ کریں۔ میں تو قطب خان کی زندہ واپسی سے ہی بے حد خوش ہوں۔"

قطب خان نے دونوں سے کہا: "بھائی بہلول اور چچا فیروز خان! آپ کو یہ شبہ کیوں ہے کہ میں ناکام آیا ہوں۔ میں اگر ناکام رہتا تو واپس ہی نہ آتا۔"

دونوں خوشی سے حیران رہ گئے۔ بہلول اور چچا فیروز خان نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ بہلول نے پوچھا: "قطب خان! کیا حسام خان مارا گیا؟ اس کا سر کہاں ہے؟"

چچا فیروز خان نے کہا: "اگر حسام خان کا سر تیرے پاس ہے تو وہ مجھے ملنا چاہیے۔ جلدی نکال، وہ کہاں ہے؟ تو تو بڑے کام کا آدمی نکلا۔"

قطب خان نے ایک پوٹلی کھولی اور اس میں سے حسام خان کا سر نکال کر چچا فیروز خان کے قدموں میں ڈال دیا۔ فیروز خان نے سر کو فوراً اٹھا لیا اور اس کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا کہ یہ سر واقعی حسام خان کا ہے کسی اور کا تو نہیں

حسام خان کی ادھ کھلی آنکھیں فیروز خان پر جمی ہوئی تھیں۔
فیروز خان نے سر کو روبرو کر کے کہا: "حسام خان! تو ہی وہ شخص تھا، جس کی ایما اور منصوبہ بندی سے ہم پر حملہ کیا گیا اور اس میں میرا بیٹا شاہین خان مارا گیا۔ آج شاہین خان کا بدلہ لیا جا چکا ہے۔ میں اس سر کو اپنے بیٹے شاہین خان کے سر کے مدفن پر رکھ کر کہوں گا کہ بیٹے! میں نے تیرا بدلہ لے لیا۔ اب تو خوش ہو جا۔"

بہلول نے چچا فیروز خان سے حسام خان کا سر لے لیا اور بولا: "حسام خان تو ہی وہ شخص تھا جو میری راہ میں حائل تھا لیکن اب میدان صاف ہو چکا ہے اور بادشاہ مجھ سے نہیں بچ سکے گا۔ تو اپنے انجام کو پہنچا، اس وقت میں بہت خوش ہوں۔"

افغان خواتین قطب خان کے دیدار کی خواہش میں دیواروں، اور چھتوں پر چڑھ گئیں اور اپنے روایتی سازوں پر روایتی دھنیں گانے لگیں۔

بہلول نے قطب خان سے جب پوری روداد سنی تو خوشی سے اچھل پڑا۔ آخر میں کہا: "بھائی قطب خان! تم نے جس طرح یہ کام کیا ہے میں مدت العمر اسی پر غور کر کے خوش ہوتا رہوں گا۔"

چچا فیروز خان نے کہا: "یہ کیا بدتمیزی ہے جو شور و غل مچا رکھا ہے۔ قطب خان تھکا ہارا آیا ہے اس کو گھر لے چلو، وہاں اچھی طرح آرام کر لینے کے بعد اس کی داستان سنتا جو یقیناً بڑی دلچسپ ہوگی۔"

بہلول اور چچا فیروز کے حکم پر قطب خان اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور یہ لوگ گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں جو جو ملتا گیا ان تینوں کے ساتھ ایک ہجوم ہو لیا۔ قطب خان کی بہن نے اپنے بھائی کو سینے سے لگا لیا اور پیشانی چومنے لگی۔

رات کو بہلول اس کا چچا فیروز خان اور چند دوسرے معزز افغانوں نے قطب خان کو اپنے درمیان بٹھایا اور اس سے درخواست کی کہ وہ اپنے سفر کی دلچسپ روداد سب کے سامنے بیان کرے۔

قطب خان کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا اس نے اپنی روداد بڑے

دل نشیں انداز میں سنانی شروع کر دی۔ بہلول، بادشاہ کی حماقت اور سادہ لوحی کی داستان بڑے غور سے سنتا رہا۔ آخر میں کہا۔ بادشاہ کا تخت و تاج میری وجہ سے سخت خطرے میں ہے۔ میں اسے حاصل کر کے ہی دم لوں گا۔ اس سے کم کسی چیز پر میں راضی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

چچا فیروز خان نے کہا: "اب میرے کلیجے میں ٹھنڈک پڑ گئی۔ اب دہلی چلو اور رہی سہی کسر بھی پوری کر دو۔ ہمیں خوشی ہے کہ بہلول جیسا مدبر اور عقل مند شخص ہم میں موجود ہے اور اسلام خان نے اس کو ہمارا امیر نامزد کر دیا تھا۔"

اس رات، پچھلے پہر تک کوئی نہیں سویا۔ وہاں عید جیسا سماں تھا۔

قطب خان نے اپنے حافظے کی مدد سے اپنی روداد کی جزئیات تک سنا دیں۔ جہاں جہاں قطب خان کو کامیابی ہوئی تھی اور قطب خان جب اس کامیابی کا ذکر کرتا تو محفل میں لوگ اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اپنے جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے۔

بہلول نے بادشاہ کے پاس جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے اپنی قوم میں سے فیروز خان اور قطب خان کے علاوہ پچیس افراد کا مزید انتخاب کیا۔

کسی افغان بوڑھے نے بہلول کو مشورہ دیا: بہلول! تو خود بھی بہادر اور دور اندیش ہے۔ میرے اپنے ذہن میں چند اندیشے ہیں۔ کیا میں ان کا اظہار کروں۔؟

بہلول نے جواب دیا: کوئی ہرج نہیں، مشورہ کبھی بے کار نہیں ہوتا۔ اس سے کبھی نہ کبھی فائدہ ضرور پہنچتا ہے۔"

عمر رسیدہ افغان نے کہا: "میں سردار سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بادشاہ پر بہت زیادہ اعتماد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

بہلول قہقہہ مار کر ہنس پڑا: "تم بہت زیادہ اعتماد کی بات کر رہے ہو جبکہ میں تھوڑے بہت اعتماد کا بھی قائل نہیں ہوں۔"

بوڑھے افغان نے مسکرا کر کہا: "سردار خود بھی بہت عقلمند ہے اس کو کوئی بھی بے وقوف نہیں بنا سکتا۔"

بادشاہ کو دہلی خبر بھیج دی گئی کہ بہلول اپنے ہم قوم بڑے آدمیوں کے ساتھ سرہند سے روانہ ہو چکا ہے۔

بادشاہ نے نئے وزیر المالک حمید خان کو بہلول کے استقبال کے لئے روانہ کر دیا۔ حمید خان خود بھی استقبال کے لئے جانا چاہتا تھا۔ بادشاہ بہلول

سے ملنے کے لئے بے چین تھا۔

جمعہ کا دن نماز ظہر کے بعد حمید خان مسجد سے باہر نکلا تو کسی نے اطلاع دی کہ بہلول دہلی میں داخل ہو چکا ہے۔ وہ بھاگا بھاگا اس راستے پر چل نکلا جو دہلی سے سرہند جاتا تھا۔ یہاں پڑاؤ پہ قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ اور دہلی رک جانے والے لوگ قافلے سے جدا ہونے کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ بہلول ابھی تک پڑاؤ پہ ہی موجود تھا۔ اب اس کو جو چیز سب سے زیادہ یاد آ رہی تھی وہ سنار کی بیٹی زیبا تھی جو سرہند چھوڑ کر دہلی چلی آئی تھی۔ وہ زیبا کا پتہ تک نہ جانتا تھا لیکن اس کے لئے پتہ لگانا مشکل بھی نہ تھا۔

حمید خان بہلول کو دیکھتے ہی گلے سے لگ گیا اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ بہلول نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ وہ حمید خان کو اپنے طفیلی سے زیادہ حیثیت دینے کو تیار نہ تھا۔ اس نے حمید خان سے پوچھا: بادشاہ کیا ہے وہ تیرے ساتھ کس طرح پیش آ رہا ہے۔؟"

حمید خان نے جواب دیا: بادشاہ کو حسام خان کے قتل کا صدمہ ہے۔ لیکن اس بات کی خوشی بھی ہے کہ حسام خان کے سر کے عوض بادشاہ کو بہلول اور اس کی قوم کی دوستی اور حمایت حاصل ہو گئی۔ رہا یہ کہ وہ میرے ساتھ کیسا ہے تو ابھی ہم دونوں ایک دوسرے کے زیادہ قریب نہیں ہوئے آپس میں ایک بچاؤ سا حائل ہے۔"

بہلول نے کہا: حمید خان! میں نے تیرا ساتھ دیا ہے اور آئندہ بھی دیتا رہوں گا۔ بادشاہ کے پاس اور دہلی میں میری عدم موجودگی میں میرے حقوق کی نگرانی اور ان کا تحفظ تیرے ذمے رہے گا۔"

حمید خان کو بہلول کا طرز تخاطب ناگوار گزرا لیکن وہ یہ سوچ کر برداشت کر گیا کہ بہلول کی ناپسندیدگی اور ناراضی وزیر المالک کا سرے کرسی دور ہوتی ہے۔

حمید خان، بہلول اور اس کے رفقاء کو لے کر شاہی محل پہنچا اور بادشاہ کو ان کی آمد کی خوش خبری سنائی۔ بادشاہ مارے خوشی کے اتنا از خود رفتہ ہوا کہ شاہی آداب اور تکلفات کا خیال کئے بغیر انہیں طلب کیا اس وسیع و عریض کمرے میں جہاں حسام خان کو قتل کیا گیا تھا شاہی خدام افغان امراء کو مذکورہ کمرے میں پہنچا کر مؤدب کھڑے ہو گئے۔ قطب خان اور حمید خان کی نظر جو فرش کے اس

حصے پر لگی ہوئی تھیں جہاں حسام الدین کی گردن ماری گئی تھی اور اس پر خون کے سیاہ دھبے اس وقت بھی موجود تھے۔

قطب خان نے ان دھبوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہی وہ جگہ ہے جہاں حسام خان کو قتل کیا گیا تھا"۔

فیروز خان اٹھ کر اس جگہ آیا کچھ دیر کھڑے رہ کر کسی خیال میں گم ہو گیا۔ پھر بہلول کے کان میں سرگوشی میں کہا "بہلول! اس کمرے میں ہمیں بٹھانا بڑا معنی خیز ہے کیا ہمیں بادشاہ پر اعتبار کرنا چاہیے"۔

بہلول نے جواب دیا "چچا! بادشاہ پر اعتبار کرنا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا وقت گزر چکا اعتبار اور بے اعتباری کا فیصلہ سرہند اور اس کے بعد شاہی محل میں داخل ہونے سے پہلے ہی کرنا تھا ہمیں اس جگہ تو پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ رہنا چاہیے۔ اس وقت ہم بادشاہ کے مہمان ہیں اور بادشاہ میں اتنی ہمت ہرگز نہیں کہ وہ ہم جیسے معزز اور خطرناک افغانوں کے خلاف بغیر سوچے سمجھے قدم اٹھائے۔"

قطب خان نے بھی بہلول کی تائید کی "چچا فیروز! بادشاہ ہماری محبت اور حمایت کا بھوکا ہے۔ آپ مطمئن رہیں"۔

ابھی یہ باتیں جاری تھیں کہ باادب باملاحظہ ہوشیار کی آوازیں سنائی دیں قطب خان خاموش ہو گیا اور سبھی بادشاہ کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔

کمرے کے عقبی دروازے سے بادشاہ نمودار ہوا۔ حاضرین نے قدرے جھک کر تعظیم دی۔ بادشاہ مسکرا رہا تھا۔ وہ بہت خوش تھا۔ اس نے حمید خان سے پوچھا "ان میں بہلول کون ہے؟"

بہلول اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر بادشاہ کے پاس چلا گیا۔ پوچھا: "کیا اس ناچیز میں کوئی ایسی بات نہیں محسوس ہوتی جو مجھ کو دوسروں سے متمیز کرتی ہو۔؟"

حمید خان نے جلدی جلدی کہا: "بندہ پرور! یہی بہلول ہے، جس کی حمایت اور دوستی کا حضور کو خاص خیال رہتا ہے"۔

بادشاہ نے اپنا ہاتھ بہلول کی طرف بڑھا دیا۔ بہلول نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ بادشاہ بہلول کی باتوں سے خاصا متاثر ہوا۔ بولا: "بہلول! میرے تصورات میں تیرا جو خاکہ تھا تو اس سے زیادہ پُراثر نکلا۔ تیری جرأت بے باکی اور بے خوفی تجھے دوسروں سے ممتاز

کر دیتی ہے"۔

بہلول نے بادشاہ کا ہاتھ چھوڑ دیا اور دعا کی "میں اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے بادشاہ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں کہ اس نے حسام خان جیسے نرمی اور حفظ سے بچا چھڑا لیا جب تک وہ بادشاہ کے دربار میں موجود رہا تب میں اور میری قوم اس کی سفاکیوں کو یاد کر کے خواہ مخواہ بادشاہ کے خلاف سوچا کرتی۔ اب ہمیں ایسا لگ رہا ہے جیسے بادشاہ ہماری ناز برداریاں کر رہا ہے اس لطف اور فرحت کے احساس کی جو قیمت ہم لوگ ادا کر سکیں گے اس کا فی الحال ذکر یا دعویٰ کرنا فضول ہے۔ وقت آنے پر عملاً دکھا دیا جائے گا"۔

بادشاہ بھی بہت خوش تھا۔ اس نے بہلول سے پوچھا "تیرے بارے یہ مشہور ہے کہ تو اپنی مرحوم ماں کے پیٹ سے بہ نوکِ خنجر نکالا گیا تھا۔ کیا یہ درست ہے؟"

فیروز خان نے جواب دیا: "بادشاہ نے جو کچھ سنا درست ہے میں بہلول کا چچا اس کا گواہ ہوں"۔

بہلول نے کہا "اس لئے میری نظر میں خنجر کی بڑی اہمیت ہے اور میں خنجر کو اپنے حق میں بقا اور اقبال مندی کی علامت سمجھتا ہوں"۔

فیروز خان اور قطب خان بہلول کے اشارے کو سمجھ گئے اور انہیں ڈر لگا کہ کہیں بادشاہ بھی ان باتوں کا اصل مفہوم نہ پالے اور یہ سب کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ لیکن بادشاہ کچھ بھی نہ سمجھا اور بہلول کی باتوں پر خوب خوب ہنسا!

بادشاہ نے انہیں تین دن تک شاہی مہمان خانے میں روکے رکھا۔ اور ان کی خاطر مدارات کرتا رہا کسی کسی وقت بہلول اپنے چچا فیروز خان اور بھائی قطب خان سے از راہِ مذاق کہتا کہ: "محمد شاہ بادشاہ تو لگتا ہی نہیں اس کو تو میرا مصاحب ہونا چاہیے تھا"۔

چوتھے دن بہلول نے اپنے چچا اور بھائی قطب خان، دونوں کو شاہی مہمان خانے ہی میں چھوڑا اور خود زیبا کی تلاش میں نکل گیا وہ سناروں کے بازار میں گیا اور ان سے زیبا کے باپ کی بابت معلوم کیا۔ سناروں نے پتہ بتا دیا۔ بہلول اس وقت زیبا کے گھر چل دیا۔ سناروں کا محلہ ہی الگ تھا۔ اس

میں ہندو اور مسلمان سنار ملے جلے رہتے تھے۔ وہاں ایک جگہ بہت سارے بچے کھیل رہے تھے۔ بہلول نے اپنا گھوڑا ان کے قریب سے جاکر روک دیا اور زیبا کے باپ کا نام لے کر لڑکوں سے پتہ پوچھا۔ ان میں سے ایک لڑکا الگ ہو گیا اور سہم کر پوچھا: "کیا تمہیں بادشاہ نے بھیجا ہے۔؟"

بہلول سمجھ گیا کہ اس لڑکے کا زیبا کے خاندان سے کسی قسم کا تعلق ضرور ہے جواب دیا: "لڑکے! گھبراؤ مت! مجھے مشتاق سنار کا گھر بتا دے اس کی ایک لڑکی بھی تھی، زیبا!"

لڑکے نے جواب دیا: "میں مشتاق سنار کا بیٹا ہوں۔ اور زیبا میری بڑی بہن کا نام ہے!"

بہلول کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے لڑکے کے دل سے خوف نکالنے کے لئے کہا: "لڑکے! میں سرہند سے آیا ہوں جو تیرا آبائی وطن ہے، آج کل میں بادشاہ کا مہمان ہوں۔"

لڑکا بہلول کو اپنے گھر لے چلا گیا اور بھاگ کر اندر ماں سے کہہ دیا۔ "ایک خطرناک آدمی باپ کا پتہ پوچھتا ہوا میرے ساتھ دروازے تک آگیا ہے۔"

ماں نے کہا: "اس کا نام پوچھو، کیا نام ہے اس کا؟"

یہ سوال بہلول کے کانوں تک بھی پہنچ گیا۔ زور سے جواب دیا: "میں اسلام خان مرحوم کا بھتیجا اور داماد ہوں سرہند سے آیا ہوں۔"

لڑکے کی ماں بے اختیار بہلول کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور کہا: "بہت دنوں بعد آئے۔"

بہلول نے پوچھا: "تمہارا شوہر کہاں چلا گیا۔؟"

زیبا کی ماں نے جواب دیا: "وہ اپنے کاروباری سلسلے میں دوسرے شہروں کا بھی سفر کرتے رہتے ہیں۔ وہ ایک دن میں آنے ہی والے ہیں۔"

بہلول نظروں ہی نظروں میں زیبا کو تلاش کرنے لگا۔ ماں سمجھ گئی کہ وہ کسے تلاش کر رہا ہے چبھتا ہوا سوال کیا: "تم نے شادی کر لی۔؟"

بہلول نے جواب دیا: "ہاں، کر لی۔ چچا اسلام خان کی بیٹی بچپن ہی سے منسوب تھی، کیا کرتا، مجبور ہو گیا۔ تم لوگوں نے تو مجھے بھلا ہی دیا تھا۔"

زیبا کی ماں نے کہا: "یہ بات نہیں تھی بہلول تیری چچی نے مجھے سچ اور کین

کہہ دیا تھا۔ پھر میں کس طرح تم لوگوں کو یاد رکھتی۔"

بہلول نے رک رک کر پوچھ ہی لیا: "زیبا کہاں ہے۔؟"

ماں نے خشک لہجے میں پوچھا: "اس سے تیرا کیا کام؟ اس کو کیوں پوچھ رہا ہے؟"

بہلول نے جواب دیا: "اس کو میں نے بچپن میں دیکھا تھا۔ بڑی اچھی لڑکی تھی۔ اب تو وہ خاصی بڑی ہو گئی ہوگی۔" پھر ڈرتے ڈرتے پوچھا: "کیا اس کی شادی ہو گئی۔؟"

زیبا کی ماں نے جل کر کہا: "بہلول! مجھ کو معلوم ہے کہ اب تو کوئی معمولی آدمی نہیں ہے غیر معمولی انسان ہے۔ بادشاہ تجھ سے ڈرتا ہے اور تو سرہند سے لاہور تک حکومت کرتا ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تیری چچی مر گئی۔ اور افغان قوم میں آج تجھ سے بڑا کوئی بھی نہیں لیکن مجھ کو یہ دکھ ہے کہ تو نے ہمیں بھلا دیا تھا۔"

بہلول نے جواب دیا: "یہ غلط ہے۔ بادشاہ اور وزیر الممالک حسام خان دونوں ہی مجھ سے ناراض تھے۔ پھر میں دہلی کس طرح آتا۔ اب حسام خان کے قتل کے بعد بادشاہ مجھ پر مہربان ہو چکا ہے اور میں دہلی میں داخل ہوتے ہی تم لوگوں کو تلاش کرنے لگا۔"

زیبا کا بھائی اپنی ماں اور بہلول کی باتیں بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔

زیبا کی ماں نے کہا: "میں نے اور میرے شوہر نے تجھے ہمیشہ یاد کیا اور تیرے لئے دعائیں کرتے رہے اب تو بہت بڑا آدمی بن چکا ہے اور میں حیران ہو رہی ہوں کہ اتنے بڑے آدمی کو ہماری یاد کیوں کر آگئی؟"

اس کے بعد زیبا کی ماں نے بہلول کو اندر بلا لیا اور مسہری پر صاف بستر بچھا کر بہلول کو اس پر بٹھا دیا پھر وہ کسی کام سے چلی گئی جب واپس آئی تو حسن و شباب کا شہ پارہ اس کے ساتھ تھا۔ لڑکی نے بہلول کو ادب سے سلام کیا اور اس کے سامنے ایک مونڈھے پر سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ بہلول نے اس نوجوان لڑکی میں ننھی منی زیبا کو تلاش کیا جو نہیں ملی۔ یہ تو قیامت تھی اس نے سوالیہ نظروں سے زیبا کی ماں کی طرف دیکھا اور ہچکچا کر پوچھا: "شاید زیبا؟ کیا میں پہچاننے میں غلطی کر رہا ہوں؟"

ماں نے جواب دیا: "ہاں یہ زیبا ہے، یہ بھی تجھ کو بہت یاد کرتی رہی، مگر افسوس کہ تو نے اپنے چچا کی بیٹی سے پیمان وفا باندھ لیا۔"

بہلول نے کہا: "یہ غلط ہے، میں نے کسی سے بھی پیمان وفا نہیں باندھا۔

ہاں اگر میں کسی سے پیمانِ وفا باندھوں گا تو وہ بس ایک ہی لڑکی ہے جس کا نام زیبا ہے۔ میں نے تجھ سے زیبا کا رشتہ مانگ لیا ہے۔

ماں نے جواب دیا: بہلول، تو نے میری لڑکی کا رشتہ میرے سامنے ہی مانگ لیا۔ اب تو بڑا آدمی ہو گیا ہے تو یہ سمجھنے لگا ہے کہ کوئی تیری بات ٹال نہیں سکتا حالانکہ یہ بات نہیں ہے، ہم چاہیں تو بالکل انکار کر دیں۔

بہلول اس کا عادی ہی نہیں تھا کہ وہ کسی سے کسی چیز کی خواہش کرے اور دوسری طرف سے انکار کر دیا جائے، بولا: میں تجھ سے چند باتیں کھل کر کرنا چاہتا ہوں، جو زیبا کے سامنے نہیں کی جا سکتیں۔

ماں نے جواب دیا: بس اب اس موضوع پر اس سے زیادہ باتیں نہیں ہوں گی۔ زیبا کا باپ زندہ ہے، وہ چاہے تو ہامی بھر لے، نہ چاہے تو انکار کر دے اس کے ہوتے ہوئے میں کچھ بھی نہیں۔

بہلول نے ماں سے کہا: اچھا پانی تو پلا، میں بہت پیاسا ہوں۔

ماں جیسے ہی پانی لینے گئی، بہلول نے زیبا سے کہا: زیبا! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں اور جب میں اس ملک کا بادشاہ بن جاؤں گا۔ تو تو اس ملک کی ملکہ ہو گی۔ میں، تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میرے بعد تیری اولاد اس ملک پر حکومت کرے گی۔

زیبا نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے اٹھ کر اندر چلی گئی جب ماں پانی لے کر آئی تو زیبا کو وہاں نہ دیکھ کر خوش ہوئی کہ اس کی شرمیلی لڑکی نے بہلول کا رعب قبول نہیں کیا تھا۔

بہلول زیبا کے گھر بار بار جاتا رہا۔ زیبا کا باپ مشتاق ابھی تک واپس نہیں آیا تھا، اس نے دو تین بار زیبا سے باتیں بھی کیں، مگر یہ باتیں بس اس حد تک رہیں کہ بہلول تو سب کچھ کہہ دیتا مگر زیبا کی طرف سے اس کا جواب ہاں یا نہیں میں نہ ملتا۔

بہلول نے اپنے چچا فیروز اور قطب خان کو ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اب دہلی میں کیوں رکا ہوا ہے۔ قطب خان اصرار کر رہا تھا کہ سرہند واپس چلو۔

چچا فیروز خان اس پر زور دے رہے تھے کہ شاہی مہمان خانے میں کسی جواز کے بغیر رہنا اچھا نہیں ہے لیکن بہلول پر کسی کی بات کا کوئی اثر ہی نہ ہوتا۔

چچا فیروز خان نے قطب خان سے کہا: قطب خان! کچھ دال میں کالا ضرور ہے

کیونکہ بہلول دہلی میں کسی سبب کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہمیں اس کی جستجو کرنا چاہیے۔

قطب خان نے ناگواری سے کہا: چچا فیروز خان! میں جانتا ہوں بہلول کہاں چلا جاتا ہے۔

فیروز خان نے کہا: بھلا بتا تو سہی کہ ہر روز بہلول کہاں چلا جاتا ہے اور اس دہلی میں وہ کون سی دلکشی ہے جس نے اس کے پاؤں پکڑ رکھے ہیں؟

قطب خان نے جواب دیا: جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ میں جانتا ہوں بہلول دہلی میں کیوں رکا ہوا ہے۔ وہ یہاں ستار کی بیٹی زیبا سے ملنے جایا کرتا ہے یہ ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

قطب خان جب یہ کہہ رہا تھا تو اس کے لہجے میں غم و غصہ کا عنصر پیدا ہو گیا تھا، اس نے مزید کہا: اور میں خود یہ کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ میری بہن کی موجودگی میں بہلول ستار کی بیٹی زیبا سے شادی کرے۔

فیروز خان نے اس کو سمجھایا: قطب خان! آپ بالکل خاموش رہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہماری گھریلو رنجشیں سب کے علم میں آ جائیں۔ اگر یہ باتیں عام ہو گئیں تو بادشاہ اور اس کے امرا کے دلوں سے ہمارا رعب اور دبدبہ رخصت ہو جائے گا۔

قطب خان نے غصے میں کہا: چچا فیروز! آپ خوب جانتے ہیں کہ میں کتنا جذباتی ہوں آج کل میں سوچ رہا ہوں کہ میں اپنی بہن کی موجودگی میں بہلول کو مزید شادی کی اجازت نہیں دوں گا اگر بہلول نے ضد یا سختی سے کام لیا تو میں اس کا مقابلہ کروں گا۔

زیبا کا باپ مشتاق واپس آ گیا اور بہلول سے بہت تپاک سے ملا۔ اس کی بیوی سارے معاملات اپنے شوہر کو پہلے ہی سمجھا چکی تھی۔ مشتاق کو اس دن کا انتظار تھا۔ اس نے بہلول کی بات مان لی لیکن شرط لگا دی کہ شادی اس وقت ہو جب بہلول دہلی میں رہائش اختیار کر لے اور یہ کہ زیبا کو پہلی بیوی سے الگ رکھا جائے۔

بہلول نے زیبا کے باپ کی پہلی بات نہیں مانی، بولا: یہ بات میں اس لیے نہیں مانوں گا کہ دہلی کی مستقل رہائش کس طرح اختیار کر سکتا ہوں۔ میں سرہند کا حاکم ہوں۔ سرہند چھوڑنے کا یہ مطلب ہے کہ میں وہاں کی حکومت کسی اور کے حوالے کر دوں۔

زیبا کے باپ مشتاق نے پوچھا: "اور دوسری بات؟"

بہلول نے جواب دیا: "دوسری بات مان لوں گا اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ زیبا کو پہلی بیوی سے الگ رکھوں گا۔"

زیبا کی ماں نے کہا: "اور یہ وعدہ بھی کرنا ہوگا کہ تجھے اس ملک کی حکومت مل گئی تو تیرے بعد اس ملک کی حکومت زیبا کے حصے میں آئے گی۔"

بہلول نے حیرت سے زیبا کی ماں کو دیکھا: پوچھا: "یہ شرط تیری نہیں ہو سکتی کیا اس سلسلے میں زیبا نے تجھ سے کوئی بات کی ہے؟"

زیبا کی ماں نے کہا: "وہ ایسی بات کس طرح کر سکتی ہے؟"

بہلول نے جواب دیا: "تو نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ میں نے زیبا سے پہلے ہی یہ وعدہ کر لیا ہے کہ میرے بعد اس ملک کی حکومت اس کی اولاد کے حصے میں آئے گی۔"

زیبا کے باپ نے کہا۔ "اب تو جب چاہے، زیبا کو بیاہ کر لے جا۔"

بہلول نے جواب دیا: "میں چاہتا ہوں، زیبا کا نکاح کل ہی کر دیا جائے اور اس کی رخصتی بعد میں ہو اس وقت تو سرہند واپس چلا جاؤں گا لیکن دو ہفتے بعد واپس چلا آجاؤں گا۔ اس وقت میں زیبا کو نہایت تزک و احتشام سے اپنے گھر لے جاؤں گا۔"

زیبا کے باپ نے پوچھا: "اس تقریب میں شریک کون کون ہوگا؟"

بہلول نے جواب دیا: "میرا چچا فیروز خان، میرا برادر نسبتی قطب خان میرے ہم قوم پچیس افغان، قدیر الممالک حمید خان اور چند دوسرے امراء۔"

جب ساری باتیں طے پا گئیں تو بہلول واپس آ گیا۔ اس نے ساری باتیں اپنے چچا فیروز خان اور بھائی قطب خان کو بتا دیں۔ قطب خان نے سخت مخالفت کی اور صاف صاف کہہ دیا کہ: "بہلول یہاں شادی کرنے نہیں آیا تھا پہلے وہ سرہند واپس چلے اور اس مسئلے پر اچھی طرح غور و خوض کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرے۔"

بہلول نے قطب خان کا چہرہ اپنی ہتھیلیوں میں لے کر اوپر اٹھایا۔

"بھائی قطب خان! یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے جس پر غور و خوض کر کے فضول وقت ضائع کیا جائے۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ میں تیری بہن سے ناانصافی نہیں کروں گا۔"

قطب خان اپنے جذبات کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر بھی اس کی آواز بھرا گئی: "بھائی بہلول! میں تیری بیوی کا بھائی ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک بار تجھ سے دل برداشتہ ہو کر کوئی الگ راہ اختیار کروں۔ اگر اس بار میں اپنی قوم سے جدا ہوا تو پھر کبھی واپس نہ آؤں گا۔"

بہلول نے اسے سمجھانے کی کوشش کی: "قطب خان! بچوں جیسی باتیں نہ کر۔" پھر چچا فیروز خان سے کہا: "چچا فیروز خان سے کہا۔ چچا آپ اس کو سمجھائیں۔ جذباتی لوگ ہمیشہ خسارے میں رہتے ہیں۔"

فیروز خان نے بہلول سے کہا: "بہلول! میں بھی یہی کہوں گا کہ یہ موقع شادی کرنے کا نہیں تھا۔ اور پھر یہ کہ تو نے پہلے کبھی اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔"

بہلول نے جواب دیا: "چچا! میں نے سوچ لیا کہ یہ معاملہ اتنا بڑا اور اہم نہیں تھا جس کا چرچا کیا جاتا اور اس کے لئے وقت ضائع کیا جائے۔ بہر حال یہ میرا قطعی فیصلہ ہے کہ میں زیبا سے شادی ضرور کروں گا۔"

فیروز خان بہلول کے مضبوط ارادے سے ڈر گیا، اب قطب خان کو سمجھانے لگا: "اور قطب خان! یہ بھی صحیح ہے کہ یہ اتنا اہم معاملہ نہیں تھا جس پر فضول وقت ضائع کیا جائے۔ اور پھر یہ کہ اگر بہلول دوسری شادی کر رہا ہے تو اس میں حیرت یا دکھ کی کیا بات ہے کیا ہمارے آباؤ اجداد نے ایسا نہیں کیا۔ اس حمام میں سبھی ننگے ہیں۔ ہمیں اس معمولی وجہ سے بہلول کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہئے۔"

لیکن قطب خان کسی طرح مطمئن نہ ہوا اور اس طرح زور زور سے بحث و مباحثہ کرنے لگا گویا کوئی جنگ چھڑی ہوئی ہو۔

بہلول تنگ آکر باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی فیروز خان نے کہا۔ "قطب خان! کیا تو پاگل ہو گیا ہے، بہلول ایک طاقت، ایک قوت اور ایک اجتماعی حرکت کا نام ہے۔ ہم اس کو نظر انداز نہیں کر سکتے اگر اس کو نظر انداز کریں گے تو گویا ہم خود نظر انداز کر دیئے جائیں گے کیونکہ کسی ایک شخص کے نظر انداز کر دینے سے ہر کوئی بہلول کو نظر انداز نہیں کر دے گا ہاں اگر بہلول نے کسی کو نظر انداز کر دیا تو وہ واقعی نظر انداز کر دیا جائے گا۔"

قطب خان بھی فیروز خان کی دلیلوں سے عاجز آ گیا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اس نے باہر بہلول کو ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ بہلول نے اپنے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ رکھے تھے اور بڑی بے چینی سے ایک مخصوص اور محدود حلقے پر چل پھر رہا تھا۔ قطب خان آہستہ آہستہ اس کے پاس گیا اور کہا: ”بھائی بہلول! تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو، کر لو۔ میں اپنی قوم کے عظیم تر مفاد میں اس زہر کو بھی پی لوں گا۔ لیکن میرا دل تم سے اس معاملے میں کبھی بھی متفق نہ ہوگا۔“

بہلول نے جواب دیا: ”میں ابھی تو تیری نہ منت کروں گا اور نہ اصرار کروں گا کہ تو مجھ سے متفق ہو جا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ تو بھی کبھی نہ کبھی قدر دانی کرے گا۔ جب تو ایسا کرے گا تو اس وقت تیرے دل کی کدورت دور ہو جائے گی اور تو ایک بار پھر میرا دل سے ساتھ دینے لگے گا۔“

قطب خان بہلول کے پاس سے بھی چلا گیا۔ بہلول اس کو اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ نظر آتا رہا۔

* * *

مشتاق سنار کے گھر ایک سادہ سی تقریب میں اس عہد کے نامی گرامی لوگ جمع ہو گئے۔ ملک بہلول کو دولہا بنایا گیا۔ اس کا چچا فیروز خان اس کی سرپرستی کر رہا تھا۔ قطب خان غائب تھا۔ گھر کے سامنے میدان میں ایک شامیانہ نصب تھا جس کے نیچے فرش فروش بچھا دیئے گئے تھے اور اس پر جگہ جگہ گاؤ تکیے رکھ دیئے گئے تھے۔ ملک بہلول صدر مجلس بنا بیٹھا تھا۔ اس کے پاس داہنی طرف فیروز خان اور بائیں طرف وہ افغان تھے جو سرہند سے بہلول کے ساتھ آئے تھے۔ ملک بہلول کے داہنی طرف فیروز خان کے بعد وزیر الممالک حمید خان اور دوسرے امرا بیٹھے تھے۔

قاضی نے خطبہ شروع کیا تو مجلس میں ہلکا سا اضطراب ہو گیا۔ زیبا کا باپ مشتاق خان کے ساتھ شامیانے میں داخل ہوا۔ قطب خان نے مشتاق کا گریبان پکڑ رکھا تھا۔ چچا فیروز خان نے جو یہ منظر دیکھا تو اس کے ہوش و حواس اڑ گئے۔ وہ اٹھ کر ان دونوں کی طرف بھاگا۔

ملک بہلول نے بھی یہ منظر دیکھ لیا مگر اس پر کوئی توجہ نہ دی اور منہ

پھیر کر حمید خان سے باتیں کرنے لگا۔ قاضی خطبہ پڑھنے میں مشغول رہا۔

فیروز خان، قطب خان اور مشتاق کو کھینچتا ہوا شامیانے سے باہر لے گیا: ”قطب خان یہ تجھ کو کیا ہو گیا ہے؟ میں تجھ کو بار بار یقین دلاؤں گا کہ تو بہلول کی مخالفت کر کے اپنی پوری قوم کو ناراض کرے گا۔ کیا تو نے بہلول کے بائیں طرف بیٹھے ہوئے اپنے ان افغان بھائیوں کو نہیں دیکھا جو سرہند سے ہمارے ساتھ آئے ہیں وہ سب بے حد خوش ہیں۔“

قطب خان نے پُرجوش آواز میں جواب دیا: ”میں بھی اس شادی کی مخالفت نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو اس کم ظرف سنار سے یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھ کو یہ یقین دلا دے کہ اس کی بیٹی کی اولاد کا بہلول کی حکومت سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ لیکن یہ چالاک انسان کوئی وعدہ نہیں کر رہا۔“

فیروز خان نے کہا: ”قطب خان! اس وقت تو اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے۔ اس قسم کے وعدے یہ کس طرح کر سکتا ہے۔ اس کی بیٹی کی اولاد بہلول کی اولاد ہوگی۔ اور یہ وعدے کرے یا نہ کرے بہلول کرے۔“

قطب خان نے مشتاق سنار کا گریبان چھوڑ دیا اور شامیانے کے باہر اس کا ایک بانس پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ رو رہا تھا۔

فیروز خان بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور اس کو سمجھانے لگا۔ ”قطب خان اس کو مشیت ایزدی...... سمجھ کر قبول کر لے۔ تیرا بھائی بہلول ناانصاف نہیں ہے۔ مجھ کو تو پورا پورا یقین ہے کہ وہ تیری بہن کے ساتھ ناانصافی نہیں کرے گا اور اس کی اولاد کو سنار کی اولاد پر ترجیح دے گا۔“

قطب خان نے جھنجھلا کر جواب دیا: ”چچا! تم کیسی فضول باتیں کر رہے ہو۔ بہلول نے میری بہن پر سنار کی بیٹی کو ترجیح دے دی۔ اب تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ سنار کی بیٹی کی اولاد حکومت کرے گی اور میری بہن کی اولاد اس کی چاکری کرے گی۔“

فیروز خان اس کو سمجھانے کی کوشش کرتا رہا مگر قطب خان اپنی بات پر اڑا رہا۔ یہاں تک کہ شامیانے کے اندر سے لوگ نمودار ہونے لگے۔ انہی میں بہلول بھی شامل تھا۔ اس کے دائیں بائیں، حمید خان اور افغان امرا تھے اور وہ بہلول سے

دو قدم پیچھے چل رہے تھے. بہلول کی نظریں قطب خان پر پڑیں تو وہ تیزی سے اس کے پاس پہنچ گیا. اور نہایت محبت سے اٹھا کر اپنے گلے سے لگا لیا. بولا قطب خان میں تجھ کو تلاش ہی کرتا رہ گیا. آ، میرے ساتھ چل تاکہ میں تجھے مطمئن کرسکوں؟

قطب خان کھڑا ہو گیا اور بہلول کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

بہلول اس کو دلہن کے کمرے میں لے چلا گیا یہاں زیبا دلہن بنی سمٹی سکڑی بیٹھی تھی جو خواتین اس کے پاس تھیں بہلول کے داخل ہوتے ہی باہر چلی گئیں بہلول نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا اور قطب خان سے کہا قطب خان! تو میرے حقیقی بھائی سے بھی بڑھ کر ہے. تو نہیں جانتا کہ میں تجھ کو کس قدر چاہتا ہوں، میں تجھ کو ناراض کرکے کوئی کام کر ہی نہیں سکتا۔"

وہ قطب خان کا ہاتھ پکڑ کر زیبا کے قریب چلا گیا، اور قطب خان کو زیبا کے سامنے بٹھا دیا. بولا: قطب خان! یہ دلہن تو میری ہے لیکن اس کا گھونگٹ تو اٹھائے گا. اپنی بھابی کا چہرہ دیکھ، کیسا نور ٹپک رہا ہے اس کے چہرے سے۔"

قطب خان سٹپٹا گیا بولا: اس کا گھونگٹ میں اٹھاؤں؟ میں تیرا مطلب نہیں سمجھا."

بہلول نے جواب دیا: اس کے سوا میرا کوئی مطلب نہیں کہ اگر تو گھونگٹ اٹھا کر مجھ سے بھی پہلے زیبا کا چہرہ دیکھ لے گا تو میں اس کو اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔"

قطب خان نے لرزتے کانپتے ہاتھوں سے زیبا کا گھونگٹ اٹھا یا اور کسی سوچ میں پڑ گیا. زیبا کی نظریں جھکی ہوئی تھیں وہ خود قطب خان کو نہیں دیکھ سکی۔

اب قطب خان: قطب خان! یہ میرا وعدہ ہے کہ اگر مجھ کو اس ملک کی حکومت مل گئی تو اس پر میرے بعد تیری بہن کی اولاد حکومت کرے گی۔"

زیبا نے چونک کر قطب خان کی طرف دیکھا اس کے بعد بہلول کو دیکھنے لگی

اب قطب خان کے اندر لاوے اگلتا، کھولتا، ابلتا، جو لاوا سلگتی دب چکا تھا اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو آ گئے، لیکن یہ خوشی کے آنسو تھے۔ اس نے بے اختیار بہلول کو سینے سے لگا لیا اور گلوگرفتہ آواز میں کہا میرے

بھائی! تو بہت عظیم ہے، عظیم ہی نہیں عظیم الشان بھی۔ اب میں تجھے تخلیہ میں رہنے کا موقع دوں گا۔ میں باہر جا رہا ہوں۔"

قطب خان ہنستا مسکراتا باہر نکل گیا۔

بہلول نے پہلے تو دروازے کو اندر سے بند کیا، اس کے بعد زیبا کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموش بیٹھ کر اس نے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ خود زیبا کیا کرتی ہے؟

جب دیر تک زیبا خاموش رہی تو بہلول نے اس کا گھونگٹ اٹھانا چاہا، مگر زیبا نے ہاتھ پکڑ کر ہٹا دیا۔ بہلول نے دوبارہ پھر گھونگٹ اٹھانے کی کوشش کی اور اس بار پھر زیبا نے اس کے ہاتھ کو جھٹک کر ہٹا دیا۔

بہلول نے پوچھا۔ زیبا! کیا بات ہے؟ کیا میں تیری شکل نہیں دیکھ سکتا؟"

زیبا نے خلاف توقع نفرت آمیز لہجے میں جواب دیا۔ نہیں، میں تجھ کو اپنی شکل نہیں دیکھنے دوں گی۔ تو نے مجھ سے دھوکا کیا ہے۔"

بہلول حیران پریشان ہو کر زیبا پر نظریں گاڑ کر کھڑا رہ گیا، بولا: میں نے تیرے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا، مجھ کو جھوٹ سے نفرت ہے۔ نفرت ہے!"

زیبا نے کہا: کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ اگر اس ملک کی حکومت تجھ کو مل گئی تو میں ملکہ بنا دی جاؤں گی اور تیرے بعد میری اولاد اس ملک پر حکومت کرے گی؟"

بہلول نے جواب دیا۔ ہاں میں نے تجھ سے یہ وعدہ کیا تھا اور اپنے اس وعدے پر اب بھی قائم ہوں اور ہمیشہ قائم رہوں گا۔"

زیبا نے گھونگٹ الٹ دیا، بولی: ابھی ابھی تو نے اپنے بھائی قطب خان سے کیا وعدہ کیا تھا؟ ذرا یاد تو کر۔"

بہلول کچھ سوچ کر، ایک دم قہقہہ مار کر ہنس دیا۔ اور قہقہے لگاتے ہوئے کہا۔ زیبا! میری روح، میری کائنات، محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔ قطب خان سے پر فریب وعدہ کرکے میں نے ایک بہت بڑے فتنے کو کچل ڈالا ہے، یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے کہ اس ملک پر حکومت تیری ہی اولاد کرے گی۔"

زیبا نے مسکرا کر بہلول کو دیکھا اور شریر لہجے میں بولی: خبردار! جو تو نے

مجھ سے اس قسم کا وعدہ کیا۔"

بہلول اس کو اپنی آغوش میں سمیٹ کر دنیا و مافیہا سے غافل ہو گیا۔ زیبا یہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہی تھی۔ کہ ہندوستان کے مستقبل کا بادشاہ اس کو اپنی آغوش میں لئے وہ پیار دے رہا تھا جو بہت کم عورتوں کو میسر آتا ہو گا اور انہی کیف آور اور پُر مسرت لمحات میں اس نے عالم تصور میں نظارہ کیا جہاں وہ ملکہ بنی بیٹھی تھی اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والی اولاد ہندوستان پر حکومت کر رہی تھی اس کے بیٹوں کے سروں پر چتر شاہی سایہ فگن تھا۔ اور اس کے روبرو بوڑھا قطب خان اور اس کی جوان اولاد ہاتھ باندھے خدام کی طرح کھڑی ہوتی تھی۔ اس تصور میں ایک نشہ سا تھا جس نے زیبا کو کسی اور ہی دنیا میں پہنچا دیا۔ کیف و سرور کی دنیا میں جہاں آسودگی ہی آسودگی تھی۔ جہاں طمانیت ہی طمانیت تھی اور جہاں اس سے اور اس کی اولاد سے بڑا کوئی بھی نہ تھا۔

آشناپرست ۳

ملک بہلول زیبا سے شادی کر کے سرہند واپس چلا گیا اس نے زیبا کو دہلی ہی میں چھوڑ دیا اور وعدہ کیا کہ وہ زیبا کو بہت جلد سرہند بلائے گا۔ چچا فیروز خان اور افغان امراء بہلول کے انتہائی وفادار تھے لیکن چچا کا بیٹا قطب خان مذبذب تھا۔ اس نے خاموشی تو اختیار ضرور کر لی تھی مگر وہ اپنی بہن اور اس کی اولاد کے مستقبل کی طرف سے بہت فکر مند ہو گیا تھا۔

وہ سرہند میں فاتحانہ شان سے داخل ہوا۔ اس کے چچا اور افغان بھائی فتح مندی کے چھوٹے چھوٹے پرچم بلند کئے ہوئے سرہند میں داخل ہوتے تو سرہند کے افغانوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ انہوں نے ملک بہلول کو کاندھے پر بٹھا لیا اور ادھر ادھر گھومنے پھرنے لگے سرہند کے در و دیوار تماشائیوں سے پٹے ہوئے تھے ان سے بھیڑ چھڑانے میں اتنی دشواری پیش آئی کہ بہلول کو مزہ آ گیا اس نے اپنے شائقین سے کہا: "میرے پٹھان بھائیو! دہلی میں میں نے تمہیں شرمندہ نہیں کیا وہ دن زیادہ دور نہیں کہ تمہارا گلہ بان تمہیں ایک ایسی چراگاہ میں لے جائے جس کے تم خود مالک بن جاؤ۔"

افغانوں نے ملک بہلول کی شان میں نعرے لگائے۔

قطب خان نے ملک بہلول کو ہجوم میں چھوڑ کر سیدھا اپنی بہن کے پاس پہنچا اور اس کو یہ اندوہناک خبر سنا دی کہ اس کے شوہر نے دہلی میں مشتاق سنار کی بیٹی زیبا سے شادی کر لی ہے۔

بہن کے دل پر بھائی کی پہنچائی ہوئی خبر سے اثر ضرور ہوا لیکن اس معاملے میں وہ قطب خان سے زیادہ حقیقت پسند اور متحمل مزاج عورت تھی اپنے اندرونی دکھ کو چھپاتی ہوئی بولی: "لیکن ملک نے مجھ کو طلاق تو نہیں دی۔"

قطب خان نے جواب دیا۔ "وہ تجھ کو طلاق نہیں دے گا اس کے علاوہ ملک بہلول سے میں نے یہ وعدہ لے لیا ہے کہ اگر اس نے کبھی دہلی کی حکومت حاصل کر لی تو اس کی جانشینی کا شرف تیری ہی اولاد کو حاصل ہو گا۔

بہن نے حیرت سے منہ کھول دیا: "اچھا! ملک بہلول نے یہ وعدہ کر لیا ہے؟"
قطب خان نے جواب دیا: "ہاں، میں نے اس سے یہ وعدہ لے لیا ہے۔"
بہن نے لاپرواہی سے کہا: "تب پھر میں فکر کیوں کروں؟ میری طرف سے وہ دس شادیاں اور کرے۔"
ملک بہلول گھر میں داخل ہو رہا تھا اور قطب خان باہر نکل رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ٹکرائیں تو ملک بہلول نے قطب خان کو شک و شبہے کی نظروں سے دیکھا۔
قطب خان سمجھ گیا۔ مسکراتے ہوئے کہا: "بھائی ملک بہلول! میری طرف سے بے فکر رہو، میں اب بھی تمہارا وفادار ہی ہوں۔"
بہلول نے کوئی جواب نہیں دیا اور سیدھا اپنی بیوی کے پاس پہنچا۔ بیوی نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا اور دوڑ کر اس کے سینے سے لگ گئی۔ بہلول اس کی پیٹھ تھپتھپانے لگا۔ بیوی سینے سے لگی چہرے اور سر کے بالوں پر انگلیاں پھیرتی رہی۔
بہلول نے پوچھا: "قطب خان نے تجھے کچھ بتایا ہے؟"
بیوی کی آواز بھر آگئی۔ "ہاں اس نے مجھے جو کچھ بتایا تھا میں نے اس کے جواب میں صاف صاف کہہ دیا کہ ایک اور شادی کر لی تو کیا ہوا میری طرف سے اجازت ہے کہ وہ دس شادیاں اور کرے۔ اس نے مجھے طلاق تو نہیں دی۔ اور پھر میرے لئے وہ کتنا اہم ہے۔ کہ ملک بہلول کی وہی اولاد اس کی جانشین سمجھی جائے گی جو میرے اپنے بطن سے ہو گی۔"
بہلول خوش ہو گیا، لیکن بیوی کی فراخ دلی کو سراہا بھی نہیں بولا: "میں نے دوسری شادی کر لی، کیا میں اپنے عہد کا سچا آدمی نہیں ہوں؟ کیا میں اتنا نالائق ہوں کہ عورتوں کی مرضی اور خواہش کو اپنی رائے، اپنے فیصلے اور خوشی پر ترجیح دینے لگوں؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میرے لئے اس میں کوئی فخر نہیں کہ فلاں عورت میری بیوی ہے بلکہ کوئی بھی عورت اس پر فخر کر سکتی ہے کہ ملک بہلول میرا شوہر ہے۔"
بیوی مغلوب ہو چکی تھی اب ملک بہلول آزاد تھا۔ جتنی چاہے شادیاں کرے۔ وہ زیبا کے ساتھ کچھ وقت نہایت سکون اور آزادی سے گزارنا چاہتا تھا اور اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ دہلی کی سکونت اختیار کرے۔ لیکن وہ بادشاہ کی موجودگی میں دہلی کی سکونت نہیں اختیار کر سکتا تھا۔ اس نے وزیر اعظم حمید خان کو ایک خفیہ خط لکھا۔
"حمید خان! میں نے تجھ کو وزیر اعظم بنوا دیا، اب میں اس فکر میں ہوں کہ تجھ کو وسیع اختیارات کا حامل کس طرح بنایا جائے؟ میں مردم شناس بھی ہوں اور جوہر شناس بھی

تیری صلاحیتوں کا صحیح صلہ میں ہی دے سکتا ہوں لیکن افسوس کہ ابھی وہ دن نہیں آیا، اور یہ دن تیرے جیسے ہی خواہوں کی اعانت کے بغیر آ بھی نہیں سکتا۔"
یہ خط ایک افغان سردار کے ذریعہ حمید خان کو پہنچا دیا گیا۔ حمید خان اپنی مدح و ثنا پڑھ کر پھولا نہ سمایا۔ اس نے جواب میں لکھ دیا: "افغان سردار! بادشاہ کی صحبت میں رہو تاکہ کوئی موقع ضائع نہ جائے۔ میں تمہارا احسان مند بھی ہوں، بہی خواہ بھی اور معاون و مددگار بھی۔"
ملک بہلول نے کابل سے آنے والے پٹھانوں کو اپنی فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے زیبا کی جدائی میں خود کو تنہا اور بے کل سا محسوس کیا۔ وہ ہوا کے دوش پر اڑ کر زیبا کے پاس پہنچ جانا چاہتا تھا۔ قطب خان ملک بہلول کا دست راست بن چکا تھا۔ لیکن اعتماد دونوں میں سے کسی ایک کو کسی پر بھی نہ تھا۔ قطب خان کی کوشش تھی کہ وہ اپنی شخصیت کو ملک بہلول سے علاحدہ کر کے برقرار رکھے لیکن بہلول اس کو یہ اجازت نہیں دینا چاہتا تھا کہ قطب خان اس کی نظروں سے اوجھل رہے۔ چنانچہ قطب خان نے جب بھی یہ کہا کہ وہ دہلی میں رہنا بسنا چاہتا ہے تو ملک بہلول نے اس کی بات ہنسی میں اڑا دی۔
قطب خان نے جھنجھلا کر کہا: "پھر میں خود کو کس طرح مشغول رکھوں۔ سرہند میں ساری بڑی ذمہ داریاں تم نے سنبھال رکھی ہیں۔ میں یہاں پڑے پڑے کاہل اور نکما ہو جاؤں گا۔"
ملک بہلول نے جواب دیا: "اگر تو مشغول رہنا چاہتا ہے تو عشق کر۔ عشق انسان کو حوصلہ مند اور کار آمد بنا دیتا ہے۔ یہ انسان کو خاموش نہیں بیٹھنے دیتا۔"
قطب خان ناراض ہو گیا: "ملک بہلول! مجھ سے مذاق نہ کرو۔ تم مجھ کو بے کار رکھ کر ضائع کر دینا چاہتے ہو لیکن میں خود کو ضائع نہیں ہونے دوں گا۔ میں دہلی جاؤں گا اور وہاں مشغول رہنے کی کوشش کروں گا۔" پھر مسکرا کر بہلول کی طرف دیکھا: "اگر مشغول رہنے کے لئے مجھ کو عشق بھی کرنا پڑا تو عشق بھی کروں گا۔"
بہلول نے اپنے چچا سے کہا: "چچا فیروز! بھائی قطب خان کو سمجھاؤ، یہ جلدی نہ کرے۔ میں اس کو اتنی ذمہ داریاں سونپنے والا ہوں کہ یہ عاجز آ جائے گا۔"
چچا فیروز خان نے کہا: "بہلول! اس کے دہلی چلے جانے میں ہمارا نقصان ہی کیا ہے؟"
بہلول نے جواب دیا: "دہلی میں سو میرے دوست ہیں اور سو دشمن۔ میں اپنے

دشمنوں سے قطب خان کو دور ہی رکھنا چاہتا ہوں، کیا قطب خان مجھ کو یہ یقین دلا سکتا ہے کہ وہ دہلی میں ایک بار پھر دغا یا نہیں جائے گا؟"

قطب خان نے کہا، "بھائی بہلول! افغان قوم نے تم کو اپنا سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ تم اپنی قوم کے گلہ بان ہو، پھر میں کوئی ایسا کام کس طرح کر سکتا ہوں جو قومی مفاد کے خلاف ہو؟"

بہلول نے ٹالنے کے لئے جواب دیا: "اچھا پہلے میں تمہاری درخواست پر غور کروں پھر کوئی فیصلہ دوں گا۔"

قطب خان چپ ہو گیا۔ اب بہلول نے قطب خان کی نظروں سے دور رہنے کی روش اختیار کی۔ قطب خان کو بہلول کی یہ ادا پسند نہیں آئی۔ کئی بار بغاوت کا ارادہ کیا اور بہلول کو بتائے بغیر دہلی جانے کا فیصلہ کر لیا۔

قطب خان نے کسی کو کچھ بتائے بغیر سفر کی تیاری کی اور رات کے پچھلے پہر سرہند چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو خواب گاہ کے قریب ہی باندھ دیا اور خود سونے چلا گیا۔ نصف رات کے گزر جانے کے بعد اس کی خواب گاہ کے پاس ہی ایک دوسرا گھوڑا آکر رکا اور اس کا سوار کود کر نیچے آیا اور قطب خان کے دروازے پر دستک دی۔ قطب خان کا دل دھک دھک کرنے لگا اور اس نے خود کو سوتا بنا لیا۔ لیکن اس ترکیب نے قطب خان کو اور زیادہ پریشان کر دیا۔ اس کی خاموشی نے فرد پر سکتوں کی بارش سی کرا دی تھی۔ آخر وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور خمار آلود آواز میں پوچھا "کون ہے؟"

باہر سے جواب ملا: "میں ہوں بہلول۔ میں تیرے ساتھ ہی دہلی چلوں گا۔ دروازہ کھول۔"

قطب خان نے دروازہ کھول دیا۔ بہلول مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے کہا: "میں جانتا ہوں کہ تھوڑی دیر بعد تو دہلی چلا جائے گا۔ تو نے یہ اچھا فیصلہ نہیں کیا۔"

قطب خان نے جواب دیا: "بہلول! میں انتظار سے گھبراتا ہوں۔ میں منزل کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے کب تک بیٹھا رہوں؟ آخر کب تک؟"

بہلول نے جواب دیا: "اس میں انتظار کی کیا بات ہے؟ کیا میں تم سب کے لئے کچھ بھی نہیں کر رہا ہوں؟ کیا میں نے ابھی تک تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کیا؟ قطب خان! خدا کے لئے پریشان نہ ہو اور نہ ہی مجھے پریشان کر۔"

قطب خان نے اپنے کاموں میں مصروف ہونے کی کوشش کی۔ "بھائی بہلول! اب تو میں خود پریشان ہوں اور تم کو بھی پریشان کر رہا ہوں۔ میں تو اس دور ابتلا میں اپنا مقام

تلاش کر رہا ہوں۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ میں جہاں کہیں بھی رہوں گا اپنی قوم اور تمہارا وفادار رہوں گا۔ اور تمہیں یا میری قوم کو جب بھی میری ضرورت پیش آئے گی میں لبیک کہوں گا۔"

بہلول مسکرانے لگا: "قطب خان! میں تمہاری اس وقت بھی ضرورت محسوس کر رہا ہوں تمہاری قوم کو اس وقت بھی تمہاری ضرورت ہے کیونکہ اگر افغان قوم کا ہر سردار تمہاری طرح ہی سوچنے لگے کہ وہ جا رہا ہے اور جب بھی قوم کو اس کی ضرورت ہوگی لبیک کہتا ہوا حاضر ہو جائے گا تو اس طرح تو پوری قوم افغان کا شیرازہ ہی بکھر جائے گا۔" بہلول قطب خان کے چہرے سے اس کی سوچ کا اندازہ لگانے لگا۔ کچھ دیر بعد بولا: "اچھا اگر تم دہلی جا رہے ہو تو تمہارے ساتھ میں میں بھی دہلی جاؤں گا۔"

قطب خان کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا، پوچھا "کیا سچ؟"

بہلول نے جواب دیا: "ہاں سچ۔ لیکن میں دہلی میں اپنی موجودگی کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دوں گا اور تمہیں اس کی اجازت ہوگی کہ اپنے لئے میدان ہموار کرو۔ اگر کسی مشکل یا مصیبت میں پھنسو گے تو میں تمہاری مدد کروں گا۔"

قطب خان سوچنے لگا کہ بہلول دہلی کیوں جائے گا؟ اور دہلی میں اپنی موجودگی کو دوسروں سے چھپانا کیوں چاہتا ہے؟ لیکن ان کئی سوالوں کا ایک جواب مل گیا۔ بہلول کو زیبا کی یاد ستا رہی تھی وہ زیبا کے پاس چند دن چوری سے گزار کر واپس آنا چاہتا تھا۔ قطب خان مسکرانے لگا، بولا: "بھائی بہلول، دہلی ساتھ چلنے کا شکریہ۔ میں تمہاری دہلی میں موجودگی کو راز میں رکھوں گا، مطمئن رہو۔"

بہلول اور قطب خان صبح ہونے سے پہلے ہی دہلی روانہ ہو گئے۔ بہلول نے اس مخدوش سفر میں بیس ماہر جنگجو اور چالاک افغانوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا کیونکہ وہ اپنے عہد کا بدترین محصور تھا۔ بادشاہ اس کے حاسد، صوبے دار اور قلعے دار سبھی کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا اور ان میں سے ہر شخص اس موقع کا متلاشی تھا جب غافل بہلول پر ایک بھرپور وار کیا جا سکے۔

بہلول اور قطب خان ساتھی سوداگروں کے بھیس میں سفر کر رہے تھے اور بظاہر ایک دوسرے سے بیگانہ اور ناآشنا تھے۔ ایک دن جب انہیں قطب مینار دور سے نظر آنے لگا تو بہلول نے قطب خان کو چند ہدایات دیں۔ اس نے کہا: "تم دہلی میں مجھ سے زیبا کے گھر ملنے نہ آنا۔ کبھی کبھی نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے چلے جایا کرنا۔ وہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔ بادشاہ سے ملنا تو کسی ایسے موقع کی تلاش میں رہنا کہ تم اس کا کوئی ایسا کام سرانجام

دو، جو دوستی کر سکیں۔ بادشاہ کے مقربین میں سب سے زیادہ خطرناک اس کا وزیر اعظم حمید خان ثابت ہو سکتا ہے۔ وہی حمید خان جس کی وزارت میری مرہون منت ہے۔ حسام خان کو قتل کر کے میں نے اس کو وزیر اعظم بنوا دیا۔ اب بھی وزیر ہمارا بدترین دشمن ثابت ہوگا۔ تم اس پر کبھی بھی اعتبار نہ کرنا اور اس سے ہمیشہ ہوشیار رہنا اور اگر بس چلے تو نہایت حکمت عملی سے اس کو اپنی راہ سے ہٹا کر اس کی جگہ خود بیٹھ جانا۔"

بہلول ہدایتیں دیتے دیتے اچانک خاموش ہو گیا۔ اس کی خاموشی میں یہ اشارہ موجود تھا کہ بہلول کوئی ایسی ہدایت بھی دینا چاہتا ہے جس میں کوئی مصلحت آڑے آ رہی ہے اور بہلول کہنے یا نہ کہنے کی کشمکش میں مبتلا ہو گیا ہے۔

قطب خان نے کریدا: "بھائی بہلول اور کچھ؟"

بہلول نے جواب دیا: "ہاں ایک بات اور کہنا ہے!"

قطب خان نے بے چینی سے کہا: "تو کچھ یہ تذبذب کیسا؟"

بہلول نے کہا: "جوان آدمی ہو، اگر کسی سے محبت ہو جائے تو پیچھے نہ ہٹنا۔ میری مثال تمہارے سامنے ہے، میری نظر میں مرد وہی ہے جو میدان جنگ میں فتح مندی تک ڈٹا رہے اور معرکہ محبت کو سر کی بازی لگا کے سر کرے، جو مرد کامیاب عاشق نہیں بن سکتا وہ رزمگاہ کا مرد میدان کس طرح بنے گا؟"

قطب خان نے مسکرا کر جواب دیا: "میں کوشش کروں گا کہ تمہاری ہر ہدایت پر عمل کر سکوں، لیکن تمہاری آخری ہدایت کچھ عجیب سی ہے۔ بہرحال میں اس پر بھی کاربند رہوں گا۔"

دہلی میں داخل ہونے سے پہلے ہی قطب خان بہلول سے جدا ہو گیا۔ وہ سیدھا بادشاہ کے وزیر حمید خان کے پاس پہنچا۔ حمید خان نے قطب خان کی توقع کے خلاف سرد مہری کا مظاہرہ کیا اور پوچھا: "بہلول کہاں ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا: "وہ سرہند میں ہے اور مجھ کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں دہلی میں اس کی نمائندگی کروں اور جب بھی بہلول کی مدد درکار ہو میں بادشاہ کا نمائندہ بن کر اس کو دہلی سے آؤں۔"

حمید خان نے بناوٹی خلوص سے کہا: "قطب خان! میں تیری اس بات پر یقین نہیں رکھتا کہ بہلول سرہند میں ہے وہ کہیں بھی ہو سکتا ہے۔ مگر سرہند میں نہیں ہو سکتا دوسرے یہ کہ بادشاہ کو بہلول کی جب بھی ضرورت ہوگی وہ کسی کو بھی بہلول کے پاس بھیج سکتا ہے تیرا بادشاہ کے آس پاس رہنا نہ تیرے لئے مناسب ہے اور نہ میرے لئے اچھا۔"

قطب خان کو یاد آیا کہ بہلول نے حمید خان کی بابت کیا ہدایات دی تھیں وہ حمید خان کی حوصلہ شکن باتوں سے ذرا بھی دل برداشتہ نہ ہوا نہایت ملائمت اور خوش اخلاقی سے جواب دیا "حمید خان! میں آپ کی عزت کرتا ہوں اور بھائی بہلول نے مجھ کو بطور خاص سمجھایا تھا کہ قطب خان اگر تجھ کو ترقی مقصود ہے تو ان کی ہمیشہ عزت کرنا جنہیں خدا نے عزت بخشی ہے اور ان میں سرفہرست نام حمید خان کا ہے۔ حمید خان میں آپ کی عزت کرنے پر مجبور ہوں، مجھ کو اپنے پاس رکھئے اور اپنی خدمت کرنے کا موقع دیجئے۔"

حمید خان نے ہنس کر کہا: "کیا یہ باتیں بہلول نے کہی ہیں؟"

قطب خان نے جواب دیا: "ہاں! میرے بھائی اور محسن بہلول نے کہی ہیں، وہی بہلول جس نے آپ کو آپ کی خوبیوں اور صلاحیتوں کے پیش نظر منصب وزارت تک پہنچنے میں مدد دی۔"

حمید خان نے کسی قدر پسیج کر کہا: "ہاں بہلول اچھا انسان ہے میں بھی اس کی عزت کرتا ہوں تو میرے ساتھ رہ، میں جب بھی مناسب سمجھوں گا بادشاہ سے ملوا دوں گا، لیکن جب تک تو بادشاہ سے نہیں ملتا میرا مہمان ہے۔"

قطب خان نے حمید خان کا شکریہ ادا کیا بولا: "لیکن میں کوئی گمنام آدمی تو نہیں ہوں، حمید خان! بادشاہ مجھ سے اچھی طرح واقف ہے اس سے ملنے کے لئے مجھ کو کسی سہارے یا وسیلے کی بھی ضرورت نہیں میں چاہتا تو بادشاہ کے پاس چلا جاتا لیکن بہلول نے مجھ کو سمجھا دیا تھا کہ میں حمید خان سے پہلے ملوں اس کے بعد اس کے توسط سے بادشاہ تک پہنچوں۔ اور میں بہلول کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔"

حمید خان نے کہا: "اب زیادہ بحث نہ کر۔ میں نے جو کہہ دیا، کہہ دیا۔ اور رہا تیرا یہ گمان کہ تو میرے وسیلے اور توسط کے بغیر بھی بادشاہ تک پہنچ سکتا تھا، تو یہ تیری بھول ہے بہت بڑی غلط فہمی، اگر تو نے ایسا کیا ہوتا تو خدا کی قسم بادشاہ کے مقربین میں، میں ہی تیرا سب سے بڑا دشمن ہوتا اور میں دیکھتا کہ تو میری مرضی کے خلاف کتنی دیر بادشاہ کے پاس رہتا ہے۔"

قطب خان نے بات بگڑتے دیکھی تو بالکل نرم پڑ گیا، بولا: "لیکن میں آپ کی مرضی اور خواہش کے خلاف کوئی قدم اٹھا بھی کیسے سکتا ہوں۔"

حمید خان کی طبیعت مکدر ہو چکی تھی، سرد مہری سے کہا: "بہرحال تو میرے پاس رہ اور اس دن کا انتظار کر جب میں تجھ کو بادشاہ کے روبرو پیش کروں۔"

قطب خان نے خوش اخلاقی سے جواب دیا: "میں آپ کی تجویز سے متفق ہوں یہاں تک کہ اگر آپ مجھ کو یہ حکم دیں کہ میں دہلی سے چلا جاؤں اور دہلی دربار سے وابستگی کا خیال اپنے دل سے نکال دوں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔ آپ دہلی دربار کے دربا میں ایک باوقار اور طاقت ور سگ بچہ کی حیثیت رکھتے ہیں اس دنیا میں وہ شخص کس طرح رہ سکتا ہے جسے آپ کی حمایت اور محبت حاصل نہ ہو۔"

حمید خان نے مختصر جواب دیا: "تو میرے پاس رہ تاکہ میں تجھ کو سمجھ سکوں۔"

قطب خان، حمید خان کے پاس رہ گیا اور دو دن کے اندر ہی قطب خان کو معلوم ہو گیا کہ بادشاہ کے آس پاس جو طاقت ور اور بااثر لوگ موجود ہیں، وہ سب حمید خان کے عزیز رشتے دار ہیں۔ ان سب کی موجودگی میں حمید خان کو چت کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس کو ایک بار پھر بہلول کے مشوروں اور ہدایات کی ضرورت محسوس ہوئی۔

◇ ◇ ◇

قطب خان نے زہد و تقویٰ کا روپ دھارا اور نہایت پابندی سے نمازیں پڑھنے لگا۔ حمید خان اس کی ایک ایک بات اور ہر ہر حرکت پر توجہ مرکوز کئے ہوئے تھا۔ دو دن کے اندر ہی حمید خان نے قطب خان کی بابت یہ رائے قائم کرلی کہ نہایت سیدھا اور بھولا بھالا نوجوان ہے اور اس سے کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ ان دو دنوں میں اس نے بادشاہ یا دربار کا نام تک نہیں لیا۔ نمازیں پڑھتے بزرگوں اور ولیوں کے مزاروں پر جانے کا شوق تھا اور اس پر نہایت خشوع و خضوع سے عمل بھی ہونے لگا۔ حمید خان حیران تھا کہ کیا عقبیٰ پسند جوان ہے اس کو اپنی عقل پر غصہ آنے لگا۔ جس نے اس کو قطب خان کی طرف سے سخت غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔

قطب خان نے تیسرے دن نظام الدین اولیاءؒ کے مزار کا رخ کیا۔ حمید خان نے پوچھا "قطب خان! یہ صبح صبح کہاں۔؟"

قطب خان نے جواب دیا: "جناب! میں ان بزرگوں کے مزاروں پر حاضریاں دے رہا ہوں جن کی شہرت اور عظمت کا ایک زمانہ معترف ہے۔ میں نے اب یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح دوں گا۔ میں بادشاہ سے نہیں ملنا چاہتا۔ مجھ کو بادشاہ سے ملنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔"

حمید خان ہنسنے لگا: "ان ولیوں اور بزرگوں سے میرے بارے میں بھی کچھ پرسش کر دینا۔ سنا ہے یہ اپنے وصال کے بعد بھی اپنی پسند کے انسانوں کی مدد کرتے رہتے ہیں۔"

قطب خان نے جواب دیا: "جناب! میں نے آپ کے کہنے سے پہلے ہی بزرگان دین کی روحوں سے التجا کر دی ہے۔ میں آپ کو کس طرح نظر انداز کر سکتا ہوں۔"

قطب خان کو خوشی تھی کہ حمید خان کے شکوک رفع ہو چکے تھے اور اس نے قطب خان کو بےضرر دیندار تسلیم کر لیا تھا۔ اب قطب خان کا کام بہت آسان ہو گیا تھا۔

قطب خان اپنے گھوڑے کو دلکی چال سے نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر لے گیا۔ اس وقت مزار پر میلہ سا لگا ہوا تھا۔ عورتوں اور مردوں نے مزار کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ قطب خان نے اس ہجوم میں بہلول کی تلاش شروع کر دی۔ یہیں مزار کے پائینتی اس نے ایک شخص کو اپنے مست سر کو پکڑے بیٹھے دیکھا۔ اس کی دونوں آنکھیں جگہ جگہ دیکھنے میں مشغول تھیں۔ قطب خان نے اس کو پہچان لیا۔ پاس جا کے کہنے لگا: "بھائی مجھے تم سے باتیں کرنا ہیں بولو، کہاں ملو تم سے۔؟"

جواب ملا۔ "باہر چل، کھلی جگہ میں درختوں کے نیچے باتیں ہو سکتی ہیں، ایک ایسی جگہ بیٹھیں چل کر جہاں سے آنے جانے والوں پر نظریں رکھی جا سکیں۔"

قطب خان نے بہلول کی آواز پہچان لی تھی وہ خاموشی سے مزار کی چہار دیواری سے نکل گیا۔ باہر ذرا فاصلے پر چند برگد کے درخت نظر آئے اس نے اپنے پیچھے مڑ کر دیکھا بہلول آہستہ آہستہ بیگانہ وار چلا آرہا تھا۔ قطب خان اس کو دیکھتے ہی برگد کے درختوں کی طرف بڑھ گیا۔ اور ایک درخت کی جڑ میں بیٹھ کر بہلول کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں سے ہر طرف کے آنے جانے والوں پر نظریں رکھی جا سکتی تھیں۔ کچھ دیر بعد بہلول بھی وہیں پہنچ گیا۔ قطب خان نے آہستہ سے کہا بھائی بہلول! حالات سنگین ہیں، حمید خان نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اگر میں نے اس کے وسیلے اور توسط کے بغیر بادشاہ تک پہنچنے کی کوشش کی تو وہ بدترین دشمن ثابت ہوگا۔"

بہلول نے پوچھا: "پھر تو نے کیا جواب دیا۔؟"

قطب خان نے جواب دیا: "میں نے حالات کی نزاکت کے پیش نظر حمید خان کو فریب دیا اور خود کو کم تر مان لیا ہے۔ اب وہ مجھ سے خوش ہے لیکن مجھ کو امید نہیں کہ وہ مجھے بادشاہ سے ملنے دے۔"

بہلول نے کہا: "ہمت نہ ہار۔ وقت کا انتظار کر حمید خان سے ہوشیار رہ اور اپنے مقصد کو ایک لمحے کے لئے بھی اپنے دل سے نہ نکال۔ یہ تیری خوش قسمتی ہے کہ حمید خان کھل گیا۔ اگر وہ مجھ پر تیری لاعلمی میں تیرے عقب سے وار کرتا تو، تو کیا کرتا۔؟"

قطب خان نے کہا: "اس کو بھی یہ یقین نہیں کہ تم سرہند میں ہو وہ کہتا تھا کہ تم سرہند کے علاوہ کہیں بھی ہو سکتے ہو۔ لیکن میں نے اس کی سختی سے تردید کر دی۔"

بہلول نے جواب دیا "قطب خان! تو میری فکر نہ کر، صرف اپنی فکر رکھ۔ حمید خان اتنا

بڑا پہلوان نہیں ہے جس کو، تُو چت نہ کر سکے۔"

قطب خان نے کہا: "میرا اپنا بھی یہی خیال ہے، تم یہاں کب تک ہو؟ کیا ایک اور ملاقات ہو سکتی ہے۔۔۔؟"

بہلول نے جواب دیا: "شاید ایک ملاقات اور ہو جائے، کل اسی وقت، اسی جگہ۔ لیکن تُو اپنا کام جاری رکھ۔ اگر تُو بادشاہ تک کسی طرح پہنچ گیا تو گویا تو اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ گیا۔"

قطب خان چپ ہو گیا۔ بہلول نے اس کو فکرمند محسوس کیا، کہا: "قطب خان! تردّد اور اندیشوں کو اپنے دل سے نکال دے۔ حمید خان تجھ کو ہرگز نہیں پہنچا سکتا، میں اس کی ضمانت دیتا ہوں۔"

قطب خان نے کسی قدر مایوسی سے کہا: "بھائی بہلول! میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ چالاک حمید خان نے بادشاہ کے آس پاس اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو چھوڑ رکھا ہے، ان کی موجودگی میں بادشاہ کے مزاج میں اثر و رسوخ پیدا کرنا بہت مشکل ہے، وہ لوگ مجھے آگے بڑھنے ہی کیوں دیں گے۔۔۔؟"

بہلول نے عجلت سے جواب دیا: "قطب خان! بادشاہ کے آس پاس حمید خان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کی موجودگی تیرے حق میں نیک فال ہے۔ بادشاہ ان کے درمیان خود کو بے بس اور قیدی محسوس کرتا ہو گا۔ ان حالات میں تو جس دن بھی بادشاہ کے قریب پہنچ گیا، بادشاہ کا معتمد ترین آدمی بن جائے گا۔"

ابھی یہ دونوں باتوں ہی میں مشغول تھے کہ انہیں ایک عورت آتی ہوئی نظر آئی۔ یہ تیز تیز قدم اٹھاتی بھاگی چلی آ رہی تھی۔ اس عورت کے پیچھے پیچھے دو آدمی تھے اور ان دونوں کی رفتار بھی عورت ہی جتنی تیز تھی۔

قطب خان گھبرا کر کھڑا ہو گیا، بولا: "میرا خیال ہے اب ہمیں چلا جانا چاہیے۔"

بہلول نے آنے والوں کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا: "میرا بھی یہی خیال ہے، مگر یہ ہیں کون؟ یہ بھی ہمیں معلوم ہونا چاہیے۔"

قطب خان بہت زیادہ پریشان ہو چکا تھا۔ وہ خوف زدہ بھی تھا، بولا: "بھائی بہلول کیا ہم خطرات میں گھرے ہوئے نہیں ہیں؟"

لیکن ابھی بہلول نے کوئی جواب بھی نہیں دیا تھا کہ وہ عورت ان دونوں کے پاس آ کر واویلا کرنے لگی۔۔۔ "اے شریف انسانو! مجھے ان بدمعاشوں سے بچاؤ!"

بہلول دونوں مردوں کی طرف بڑھا اور ڈانٹ کر پوچھا: "کیا بات ہے؟"

قطب خان بہت زیادہ خوف زدہ تھا۔ اس کو بہلول کی اس ناعاقبت اندیشی پر غصہ بھی آ رہا تھا اور افسوس بھی ہو رہا تھا اور اس کا خیال تھا کہ بہلول کی طرف سے جو غیر محتاط رویہ پیش آ رہا تھا اس میں اس کی اضطراری کیفیت کا ہاتھ تھا۔

عورت کا پیچھا کرنے والے مرد بہلول کی طرف لپکے: "تُو کون ہے اس کا؟ یہ ہم میں سے ایک کی بیوی اور دوسرے کی بھابی ہے۔"

بہلول نے تلوار کھینچ لی: "تم دونوں جھوٹے ہو، اس کا پیچھا چھوڑ دو ورنہ میں تم دونوں کو قتل کر دوں گا۔"

بہلول کی تلوار کی چمک نے دونوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا، ایک نے کہا: "میں کہتا ہوں اس عورت کو میرے حوالے کر دے ورنہ میں تیرے خلاف شاہی عدالت میں مقدمہ کر دوں گا۔"

بہلول نے عورت سے پوچھا: "عورت! سچ سچ بتا یہ دونوں تیرے کون ہیں؟ کیا لگتے ہیں؟"

عورت نے اپنے چہرے سے ذرا سی نقاب سرکائی تو اس پر پہلی نظر قطب خان کی پڑی۔ اس کو یوں لگا گویا بجلی کوند گئی۔ سورج کی خیرہ کن شعاع آنکھوں کو چکاچوند کر گئی۔

عورت نے جواب دیا: "یہ میرے کچھ بھی نہیں لگتے، یہ بدمعاش ہیں، یہ شاہی عدالت میں مقدمہ بھی نہیں لے جا سکتے، یہ بالکل جھوٹے ہیں۔"

بہلول نے ان دونوں کو ڈانٹا: "دیکھو، خیریت اسی میں ہے کہ تم دونوں بھاگ جاؤ ورنہ شاہی عدالت میں مقدمہ تو جائے یا نہ جائے تم دونوں جہنم ضرور چلے جاؤ گے۔"

ایک نے سختی سے کہا: "جناب یہ کیسی زبردستی ہے، میں تو اس کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا میں شور کر کے لوگوں کو جمع کروں گا اور تینوں کو پکڑوا کر بادشاہ کے پاس لے جاؤں گا۔"

قطب خان نے کہا: "بھائی بہلول! اس جھگڑے میں نہ پڑو، ورنہ کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے، عورت کو ان دونوں کے حوالے کر دو۔۔۔"

عورت نے قہر کی نظروں سے قطب خان کی طرف دیکھا: "بے غیرت انسان! میں نے تجھ سے مدد نہیں مانگی ہے۔" اس نے بہلول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "میں اس غیرت مند شخص سے مدد کی طالب ہوں، تُو اپنی راہ لے" اس کے بعد بہلول سے کہا: "بہادر انسان! خدا کے لیے ان موذیوں سے میرا پیچھا چھڑا دے، یہ میری عزت و آبرو کے درپے ہیں۔"

بہلول تلوار لہراتا ہوا دونوں کی طرف بڑھا: "تو بچو مجھ سے، اگر یہ عورت تمہاری بیوی یا بہن ہے تو دونوں بزور قوت ابھی آ کر مجھ سے چھین لو۔"

بہلول کی دلیری نے دونوں کو اتنا ڈرا سہما دیا کہ وہ بھاگ کھڑے ہوئے، وہ ایک پگڈنڈی پر بھاگنے لگے پگڈنڈی کے کنارے ایک درخت کے نیچے دو گھوڑے گھاس چرنے میں مشغول تھے یہ دونوں اچھل اچھل کر ان پر سوار ہوئے اور انہیں سرپٹ بھگاتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

قطب خان پریشان ہو رہا تھا کہ کہیں اس عورت کی وجہ سے کوئی بڑا ہنگامہ نہ اٹھ کھڑا ہو، لیکن بہلول زیادہ پریشان نہیں تھا۔ اب بہلول نے عورت سے پوچھا: "خاتون! آپ اپنے بارے میں کچھ بتائیے، کون ہیں؟ یہاں کس طرح اور کیوں آئیں اور اب کہاں پہنچا دیا جائے۔۔؟"

عورت برگد کی جڑ میں بیٹھ گئی۔ قطب خان اس کی ایک جھلک دیکھ چکا تھا، دوبارہ دیکھنے کی ہوس تھی۔ وہ بھی عورت کے سامنے بیٹھ گیا۔ بہلول قطب خان کے پاس کھڑا رہا۔ بولا۔ "میں اس لئے کھڑا ہوں کہ اگر کسی طرف سے کوئی مصیبت نازل ہو تو میں اس کا مقابلہ کر سکوں۔"

عورت نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دی، دونوں کو یہ بات لگی ایسا لگا گویا بدلی سے چاند نکل آیا۔ یا گھن سے آفتاب نمودار ہو گیا۔ یا شاخوں اور پتوں سے پھول نمودار ہو گیا۔ ابھی تک وہ دونوں جس کو عورت سمجھ رہے تھے وہ اٹھارہ انیس سالہ لڑکی نکلی۔ سرخ و سفید رخساروں پر شرمگیں آنکھیں بڑی بڑی پلکوں کے درمیان کیف و مستی کی غیر مرئی پھوار گرا رہی تھیں ان کا اثر قطب خان اور بہلول دونوں کو ہی بیک وقت سرشار کرنے لگا دونوں کی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔ لڑکی کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

لڑکی نے کچھ دیر خاموش رہ کر پوچھا: "اب آپ دونوں میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟"

بہلول نے جواب دیا: "جب تک مجھے اپنے سوالوں کے جواب نہ مل جائیں میں کیا جواب دوں۔؟"

لڑکی نے ہچکچاتے لہجے میں کہا: "میں اپنے باپ کے ساتھ نظام الدین اولیاء کے مزار پر آئی تھی۔ دونوں بدمعاشوں نے میرے والد کو ایک طرف لے جاتے ہوئے کہا۔ "ایک بات تو سنئے، وہ مجھ سے یہ کہہ کر مزار کے پاس ہی کھڑی رہو ان کے ساتھ چلے گئے۔ کچھ دیر بعد دونوں میں سے ایک شخص آیا اور مجھ سے کہا کہ خاتون! چلئے آپ کو آپ کے والد بلا رہے

ہیں، میں اس کے ساتھ مزار کی حدود سے باہر نکلی، ادھر ادھر باپ کو دیکھا وہ کہیں نظر نہ آئے۔ اس شخص نے برگد کے درختوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ تیرا باپ ان درختوں کے نیچے تیرا انتظار کر رہا ہے۔ دور سے آپ لوگ نظر نہیں آ رہے تھے۔ ابھی کچھ دور چل کر ہی یہ معلوم ہو چکا تھا کہ میرے ساتھ دھوکا کیا جا رہا ہے میں اللہ سے مدد مانگنے لگی پھر جیسے ہی آپ دونوں پر میری نظر پڑی میں چیختی چلاتی آپ کی طرف دوڑ پڑی۔"

بہلول نے کہا: "تیرا باپ کہاں چلا گیا۔۔؟"

لڑکی نے سسکیاں لینا شروع کر دیں بولی: "پتہ نہیں ان کا کیا حشر ہوا، کہیں انہیں قتل نہ کر دیا گیا ہو۔"

اب قطب خان بولا۔ "لڑکی! تو نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

لڑکی نے قطب خان کو جھڑک دیا: "میں اپنا نام نہیں بتاؤں گی۔ خدا کے لئے میرے باپ کو تلاش کرو۔"

قطب خان نے ناگواری سے کہا: "لیکن ہمیں کیا پتہ کہ تیرا باپ کون ہے؟"

بہلول نے کہا: "اس کے باپ کو پہچان لینا کوئی مشکل بات نہیں، اگر وہ مارا جا چکا ہے تو ہمیں اس مزار کے آس پاس جس شخص کی بھی لاش ملے گی وہ اس کے باپ کی ہوگی، اور وہ زندہ ہے تو ہمیں یہاں جو انتہائی بدحواس اور پریشان حال شخص نظر آئے گا۔ وہ اس لڑکی کا باپ ہوگا۔"

لڑکی نے داد تحسین اور شکر گزار نظروں سے بہلول کی طرف دیکھا اور مسکرا کر نظریں جھکا لیں۔ "میرے باپ کو آپ سے بہتر کون پہچانے گا۔"

قطب خان رشک و حسد کی آگ میں جلنے لگا، اپنی فراست کا رعب جمانے کے لئے بولا۔ "پھر بھی یہ تو پتہ کہ تیرے باپ کا نام کیا ہے اور اس کا تھوڑا بہت حلیہ بیان کر دے۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا اور پر امید نظروں سے بہلول کی طرف دیکھتی رہی۔

بہلول نے قطب خان سے کہا: "تو اس کا خیال رکھ، میں اس کے باپ کی تلاش میں جاتا ہوں۔"

بہلول چلا گیا، قطب خان کو باتیں کرنے کا موقع مل گیا بولا۔ "لڑکی! تو نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا، سر جھکا کر بیٹھی رہی۔ اس کی لاتعلقی اور خاموشی قطب خان کو مشتعل کر رہی تھی، وہ ذرا سختی سے بولا۔ "لڑکی! میں کیا احمق ہوں؟ تو میرے سوالوں کا جواب کیوں نہیں دیتی؟ تیرا نام کیا ہے؟"

ہو چکا تھا۔ بہلول نے اُن سے پوچھا: "آپ دونوں کو کہاں پہنچا دیا جائے؟"

لڑکی کے باپ نے جواب دیا: "دوستو اور میرے محسنو! میں تمھیں اپنے ساتھ لے چلوں گا کیونکہ میں اس وقت تک آپ دونوں کا شکریہ نہیں ادا کر سکوں گا جب تک آپ کی ضیافت نہ کی جائے۔ میں آپ دونوں کی دعوت کرنا چاہتا ہوں، اُمید ہے کہ آپ دونوں میرا دل نہیں توڑیں گے۔"

بہلول نے کہا: "اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں ہم دونوں تمھیں تمھارے گھر تک ضرور پہنچا دیں گے۔"

مگر قطب خان دعوت کھانے کے حق میں تھا کیونکہ دعوت کھانے کے بعد اس گھر میں راہ و رسم پیدا ہو سکتی تھی اور وہ ارجمند کے باپ سے راہ و رسم رکھنا چاہتا تھا۔ بولا: "میرا خیال ہے، ہمیں ارجمند کے باپ کی دعوت قبول کر لینا چاہیے، کیونکہ اس دعوت کے پیچھے جو خلوص کا جذبہ ہے اس کو نظر انداز کرنا دل آزاری میں شمار ہوگا۔"

بہلول قطب خان کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ بولا: "میں بذاتِ خود دعوت قبول کرنے کے حق میں یوں نہیں ہوں کہ کہیں کوئی مصیبت نہ اٹھ کھڑی ہو۔ میں کل واپس جانا چاہتا ہوں۔"

قطب خان نے کہا: "لیکن تم تو کل مجھ سے ملاقات کرنے والے تھے۔"

ارجمند کا باپ ان دونوں کے مباحثوں کو توجہ سے سُن رہا تھا۔ ارجمند نے اپنے باپ سے کہا: "بابا جان! اس شخص سے کہیے، میرا نام نہ لے۔ کسی نامحرم کا کسی لڑکی کا بے تکلفی سے نام نہ لینا کہاں کی شرافت ہے۔"

قطب خان شرمندہ ہو گیا۔ بہلول بھی جھینپ گیا لیکن ارجمند کے باپ نے کہا: "ارجمند! یہ دونوں شریف انسان ہیں۔ میں ان کا شکر گزار ہونا چاہیے اور میں انہیں دعوت کھلائے بغیر نہیں جانے دوں گا۔"

ارجمند چُپ ہو گئی۔ بہلول اور قطب خان اپنے اپنے گھوڑوں کو روضے کی بیرونی حدود سے کھول لائے۔ ارجمند کا باپ اپنا گھوڑا لے آیا اور ارجمند کو اپنے پیچھے بٹھا کر ایک طرف چل دیا۔ "آپ لوگ میرے پیچھے پیچھے چلیں۔"

بہلول اور قطب خان نے اپنے اپنے گھوڑوں کو ارجمند کے گھوڑے کے پیچھے بھگانا شروع کر دیا۔ بہلول بہت بے دلی کے ساتھ چل رہا تھا۔ کھیتوں اور باغوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے یہ لوگ تقریباً نصف گھنٹہ بعد ایک مکان کے دروازے پر رُک گئے۔ ارجمند کا باپ ارجمند کو لے کر اندر چلا گیا اور کچھ دیر بعد باہری بیٹھک کا اندر سے کھول کر

لڑکی نے کہا: "تم میرا نام جان کر کیا کرو گے؟ میں اپنا نام نہیں بتاؤں گی۔"

قطب خان نے کہا: "تیری مرضی۔ لیکن تجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں کوئی معمولی شخص نہیں ہوں۔"

لڑکی نے جواب دیا: "میں بہت پریشان ہوں اور جب تک میرا باپ نہیں آ جاتا میری پریشانی برقرار رہے گی یا پھر تو اپنے ساتھی کی واپسی کا انتظار کر۔ وہ تجھ سے زیادہ سلجھا ہوا اور سمجھدار انسان ہے۔ اس کی موجودگی میں تیرے ہر سوال کا جواب دینے کی کوشش کروں گی۔"

قطب خان اور زیادہ جل گیا۔ "لڑکی! تو ابھی نادان ہے۔ تجھے اچھے بُرے انسان کی کیا تمیز۔ جس شخص کی تو تعریفیں کر رہی ہے وہ میرے چچا کا بیٹا بھی ہے اور میرا بہنوئی بھی۔ اس نے میری بہن سے شادی کی اور پھر دوسری شادی دلی میں ایک سنار کی بیٹی سے کر لی۔ اس کو شادیاں کرنے کا شوق ہے۔ شاید وہ چار شادیاں اور کرے گا۔ تو اپنے بھولپن میں اس کو اچھا کہہ رہی ہے۔ مگر کئی شادیاں کرنے والا شخص نادر ہی اچھا ہو سکتا ہے۔"

لڑکی نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ قطب خان کو شدت سے یہ احساس ہو رہا تھا کہ لڑکی جواب نہ دے کر جلد جلد وقت ضائع کر رہی ہے۔ بہلول کے آ جانے پر زیادہ باتوں کی گنجائش نہیں رہے گی۔ بولا: "لڑکی! مجھے بادشاہ کا قرب حاصل ہے۔ اگر تو اپنا اور اپنے پیچھا کرنے والوں کے نام مجھے بتا دے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تجھ کو عزت آبرو کے ساتھ گھر پہنچا دیا جائے گا اور مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا جائے گا۔"

لڑکی نے جواب دیا: "اپنے بھائی کو آ جانے دے۔ اس کے بعد تیرے سوالوں کے جواب بھی مل جائیں گے۔"

قطب خان کو اپنے مقصد میں سخت ناکامی ہوئی تھی۔ جز بز ہو کر چُپ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد بہلول واپس آ گیا۔ اس کے ساتھ ایک چالیس بیالیس سالہ ادھیڑ عمر شخص بھی تھا۔ اس نے آتے ہی لڑکی کی پیشانی چوم لی اور بے قراری سے بولا: "ارجمند! اگر قرآن دو شریفوں کے تعاون سے محروم رہ جاتی تو میرا کیا حشر ہوتا۔ آہ ان دونوں بدمعاشوں نے میرے ساتھ کیا دھوکا کیا۔ ایک ضروری بات کہنے کے بہانے باہر لے گئے اور دوسرے نے تجھے غائب کر دیا۔ جب میں روضے میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ تو میری تلاش میں روضے کے پچھلی دروازے سے کہیں چلی گئی ہے۔ پاگلوں کی طرح تجھے ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ اگر یہ شریف جوان میرے پاس نہ پہنچا تو میں نہ جانے تیری تلاش میں کہاں چلا گیا ہوتا۔"

ارجمند اپنے باپ کے سینے سے سر ٹکا کر رونے لگی۔ قطب خان کو لڑکی کا نام معلوم

دونوں کو وہیں بلا لیا۔ ان دونوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کو ان درختوں سے باندھ دیا جو مکان کے سامنے ہی کھڑے ہوئے تھے۔ اندر بیٹھک میں سفید چاندنی پر خوبصورت قالیچہ بچھا ہوا تھا۔ قطب خان اور بہلول ان پر بیٹھ گئے۔

دونوں کی تیز نظریں بیٹھک کی ایک ایک شے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دیواروں پر کئی تلواریں اور خنجر لٹکے ہوئے تھے، ایک طرف ترکش میں تیر بھرے ہوئے تھے دو کمانیں ترکش کے پاس ہی ٹنگی ہوئی تھیں۔ بہلول نے کہا۔ یہ گھرانا بھی کسی جنگجو ہی کا معلوم ہوتا ہے۔ پھر کچھ یاد کرتے ہوئے کہا: "بھائی قطب خان! یہاں ہم دونوں ایک دوسرے کا نام نہیں لیں گے، اس کا خاص خیال رہے۔"

قطب خان نے جواب دیا: "میں تمھارا نام کیوں لوں؟ کیا میں وقت کی نزاکت سے اتنا بھی واقف نہیں؟"

کچھ دیر بعد ان دونوں کو لذیذ کھانے کھلائے گئے۔ قطب خان کی نظریں بار بار اس دروازے کی طرف اٹھ رہی تھیں جو اندرونی اور بیرونی حصوں میں حدِ فاصل بنا ہوا تھا۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا کہ شاید ارجمند بھی آجائے۔ بہلول کن انکھیوں سے قطب خان کی کیفیت کا اندازہ لگا رہا تھا۔

کھانے کے دوران ارجمند کے باپ نے کہا: "میرے محترم! آپ نے ابھی تک مجھ سے میرا نام نہیں پوچھا۔ ہر حال میں پھر بھی اپنا نام بتائے دیتا ہوں۔ میرا نام ہادی حسن ہے۔ میرا ایک جوان بیٹا بھی جو شاہی دربار سے وابستہ ہے، بس وہ آنے ہی والا ہے۔ اگر کچھ دیر اور ٹھہر جاؤ تو ارجمند کے بڑے بھائی مہدی سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔"

بہلول نے پوچھا: "تیرا بیٹا مہدی شاہی دربار میں کس منصب پر فائز ہے؟"

ارجمند کے باپ نے جواب دیا: "مہدی، بادشاہ کے وزیر حمید خان کے ملازموں میں ہے۔ اگر وہ تم دونوں کی موجودگی میں آ گیا تو میں اس سے تمھاری ملاقات ضرور کراؤں گا اور تم دونوں اس سے مل کر بہت خوش ہوگے۔"

قطب خان نے پوچھا: "وہ کتنی دیر میں آسکتا ہے؟"

ہادی نے جواب دیا: "بس چند ساعتوں میں آیا ہی چاہتا ہے۔"

بہلول نے کہا: "اس وقت تو ہم دونوں نہیں رکیں گے، ہاں پھر کبھی ملاقات کرنے ضرور آئیں گے۔"

لیکن قطب خان نے مخالفت کی، بولا: "اس وقت مل لینے میں کیا حرج ہے، تم

جانا چاہو تو چلے جاؤ مگر میں مہدی کے آنے تک رکا رہوں گا۔"

بہلول کھانا کھا چکنے کے بعد بڑی بے نیازی سے اٹھا اور باہر جاتے ہوئے کہا: "لیکن میں نہیں رک سکتا۔ میں جا رہا ہوں اگر دہلی میں رہا تو دو چار دن میں پھر آجاؤں گا۔"

قطب خان سر جھکائے بیٹھا رہا، بہلول چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی قطب خان کی ہمت عود کر آئی، ہادی سے کہنے لگا: "یہ شخص میرے باپ کا بھتیجا بھی ہے اور داماد بھی۔ میں اس کی بڑی عزت کرتا ہوں۔"

قطب خان نے ایک بار پھر اندرونی دروازے کی طرف دیکھا اور نظریں بہ حالت مایوسی واپس آگئیں۔

ہادی بھی فریضہ میزبانی یوں ادا کرتا رہا کہ اپنی دلچسپ باتوں سے قطب خان کو متوجہ اور مشغول رکھا۔ اور اکتاہٹ سے بچا لیا۔ انھی باتوں کے دوران ایک نوجوان بیٹھک میں داخل ہوا، چوڑا چکلا سینہ، بڑی بڑی آنکھیں گھنی ڈاڑھی، جس کے بال انگلی کے ایک پور کے چوتھائی سے زیادہ لمبے نہ ہوں گے، مونچھیں اوپری ہونٹ پر گھنی ہوتی محسوس ہوتی تھیں۔ قطب خان نے اس نوجوان میں ارجمند کی شباہت محسوس کر لی۔ ہادی بیٹے کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا، بولا: "مہدی! اپنے محسن مہمان سے ملو۔" پھر قطب خان سے کہا: "اپنا کیا نام بتایا تھا؟ نام تو میں بھول ہی گیا۔"

قطب خان نے جواب دیا: "شاید میں نے اپنا نام ابھی تک بتایا ہی نہیں۔ میرا نام قطب خان ہے اور میں سرہند کے حاکم اسلام خان مرحوم کا بیٹا ہوں۔"

اس تعارف نے باپ بیٹے کو یکساں چونکا دیا۔ ہادی نے گرم جوشی سے قطب خان کا ہاتھ پکڑ لیا: "تو اپنا یہ تعارف تم نے ابھی تک نہیں کرایا تھا۔"

مہدی نے مسکراتے ہوئے کہا: "ہاں میں نے انھیں حمید خان کے ہاں مہمان کی حیثیت سے دیکھا ہے، مجھ کو یہ بات بھی معلوم ہے کہ حمید خان ان سے خوف زدہ رہتا ہے۔"

ہادی نے بیٹے سے کہا: "مہدی بیٹے! آج اس نوجوان نے ہم پر بڑا احسان کیا۔ نظام الدینؒ اولیا کی درگاہ میں دو بدمعاشوں نے چالاکی سے تیری بہن کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی مگر قطب خان اور اس کے چچا کے بیٹے نے مل کر ان بدمعاشوں کو بھگا دیا اور ارجمند کو میرے حوالے کر دیا۔ یہ دونوں شریف نوجوان ہم دونوں کو گھر تک پہنچا بھی گئے۔ اب ہم ان کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔"

مہدی ... پرجوش انداز میں قطب خان سے بغل گیر ہو گیا اور بولا: قطب خان! آج سے تم میرے بھی بھائی ہو میں تمہیں ہمیشہ اپنا بھائی ہی سمجھوں گا۔"

ہادی اس وقت سے سوچ میں مبتلا تھا۔ جب قطب خان نے اپنا تعارف کرایا تھا۔ جب مہدی اور قطب خان بغل گیر ہو کر بیٹھ گئے تو ہادی نے کہا قطب خان! خدا تیری عمر دراز کرے اور مناصب اعلیٰ سے سرفراز کرے تو نے اپنے چچا کے بیٹے کا تعارف کس طرح کرایا تھا۔ ذرا ایک بار اور زحمت کر۔

قطب خان بہلول کا تفصیلی تعارف نہیں کرانا چاہتا تھا کیونکہ اس کو ڈر تھا کہ بہلول کی بڑائی اور عظمت کسی اور کو اپنے سامنے جھکنے نہیں دے گی۔ مختصر جواب دیا: جناب والا! وہ میرے چچا کا بیٹا اور میری بہن کا شوہر یہی اس کا خاندانی تعارف ہے۔

ہادی نے کہا: تب پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس کا نام بہلول ہے اسلام خان مرحوم کا بھتیجا اور داماد ہے؟

قطب خان نے حسد سے حامی بھری: ہاں وہ میرا بہنوئی اور میرے باپ کا داماد ہے مگر افسوس ہے کہ اس نے میری بہن کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔"

ہادی نے پوچھا۔ اس نے تمہاری بہن کے ساتھ کون سا برا سلوک کیا ہے؟ کیا مجھے بتانا پسند کرو گے؟"

قطب خان نے جواب دیا: کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟ اس نے میری بہن کی لاعلمی میں ایک شادی اور کر لی اب وہ.... دو بیویوں کا شوہر ہے۔"

مہدی نے افسوس سے کہا: بابا جان! افسوس کہ میں جب آیا بہلول جا چکا تھا حالانکہ میں اس کو پاس سے دیکھنے کی بڑی تمنا رکھتا ہوں! بہلول کا شمار اس دور کے عجیب سے لوگوں میں ہوتا ہے؟"

ہادی نے پوچھا: بہلول رہتا کہاں ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا: بہلول چوری سے دہلی آیا ہے اپنی نئی نویلی دلہن سے ملاقات کرنے، میں آپ لوگوں سے درخواست کروں گا کہ بھائی بہلول کی دہلی میں موجودگی کو پردۂ راز میں رکھا جائے گا۔ میں بہلول کو کسی مصیبت میں پھنسا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔"

ہادی نے کہا: قطب خان! ہم پر ایک احسان اور کرو۔"

قطب خان نے کہا: فرمائیے۔ میں حاضر ہوں۔"

ہادی نے کہا: میں تم دونوں کی ایک شاندار دعوت کرنا چاہتا ہوں تمہارا ہم پر مزید احسان یہ ہوگا کہ تم اس دعوت میں اپنے ساتھ بہلول کو بھی لیتے آؤ۔"

قطب خان نے بے دلی سے جواب دیا: بھائی بہلول تو واپس جانے والے ہیں معلوم نہیں اس وقت تک وہ دہلی میں ہوں گے بھی یا نہیں، دعوت میں بھائی بہلول کی شرکت کا تو خیال ہی اپنے دل سے نکال دینا چاہیے۔"

قطب خان بالکل نہیں چاہتا تھا کہ بہلول کا اس خاندان سے کسی قسم کا بھی تعلق رہے، وہ ذرا سی دیر میں یہ دیکھ چکا تھا کہ ارجمند اور اس کے باپ کے دل میں قطب خان کے مقابلے میں بہلول کی زیادہ عزت تھی۔

ہادی نے کہا: ہماری خواہش تو یہی تھی کہ ہماری دعوت میں تم بہلول کو بھی لے آتے لیکن اگر کسی وجہ سے ایسا ممکن نہیں ہے تو تم اکیلے ہی آسکتے ہو۔"

اس کے بعد قطب خان باپ بیٹے سے یوں گھل مل گیا گویا برسوں سے خاندانی مراسم چلے آ رہے ہوں لیکن اس خوشگوار ماحول میں قطب خان کو بس ایک ہی اذیت رہی۔ کافی دیر تک بیٹھے رہنے کے باوجود ارجمند کی ایک جھلک بھی دیکھنے میں نہ آئی۔

جب وہ وہاں سے واپسی کے لئے اٹھا تو اس کے دل پر بڑا بوجھ تھا۔ مستقلاً ایسا محسوس ہوتا رہا گویا وہ ارجمند کی بیٹھک میں اپنا سب کچھ چھوڑ آیا تھا۔

اب قطب خان بادشاہ سے جلد از جلد رابطہ قائم کرنے کی فکر میں تھا اور یہ کام حمید خان کو راضی کئے بغیر ناممکن تھا۔ اس نے حمید خان سے کہا: جناب والا! مجھے آپ کی مہمان نوازی سے شرم آنے لگی ہے اب یا تو آپ مجھے بادشاہ تک پہنچا دیجئے ورنہ واپس جانے کے لیے اجازت دیجئے میں اپنے بھائی بہلول کے پاس واپس چلا جاؤں گا۔"

حمید خان یہ نہیں چاہتا تھا کہ قطب خان ناراض ہو کر بہلول کے پاس واپس جائے، کیونکہ وہ بہلول کی طاقت سے خائف تھا مگر ساتھ ہی یہ بھی نہیں

چاہتا تھا کہ قطب خان کو بادشاہ کے پاس تب پہنچا دیا جائے۔ ٹالنے کے لیے جواب دیا۔ "قطب خان! ضد نہ کرو، میں کسی مناسب موقع کی تلاش میں ہوں۔ تیرا کام بہت جلد ہو جائے گا۔ زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

اس دوران قطب خان کئی بار نظام الدین اولیا کے مزار پر گیا لیکن بہلول سے ملاقات نہیں ہوئی۔ قطب خان سمجھ گیا کہ بہلول سرہند واپس چلا گیا ہو گا۔ اب وہ ارجمند کے گھر جانے کے لیے بے چین تھا۔ لیکن جب تک ارجمند کا باپ ہادی اس کو خود نہ بلاتا وہ نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس کو ایسا لگا گویا ہادی نے اس کو بھلا دیا تھا۔

ہادی کی پہلی ملاقات کے پانچویں دن ارجمند کے بھائی نے قطب خان کو ایک جگہ راستے میں روک لیا۔ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "قطب خان! تم دوبارہ ہمارے گھر کیوں نہیں آتے؟"

قطب خان مہدی سے مل کر یوں تو بہت خوش ہوا مگر خوشی کو چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ بے رُخی سے بولا۔ "تم لوگوں نے یاد کیا ہوتا تو ضرور آتا۔ میں تو انتظار ہی کرتا رہ گیا۔"

مہدی نے کہا۔ "بھائی قطب خان! دربار کی فضا سے تم واقف ہو۔ اگر میں تم سے حمید خان کے محل میں ملتا تو وہ شک و شبے میں مبتلا ہو جاتا اور بات معلوم نہیں کہاں تک پہنچتی۔ اب تم کل دوپہر کا کھانا ہمارے گھر کھاؤ گے، وہاں ہر کوئی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

قطب خان نے آنے کا وعدہ کر لیا۔ مہدی نے کہا۔ "افسوس کہ میں سرِ راہ زیادہ باتیں نہیں کروں گا۔ بقیہ باتیں گھر پہ ہوں گی۔"

مہدی چلا گیا۔ قطب خان ارجمند کے خیالوں میں گم ہو گیا۔ اس نے سوچا اگر اس کیفیت کا نام محبت ہے تو وہ ارجمند کے عشق میں مبتلا ہو چکا ہے اور بہلول زیبا کا معاملہ اب کسی حد تک اس کی سمجھ میں آ چکا ہے۔ وہ ارجمند کو کچھ زیادہ مشکل الحصول نہیں سمجھ رہا تھا لیکن ارجمند کا حصول اسی صورت میں آسان ہو سکتا تھا جبکہ وہ شاہی ملازمت حاصل کر چکا ہو۔

اس دن رات کو حمید خان اس سے بہت اچھی طرح پیش آیا۔ حمید خان خلافِ معمول قطب خان کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ بھوکا بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے قطب خان کو دیکھتے ہی کہا۔ "قطب خان! تو کہاں چلا گیا تھا۔ میں تو تیرا بڑی دیر سے انتظار کر رہا ہوں۔ میں نے

تیری وجہ سے ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا۔"

قطب خان، حمید خان کے اس التفات خلافِ توقع پر اس کو حیرت سے دیکھا اور جواب دیے بغیر کھانے میں شریک ہو گیا۔ حمید خان نے کھانا کھاتے کھاتے اچانک سوال کیا۔ "قطب خان! کچھ معلوم ہے ان دنوں بہلول کہاں ہے؟"

قطب خان کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ گیا۔ پھر بھی ضبط و احتیاط سے کام لیا، پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "بھائی بہلول سرہند میں ہیں مگر اس سوال سے آپ کا مقصد؟"

حمید خان نے کہا۔ "بہلول سرہند ہی میں ہے یا کہیں اور۔ اگر میں تجھے اس کے پاس بھیجوں تو تو کتنی جلدی اس کے پاس پہنچ سکتا ہے؟"

قطب خان نے پوچھا۔ "یہ بھائی بہلول کی اچانک یاد کیوں آگئی؟ چونکہ میں کچھ عرصے سے سرہند سے دور ہوں اس لیے ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ بھائی بہلول کہاں ہیں اور ان سے ملاقات کرنے کے لیے کتنا وقت درکار ہو گا؟"

حمید خان نے کہا۔ "کل میں تجھ کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ بہلول کے بارے میں جو باتیں کرنا ہیں بادشاہ تجھ سے خود کرے گا لیکن بادشاہ کے پاس جانے سے پہلے تجھ کو مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا۔"

قطب خان، حمید خان کی اشارتی بات چیت سے بہت پریشان ہو گیا تھا مگر اس پریشانی کو حتی الامکان چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ چونکہ دوسرے دن دوپہر کا کھانا ارجمند کے گھر کھانا تھا۔ اس لیے اس سے پہلے بادشاہ کے پاس جانے میں اس کو تامل تھا۔ اس کو کچھ پتہ نہ تھا کہ بادشاہ نے اس کو کیوں طلب کیا تھا؟ اور یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس کو بادشاہ کے پاس کتنی دیر رکنا پڑے گا۔

حمید خان نے پوچھا۔ "قطب خان! کیا بات ہے کیا سوچنے لگا؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں بادشاہ سے کل کے بجائے پرسوں ملوں؟"

حمید خان نے سختی سے منع کر دیا۔ "نہیں، ملاقات کل ہی ہونا چاہیے۔ بادشاہ نے تو آج ہی بلا لیا تھا تجھے لیکن میں نے کل پر ٹال دیا۔"

قطب خان نے سوچا کہ جو کچھ ہونا ہے اس کو وقت اور قسمت کے حوالے کر دینا چاہیے۔ پوچھا۔ "ٹھیک ہے مگر یہ تو بتایئے کہ بادشاہ کے پاس جانے سے پہلے

مجھ کو آپ سے کیا وعدہ کرنا پڑے گا؟"

حمید خان مسکرایا۔ "یہ کہ تو میرا وفادار رہے گا، مجھ سے دھوکا نہیں کرے گا۔"

قطب خان نے جواب دیا۔ "وفاداری کا وعدہ تو میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔"

حمید خان بولا۔ "میں نے تجھ پر اعتبار کیا اور تیرے وعدے کے عوض میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس وقت تک تیرا ساتھ دیتا رہوں گا جب تک کہ تو میرا ساتھ دے گا۔"

پھر دونوں خاصے گھلے ملے انداز میں باتیں کرنے لگے لیکن ایک بات دونوں کی باتوں سے مترشح تھی۔ وہ یہ کہ اعتبار دونوں ہی کو نہیں ہے، نہ قطب خان کو حمید خان پہ اور نہ حمید خان کو قطب خان پر۔

رات کو فکر اور تشویش نے قطب خان کو سونے نہیں دیا۔ بار بار یہی خیال پریشان کرتا رہا کہ بہلول کو دہلی میں کسی نے دیکھا ضرور ہے اور یہ بات بادشاہ کے علم میں آگئی ہے۔ اب بادشاہ قطب خان سے الٹے سیدھے اور پریشان کن سوالات کر کے ہلکان کر دے گا۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اگر بادشاہ کو بہلول کے بارے میں سچ سچ بتا دیا جائے تو اس سے خود اس کی ذات کو کیا فائدہ پہنچے گا؟ اس سچ سے وہ بادشاہ کا اعتماد حاصل کرے گا؟ اگر یہ ممکن تھا تو قطب خان کے خیال میں یہ سچ بادشاہ کے روبرو بولا جانا چاہیے۔ اگر کسی طرح بادشاہ کا مقرب بن گیا تو ارجمند کی حصولیابی بہت آسان ہو جائے گی۔ اس کے خیال میں ارجمند کی حصولیابی ہی اس کی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ تھا۔ وہ اس مسئلے کو اپنے حق میں حل کرنا چاہتا تھا۔

رات بھر فکر اور تشویش میں مبتلا رہنے کے بعد صبح سے ذرا پہلے اس کی آنکھ جو لگی تو خواب میں بھی یہی نظر آیا کہ بادشاہ نہایت برہم ہے اور وہ غضبناک لب و لہجے میں اس کو ڈانٹ رہا ہے کہ جب بہلول اور قطب خان ایک ساتھ ہی دہلی میں داخل ہوتے تھے تو اس کو بادشاہ سے چھپایا کیوں گیا؟ اس نے حمید خان کے تیوروں میں بھی فرق محسوس کیا۔ حمید خان بھی اس کی حمایت اور تائید سے دستبردار نظر آ رہا تھا۔

صبح، طلوع آفتاب سے ذرا پہلے قطب خان، حمید خان کے ساتھ بادشاہ کے پاس چلا گیا۔ بادشاہ نے قطب خان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کو اپنے قریب بلا لیا۔ بادشاہ تینوں طرف سے گاؤ تکیوں میں گھرا ہوا تھا۔ بظاہر وہ مسکرا رہا تھا لیکن اس کی نظروں سے وحشت اور پریشانی صاف عیاں تھی۔ اس نے حالت اضطرار میں قطب خان نے سوال کیا۔ "تو دہلی میں کب سے آیا ہوا ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "بندہ پرور! ناچیز تو یہ جانتا ہے کہ حضور نے جس دن مجھے اذن باریابی بخشا گویا اسی دن میں دہلی میں داخل ہوا۔"

بادشاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "خوب خوب۔ اچھا یہ بتا تیرا بھائی بہلول کہاں ہے؟"

قطب خان نے سچ بولنا چاہا مگر فوراً ہی خیال آیا کہ اگر اس سچ سے افغان کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو بڑی شرم ناک بات ہوگی۔ جواب دیا۔ "حضور والا! جب میں دہلی آیا تھا، بہلول سرہند میں تھا۔ اب پتہ نہیں وہ سرہند میں ہے یا کہیں اور چلا گیا۔"

بادشاہ نے کہا۔ "اگر میں تجھے بہلول کے پاس روانہ کر دوں تو تو اس کے پاس کتنے عرصے میں پہنچ جائے گا؟"

قطب خان کو پسینہ آنے لگا، بولا۔ "میں جلد از جلد بادشاہ کے پاس واپس آنے کی کوشش کروں گا۔"

بادشاہ نے حمید خان کی طرف دیکھا۔ حمید خان نے کہنا شروع کیا۔ "قطب خان! بادشاہ سلامت کو تیری قوم کی مدد درکار ہے، مالوے کا محمود خلجی لشکر جرار لیے دہلی کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے، تیرا بھائی بہلول ایک معاہدے کے تحت بادشاہ کی مدد کرنے کا پابند ہے، تو شاہی مکتوب لے کر جلد از جلد بہلول کے پاس جا اور اس کو اپنی جنگ جو قوم کے ساتھ بادشاہ کی مدد پر لے آ۔ بہلول کو یہ بات زبانی سمجھا دے کہ وہ اس وقت اپنی قوم کے جتنے زیادہ آدمی لائے گا بادشاہ کی اتنی زیادہ ہمدردیاں اور توجہ حاصل کرے گا۔"

اب قطب خان کی جان میں جان آئی، بولا۔ "براہ کرم مجھے شاہی مکتوب بنام بھائی بہلول عطا کیا جائے۔ میں کل ہی سرہند روانہ ہو جاؤں گا اور دوبارہ بھائی بہلول اور اپنی قوم کے جیالوں کے ساتھ دہلی واپس آؤں گا۔"

بادشاہ نے حمید خان سے پوچھا۔ "کیا یہ مکتوب تیار ہے؟"

حمید خان نے جواب دیا۔ "جی قبلۂ بندگان! جس وقت یہ سرہند جانے لگے گا وہ مکتوب اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔" پھر قطب خان نے کہا۔ "مکتوب اپنے بھائی بہلول کے حوالے کر دینے کے بعد بھی تیرا کام ختم نہیں ہو جاتا۔ تو بہلول کو مجبور کر دے گا کہ وہ محمود خلجی کے مقابلے پر اپنی قوم کے زیادہ سے زیادہ بہادر

کو لاکر کھڑا کر دے۔"

قطب خان نے جواب دیا۔ "آپ اور جہاں پناہ کو مطمئن ہو جانا چاہیئے۔ بھائی بہلول کے ایک اشارے پر ہزاروں افغان بادشاہ سلامت پر اپنی جان نچھاور کرنے حاضر ہو جائیں گے میں بادشاہ کا یہ کام انتہائی خلوص، تن دہی، مستعدی اور پوری لیاقت اور صلاحیت سے انجام دوں گا۔ جب یہ اہم کام میرے سپرد کیا جا رہا ہے تو بادشاہ کو یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ یہ کام ہو گیا۔"

بادشاہ نے کہا۔ "اگر تیرا بھائی بہلول اور تیری قوم محمود خلجی کا منہ موڑ دینے میں کامیاب ہو گئی تو میں اس کا کئی گنا زیادہ اجر دوں گا۔ میں احسان شناس ہوں اور اپنے محسنوں کو کسی حال میں بھی فراموش نہیں کرتا۔"

حمید خان نے بادشاہ کو اس درجہ گرتے جو دیکھا تو گھبرا گیا، بولا۔ "بس حضور والا! آپ کا کام ختم ہو گیا، کل قطب خان شاہی مکتوب بنام بہلول لودھی لے کر روانہ ہو جائے گا اور بہلول کو اس مکتوب پر شاہی جاں نثاروں اور وفاداروں کی طرح عمل کرنا ہو گا، وہ بادشاہ کا نمک خوار ہے اور وہ بادشاہ کی خدمت انجام دے کر حضور پر کوئی احسان نہیں کرے گا بلکہ حق نمک ادا کرے گا۔"

بادشاہ سنبھل گیا، بولا۔ "اچھا تو قطب خان کو رخصت کر دیا جائے۔"

حمید خان اس وقت قطب خان کو شاہی دربار سے باہر لے آیا، اس کو شاہی معتمد کے پاس بٹھا کر وہ بادشاہ کے پاس دوبارہ گیا اور عاجزی سے عرض کیا۔ جہاں پناہ! قطب خان ایک معمولی آدمی ہے اور بہلول بادشاہ کا ایک صوبے دار، حضور کو اُن کے سامنے شاہی دبدبہ کام میں لانا چاہیئے۔ انہیں حکم دینا چاہیئے۔"

بادشاہ نے جواب دیا۔ "ہاں تو بھی صحیح کہتا ہے آئندہ میں اس کا خاص خیال رکھوں گا۔"

بادشاہ اور حمید خان میں کچھ خاص باتیں زیر بحث رہیں، حمید خان کی بلوری پوری کوشش تھی بادشاہ افغانوں کے زیر اثر نہ رہے اس کو اعتماد کرنا ہے تو اپنے وزیر حمید خان پر کرے، احسان مند ہونا ہے تو اپنے وزیر کا احسان مند ہو اور یہ کہ مالوے کے محمود خلجی کا اگر کوئی مقابلہ کر سکتا ہے تو وہ حمید خان کی

فراست ہے۔

بادشاہ حمید خان سے بھی ڈرتا تھا، اس نے وزیر کی تیوریوں پر بل جو دیکھے تو ڈر گیا، بولا۔ "اگر تیری مرضی یہ نہیں ہے کہ بہلول کو مدد کے لئے آواز دی جائے تو کوئی بات نہیں، میں تو اس بلا کو ٹالنا چاہتا ہوں، یہ بلا تو خود ٹالے یا کوئی اور۔ میں آم کھانا چاہتا ہوں درختوں کی گنتی سے فائدہ؟"

حمید خان بادشاہ پر رنگ جما کے باہر نکلا، قطب خان کو ساتھ لیا اور اپنے محل واپس چلا گیا، اس نے قطب خان سے صاف صاف کہہ دیا۔ "قطب خان! ابھی کچھ دیر پہلے بادشاہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں اپنے آپ پر اعتماد حاصل کرنا چاہیئے اور بہلول کو حکماً اسی طرح بلایا جا رہا ہے جس طرح چند دوسرے صوبے داروں کو طلب کر لیا گیا ہے۔"

قطب خان نے جواب دیا۔ "ظاہر ہے خانہ زادوں کو حکماً ہی بلایا جاتا ہے ہمیں اپنی حیثیت کا بخوبی علم ہے۔"

وہ دوپہر سے ذرا پہلے ہی ارجمند کے گھر روانہ ہو گیا، جب دور ہی سے ارجمند کا گھر نظر آنے لگا تو قطب خان کا دل بری طرح دھڑکنے لگا، شوق کی فراوانی نے اس کے پورے وجود کو سرشار کر رکھا تھا۔

اس نے ارجمند کے دروازے پر بہلول کے گھوڑے کو کھڑے دیکھا دل پر ایک چوٹ سی لگی، اس کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ بہلول ابھی تک دہلی ہی میں موجود ہے اور اس کی دوسری ملاقات ارجمند کے گھر میں ہو گی اس وقت وہ متاسف بھی تھا اور غضب ناک بھی، اس کے خیال میں بہلول کو اس کی عدم موجودگی میں یہاں نہیں آنا چاہیئے تھا۔

قطب خان کے گھوڑے نے معلوم نہیں کیوں، ارجمند کے دروازے پر پہنچتے ہی اپنے پاؤں پٹکنا شروع کر دیئے۔ اس آواز پر مکان کے اندر سے مہدی نمودار ہوا۔ وہ قطب خان کو دیکھتے ہی کھل گیا اور استقبال اور خوش آمدید کے لیے آگے بڑھا۔

قطب خان گھوڑے سے اتر پڑا اور اس کی راس زین پر پھینک دی لاپروائی سے مہدی کو مخاطب کیا۔ "اندر اور کون کون ہے؟"

مہدی نے جواب دیا۔ "بھائی بہلول! بڑی دلچسپ باتیں کر رہے ہیں،

ارجمند تو بہلول کی باتوں پر لوٹ پوٹ ہوئی جارہی ہے۔"

قطب خان کے دل پر بجلی سی گری، بولا۔ "کمال ہے، تم لوگ غیروں سے اتنی جلدی بے تکلف ہو جاتے ہو۔"

مہدی نے قطب خان کو برہم ہوتے دیکھا تو دیکھتا رہ گیا، بولا۔ "قطب خان! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کون غیر کیسا غیر؟ میں تم لوگوں کو اپنا سمجھنے لگا ہوں۔"

قطب خان نے گھوڑے کو ایک درخت کے تنے سے باندھ دیا اور مہدی سے پوچھا۔ "یہ بہلول کب کا آیا ہوا ہے؟"

مہدی نے جواب دیا۔ "قریب ایک ساعت گزر گئی، کیوں؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "مہدی! ابھی تم لوگ بہلول سے واقف نہیں ہو، بادشاہ کو بہلول کی دہلی میں موجودگی کا کسی طرح علم ہو گیا ہے اس کو اپنے گھر میں مت آنے دو، مبادا بادشاہ کے معتوب قرار پا جاؤ۔ دوسرے یہ کہ بہلول کو شادیاں کرنے کا شوق ہے، دو کر چکا ہے تیسری کی فکر میں ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری بھولی بھالی بہن ارجمند کو اپنی طرف مائل کرے، وہ اس فن میں طاق ہے۔"

مہدی گرم ہو گیا۔ "بھائی قطب خان! تم کیسی باتیں کر رہے ہو، میں بذاتِ خود بہلول سے بہت زیادہ متاثر ہوں، میں اس کو ایک نظر دیکھنے کے لئے بے چین رہتا تھا، وہ ہمارے گھر میں ایک شریف انسان کی طرح داخل ہوا ہے، اگر تم دونوں بھائیوں میں کسی قسم کے خاندانی یا کوئی اور اختلافات موجود ہیں تو انہیں اپنی ذات تک محدود رکھو، مجھے تعجب ہے کہ بھائی بہلول نے تمہاری ایک بار بھی مخالفت نہیں کی حالانکہ آج وہ چوتھی بار ہمارے گھر میں تشریف لائے ہیں۔"

اس انکشاف نے قطب خان کو اور زیادہ دل برداشتہ کر دیا، بے چینی سے پوچھا۔ "چوتھی بار؟ کیا مطلب؟ کیا وہ ہر روز آتا رہا ہے۔"

مہدی نے جواب دیا۔ "نہیں تو، وہ ایک دن چھوڑ کے آتے رہے ہیں ہمارے گھر میں، بہلول سے پردہ بھی نہیں کیا جاتا اور ابھی تک بہلول ایک شریف انسان ثابت ہوتے ہیں!"

قطب خان کے جی میں آئی کہ وہ ارجمند کے دروازے پر سے ہی واپس

چلا جائے لیکن ارجمند کا شوقِ دیدار اس کے پاؤں پکڑ رہا تھا، آہستہ سے بولا "اچھا اگر یہ بات ہے تو اچھی بات ہے، تم ان باتوں کا ذکر بہلول سے نہ کرنا، میں نے جو کچھ بھی کہا ہے نیک نیتی اور خلوص سے کہا ہے کیونکہ میں اس گھر کو اپنا گھر سمجھنے لگا ہوں، چلو اندر چل کے باتیں کرتے ہیں۔"

جب وہ دونوں اندر داخل ہوتے تو انہیں یہ دیکھ کر تعجب بھی ہوا اور خفت بھی کہ دروازے کی آڑ میں بہلول کھڑا ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا، وہ ان دونوں کو دیکھ کر مسکرانے لگا اور قطب خان سے کہا۔ "ہاں بھائی قطب خان! تم بھی پیچ کہتے ہو، مجھ کو دو ہی شوق ہیں، عورتوں کی تسخیر اور شہروں اور علاقوں کی فتح اور میرے خیال میں یہ دونوں شوق برے نہیں ہیں، دنیا کے ہر بڑے آدمی میں یہ دو شوق موجود ملیں گے۔"

قطب خان نے بات ٹالنا چاہی، بولا۔ "بھائی بہلول! بادشاہ کو تمہاری ضرورت پیش آ گئی ہے، وہ کل تمہارے نام ایک مکتوب دے گا، جہاں کہو، پہنچا دوں گا۔"

بہلول نے کہا۔ "کل کی باتیں کل پر اٹھا رکھو، آج کی باتیں کرتا رہ۔"

وہ تینوں ایک ساتھ اندر گئے، وہاں دعوت کا نہایت اہتمام کیا گیا تھا اور پورا کمرہ معطر اور لذیذ کھانوں کی خوشبو میں ڈوبا ہوا تھا، ہادی قطب خان کو دیکھتے ہی لپکا اور محبت سے بغل گیر ہو گیا، مہدی زنان خانے میں چلا گیا۔

جب یہ تینوں اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ تو ہادی نے شکایتہً کہا۔ "قطب خان مجھ کو تم سے یہ امید نہ تھی کہ ہمیں اتنی جلدی بھلا دو گے؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "جناب! میں تو آپ کے بلاوے کا منتظر رہا۔"

ہادی نے کہا۔ "کیسا بلاوا؟ کس کا بلاوا؟ یہ تمہارا اپنا گھر ہے، جب چاہو آؤ جاؤ! بہلول نے اس گھر کو اپنا گھر سمجھ لیا تھا چنانچہ انہیں نہیں بلانا پڑا۔"

قطب خان، بہلول کے بار بار ذکر سے یہ محسوس کرنے لگا تھا، گویا اس کو چڑایا جا رہا ہے، وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔

بہلول نے پوچھا۔ "بادشاہ کو میری ضرورت کیوں پیش آگئی؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "کچھ پتہ نہیں، کل صبح مجھے شاہی مکتوب بنام بہلول مل جائے گا، میں اسی کو لے کر سرہند روانہ ہو جاؤں گا۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو بہلول۔"

بہلول نے ہنس کر کہا۔ "اس مکتوب میں کیا لکھا ہے میں جانتا ہوں، بادشاہ بھی وہ سب نہیں جانتا جو میں جانتا ہوں، محمود خلجی ایک طاقت ور حکمران سہی لیکن بہلول لودھی سے زیادہ طاقت ور تو نہیں ہو سکتا۔ میں خود کو بھی جانتا ہوں اور بادشاہ کو بھی، محمود خلجی بھی میری نظر میں ہے۔ اچھا تو اس ذکر کو ختم کرو۔"

کچھ دیر بعد مہدی زنان خانے سے نمودار ہوا اور انہیں مطلع کیا کہ کھانا دسترخوان پر لگ چکا ہے ہاتھ دھو کر بیٹھ جائیں۔

دونوں ہادی کے ساتھ اٹھے، گھر کا خادم پانی اور سلفچی لے آیا، دونوں کے ہاتھ دھلوائے، ہاتھ پونچھنے کا کپڑا دیا اور پھر ہادی ان دونوں کو اپنے ساتھ اس کمرے میں لے گیا، جہاں دسترخوان پر سجے ہوئے لذیذ کھانے ان کا انتظار کر رہے تھے۔

قطب خان کھانا تو کھا رہا تھا مگر دل ارجمند میں لگا ہوا تھا۔ اس کو یہ دکھ بہت پریشان کر رہا تھا کہ ارجمند اس کی عدم موجودگی میں تو بہلول کے سامنے رہتی تھی اور اس کی باتوں پر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتی تھی مگر جب قطب خان آیا تو زنان خانے میں روپوش ہو گئی، وہ بہلول کو بہت خوش قسمت سمجھ رہا تھا جو کسی بھی لڑکی یا عورت کے دل کو جیت لینے کی خداداد صلاحیت رکھتا تھا۔

کھانے کے دوران ہر کوئی خاموش رہا، اس کے بعد جب یہ لوگ دوبارہ اسی کمرے میں واپس گئے، جہاں پہلے بٹھائے گئے تھے تو باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، بہلول یہاں بھی بے تکلف اور بے تکان بولے چلا جا رہا تھا، وہ باتوں ہی باتوں میں نام لیے بغیر بادشاہ کو ہدفِ ملامت بنائے ہوئے تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ "اس دنیا میں بعض لوگ اپنی عقل حوصلہ اور معاملہ فہمی میں بڑے ہوتے ہیں مگر قسمت انہیں بڑا بنا دیتی ہے اور بعض بڑے ہوتے ہیں مگر ان کی قسمت انہیں چھوٹا بنائے رکھتی ہے۔" پھر قطب خان کو بطورِ خاص مخاطب کیا۔ "قطب خان!

میں نے جو کچھ کہا اس کو تجھ سے بہتر کون سمجھے گا۔ اب میں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ جو چھوٹا ہے اس کو اس کی چھوٹی سی جگہ پر بٹھا دیا جائے اور جو بڑا ہے اس کو اس کے شایانِ شان جگہ دی جائے۔ میں کوشش کروں گا کہ آدمی کو اس کی حیثیت کے مطابق مقام عطا کیا جائے۔"

قطب خان کو ارجمند کا انتظار تھا۔ بہلول کی باتیں زہر لگ رہی تھیں مگر ہادی بہلول کی باتیں نہایت توجہ سے سن رہا تھا اور والہانہ انداز میں داد بھی دے رہا تھا۔ باتیں کرتے کرتے بہلول نے اچانک پانی مانگ لیا، بہلول کو پانی خود پیش کرنے میں ہادی اپنی عزت افزائی اور خوش نصیبی سمجھتا تھا، اٹھا اور پانی لینے اندر چلا گیا، اس کے جاتے ہی بہلول نے قطب خان سے کہا۔ "کل میں یہیں اسی گھر میں تیرا انتظار کروں گا تو شاہی مکتوب مجھے میرے حوالے کرے گا اور میں کل ہی سرہند چلا جاؤں گا۔"

قطب خان نے پوچھا۔ "اور میرا کیا بنے گا؟ کیونکہ بادشاہ اور حمید خان کے علم میں تو یہ ہے کہ میں تمہارا مکتوب تمہیں سرہند پہنچاؤں گا۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "جب تک میں واپس نہ آؤں، تم ہادی کے مہمان رہو گے اور میرے آجانے پر تم میرے ساتھ بادشاہ اور حمید خان کے پاس چلو گے۔"

اتنی دیر میں ہادی پانی لے کر آ گیا۔ بہلول نے ایک ہی سانس میں سارا پانی پی لیا۔

قطب خان نے پوچھا۔ "کیا تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ بادشاہ کے مکتوب میں وہی لکھا ہو گا جو تم سمجھ رہے ہو؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "بادشاہ کو محمود خلجی کے مقابلے میں میری مدد درکار ہے اور میں انشاءاللہ بیس ہزار کا لشکر لے کر حاضرِ دربار ہو جاؤں گا اس وقت تک تم ہادی کے پاس رہو گے۔"

ہادی نے بہلول کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بات ہے بہلول؟ تمہاری عدم موجودگی میں میرے گھر میں کون رہے گا؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "بھائی قطب یہاں رہیں گے، بات یہ ہے کہ میری دہلی میں موجودگی ایک ذاتی معاملہ تھا۔ بادشاہ اور وزیر کو بالکل نہیں معلوم کہ بہلول کہاں رہ رہا ہے۔ کل قطب خان اس گھر میں میرے لیے شاہی

مکتوب لائے گا۔ میں تم سے یہ درخواست کروں گا کہ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں یہ یہیں رہے گا۔"

ہادی کو کوئی اعتراض نہ تھا، بہلول اسی وقت اجازت لے کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے ساتھ جانے والوں میں وہ افغان سردار بھی تھے جو سرہند سے اس کے ساتھ آئے تھے۔

بہلول کے چلے جانے کے بعد قطب خان نے خود کو ہلکا اور آزاد محسوس کیا، مزاج کی گھٹن دور ہو گئی تھی اب مہدی بھی قریب آ گیا، بولا۔ "یہ بھائی بہلول کہاں چلے گئے ہیں؟"

ہادی نے جواب دیا۔ "بہلول کل آئیں گے اور کل ہی سرہند چلے جائیں گے۔"

مہدی نے کہا۔ "واہ وہ مجھ سے ملے بغیر ہی چلے گئے۔"

اب قطب خان نے کہا۔ "مہدی! میں بہلول کو تم لوگوں سے زیادہ بہتر جانتا ہوں، اس کا مردوں میں دل ہی نہیں لگتا، وہ ہمیشہ عورتوں کی فکر میں رہتا ہے۔"

اتنے میں اچانک ارجمند بھی آ گئی اور آتے ہی قطب خان کو جواب دیا۔ "بہلول بہت اچھا آدمی ہے اس کو برا کہنے والا خود برا ہوتا ہے۔"

قطب خان ایک دم اس کی طرف مڑ گیا، اس وقت وہ نقاب سے آزاد تھی، قطب خان اس کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا، مسکراتے ہوئے کہا۔ "بخدا تجھ کو غلط فہمی ہو گئی ہے، بہلول میرا بھائی بھی ہے اور بہنوئی بھی۔ عورتیں اس کی کمزوری ہیں، یہ کوئی اتہام نہیں اظہار واقعہ ہے، تجھ کو اس کا برا نہیں ماننا چاہیئے۔"

ارجمند نے اپنے باپ سے کہا۔ "بابا جان! مجھے ایسے آدمی ذرا بھی اچھے نہیں لگتے جو حاسد اور نکتہ چین ہوتے ہیں۔"

ہادی نے جواب دیا۔ "ارجمند! میری اپنی نظر میں بہلول اور قطب خان میں کوئی فرق نہیں، ان دونوں ہی نے ہم پر احسان کیا ہے، اب بہلول کی طرح یہ قطب خان بھی اسی گھر کے ایک فرد ہیں اور تجھے ان کی عزت کرنا چاہیئے۔"

ہادی کی عزت افزائی سے قطب خان نے سنبھالا لیا، بولا۔ "ارجمند! میں کس طرح تجھ کو یہ یقین دلاؤں کہ بہلول بہت اچھا اور سچا انسان ہے لیکن چاند میں بھی داغ موجود ہے، بہلول نے میری بہن کی موجودگی میں دوسری شادی ایک سنار کی بیٹی سے کر لی اور میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ بھائی بہلول کا جانشین سنار کی بیٹی کی اولاد میں سے ہوگا کیونکہ بہلول نے اپنی دوسری بیوی سے یہ وعدہ کر لیا ہے، ارجمند! تو ہی بتا یہ کہاں کی شرافت ہے اور کیا اس طرح میرے بھانجوں کا حق نہیں مارا جائے گا۔"

ارجمند نے جواب دیا۔ "جن باتوں کا مجھے علم نہیں ان پر بات کرنا حماقت ہے اور پھر اگر بہلول نے دو شادیاں کر لیں تو یہ بہلول کا ذاتی فعل ہے کسی کے ذاتی افعال سے ہمیں کیا غرض۔"

ہادی نے اپنی بیٹی کو ڈانٹ دیا۔ "ارجمند! یہ کیا بدتمیزی ہے۔ قطب خان اس گھر کا مہمان بھی ہے اور اس کنبے کا ایک فرد بھی، اس سے الجھ کر اپنی وضعداری اور شرافت کو داغدار کیوں کر رہی ہے!"

ارجمند روہانسی ہو گئی، اندر واپس جاتی ہوئی بولی۔ "بابا جان! میں اتنی وضعدار اور مصلحت اندیش نہیں بن سکتی کہ کسی کی غلط سلط باتیں بھی برداشت کر لوں جب بہلول نے اس شخص کی کوئی برائی نہیں کی تو یہ بہلول میں کیڑے کیوں نکالے۔"

قطب خان، ارجمند کے واپس چلے جانے سے پریشان اور غمزدہ ہو گیا، ہادی اس کے پاس بیٹھ گیا اور آہستہ سے کہا۔ "قطب خان! ارجمند بڑی حساس اور جذباتی لڑکی ہے، اگر اس قسم کی باتیں بہلول نے تمہارے خلاف کی ہوتیں تو یہ بہلول سے جھگڑ پڑتی۔ ارجمند کا دل صاف ہے، تم اس کی باتوں کا برا نہ مانو۔"

قطب خان نے جواب دیا۔ "جذباتی اور حساس تو میں بھی ہوں اور آپ کو کیا پتہ کہ بہلول نے میرے خلاف باتیں نہیں کی ہوں گی لیکن میں اتنا خوش قسمت نہیں کہ ارجمند نے میری برائیاں سن کر بہلول کو اسی طرح ڈانٹ دیا ہو، ارجمند مجھ سے برگشتہ ہے، معلوم نہیں کیوں؟ آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن میں یقین اور پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ارجمند کو میری طرف سے بری طرح برگشتہ

کر دیا گیا ہے۔"

ہادی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے!" پھر آہستہ سے کہا۔ "تم ایک بات تو بتاؤ؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "پوچھیے میں آپ کی ہر بات کا جواب دینے کو تیار ہوں۔"

ہادی نے پوچھا۔ "بہلول کی شادیوں والی بات پھر سے تو دہرا یہ بات شاید میں پہلے بھی سن چکا ہوں۔ کیا بہلول نے واقعی دو شادیاں کی ہیں اور عورت بہلول کی کمزوری ہے؟"

قطب خان کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر شگفتگی دوڑ گئی، بولا۔

"میں جھوٹ نہیں بولتا اور میں نے جو کچھ بتایا اس سے پوری افغان قوم واقف ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں اس کی دونوں بیویوں سے آپ کی ملاقات کرا سکتا ہوں۔"

ہادی نے جواب دیا۔ "نہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں میں تیری باتوں پر یقین رکھتا ہوں۔"

قطب خان نے کہا۔ "میں اپنی قوم کی طرح بہلول کی بڑی عزت کرتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں اپنے دوستوں کو اس کی خامیوں سے مطلع ہی نہ کروں۔"

ہادی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "قطب خان! میں تجھ کو سچا سمجھتا ہوں، تو نے کتنی شادیاں کیں؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "میں نے ابھی تک ایک شادی بھی نہیں کی، ہاں اب ارادہ ضرور کر رہا ہوں، سنتا ہوں خدا نے ہر جاندار کے جوڑے پیدا کر دیئے ہیں میرا اپنا ساتھی بھی کہیں نہ کہیں موجود ضرور ہوگا، ہو سکتا ہے وہ میرے آس پاس ہی موجود ہو۔"

ہادی نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ "تو تو ابھی تک کنوارا ہی ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "اس کی میرا خاندان ہی سچی گواہی دے سکتا ہے۔"

ہادی نے کہا۔ "اچھا آج تو شاید تو واپس جائے گا لیکن جب کل تو آئے گا تو میں تجھ کو اس وقت تک جانے بھی نہیں دوں گا۔ جب تک کہ بہلول دہلی

واپس نہیں آجاتے گا۔"

اتنا کہہ کر وہ کسی سوچ میں پڑ گیا، آخر کہنے لگا۔ "میں نے ارجمند کو ڈانٹ کر سمجھا دیا ہے، وہ اپنی باتوں پر شرمندہ ہو گئی ہے، اب اگر تیری ملاقات یا ملاقاتوں سے وہ تجھ سے مانوس ہو گئی تو یہ تیری خوش قسمتی ہوگی اور تجھ کو ایسا کرنا ہی ہوگا ورنہ یہ لڑکی بہت زیادہ خودسر اور ضدی ہے اس کو محبت سے سر کیا جا سکتا ہے۔"

قطب خان نے جواب دیا۔ "میں کوشش کروں گا لیکن میری کوششیں اس وقت کارآمد ہوں گی جب ارجمند میرے پاس آتی جاتی رہے شاید اس پر میں اپنا رنگ چڑھا دوں لیکن اس کے لیے بھی کافی وقت درکار ہے۔"

ہادی نے کوئی جواب نہیں دیا، بات کو ٹال گیا۔ قطب خان ارجمند کے انتظار میں کافی دیر تک بیٹھا رہا لیکن جب مایوس ہو گیا کہ وہ نہیں آئے گی تو واپس چلا گیا، اس کو شبہ تھا کہ بہلول نے ارجمند کو قطب خان کے خلاف کر دیا ہے۔

قطب خان، بہلول سے اتنا بدظن ہو چکا تھا کہ کئی بار یہ فیصلہ کیا کہ حمید خان اور بادشاہ کو بتا دے کہ بہلول دہلی ہی میں موجود ہے لیکن یہ بات زبان تک آتے آتے رہ گئی۔

دوسرے دن علی الصباح بادشاہ کی طرف سے لکھوایا ہوا خط قطب خان کو مل گیا اس خط میں بادشاہ نے بہلول سے محمود خلجی کے خلاف جنگ میں اس کی اور اس کی قوم کی مدد مانگی تھی، بظاہر اس نے شاہی ہمراہ لے کر سفر کی تیاری شروع کر دی لیکن اندر ہی اندر وہ بہلول کے اعزاز چڑھ رہا تھا۔ شاہی خط لے کر پہلے تو ارجمند کے گھر گیا، اس وقت تک بہلول وہاں نہیں پہنچا تھا، ہادی اور مہدی نے اس کی شاندار پذیرائی کی اور اندر لے گئے۔ کچھ ہی دیر بعد بہلول بھی پہنچ گیا۔

قطب خان نے بادشاہ کا خط بہلول کے حوالے کر دیا۔ اس نے خط پڑھا تو بے اختیار مسکرا دیا۔ "وہی بات نکلی جس کی میں پیش گوئی کر چکا ہوں، اللہ نے چاہا تو میں محمود خلجی کو شکست دے دوں گا۔"

قطب خان نے پوچھا۔ "بھائی بہلول! تم کب تک دہلی واپس آجاؤ

گے، اس وقت تک میں کہاں رہوں گا۔ کیا تمہارے ساتھ میں بھی چلوں؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "نہیں، تم یہیں دہلی میں رہو۔" ہادی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ لوگ تمہیں اپنے ساتھ رکھیں گے۔"

ہادی نے کہا۔ "اس میں ہرج ہی کیا ہے، میں نے تو قطب خان کو منع نہیں کیا، یہ ہمارے ساتھ رہ سکتے ہیں!"

لیکن اسی وقت اندر سے ایک بڑی بی نمودار ہوئیں، ہادی ان بڑی بی کی طرف لپکا، گھبرا کر بولا۔ "یہ تم کہاں آگئیں؟ اندر چلو، یہ تمہیں باہر کس نے آنے دیا ہے۔"

قطب خان اور بہلول نے ان بڑی بی کو پہلی بار دیکھا تھا۔ یہ کچھ بدحواس نظر آتی تھیں، ہادی نے انہیں بازوؤں میں جکڑ کر اندر دھکیلنا شروع کر دیا، قطب خان اور بہلول حیرت سے یہ منظر دیکھتے رہ گئے۔ کچھ دیر بعد جب ہادی واپس آیا تو شرمندگی سے کہا۔ "دوستو! یہ ارجمند کی ماں تھی، تقریباً بارہ تیرہ سال سے اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ارجمند کی تربیت صحیح طور پر نہیں ہو سکی اور اس کے مزاج میں خود سری اور سرکشی سی آگئی۔" یہ کہتے کہتے اس نے سر جھکا لیا اور آہستہ سے کہا۔ "میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ تم دونوں کو دیکھے، کیونکہ جب یہ کسی کو دیکھ لیتی ہے تو اس زور شور سے تذکرہ شروع کر دیتی ہے، اس کے بارے میں ہر آنے جانے والے کو بتا دیتی ہے۔ افسوس کہ اس نے تم دونوں کو دیکھ لیا اور کچھ پتہ نہیں کہ یہ تم دونوں کا کس انداز میں ذکر کرے گی۔"

بہلول نے لاپروائی سے کہا۔ "میں تو چلا، میرے ساتھی پرشاد پور میرے منتظر ہوں گے۔" قطب خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب یہ تمہارا مسئلہ ہے ارجمند کی ماں تمہارا ذکر کس طرح اور کن لوگوں سے کرتی ہے تم جانو، لیکن دیکھو بہت ہوشیار رہنا، حمید خان قابلِ اعتبار نہیں ہے!"

بہلول چلا گیا، ہادی نے قطب خان کو گھر کا وہ کمرہ دیا جو سب سے آخر میں الگ تھلگ سا تھا، اس کا ایک دروازہ تھا جو مکان کے اندر کھلتا تھا، دوسری طرف آخری دیوار تھی، ہادی نے کہا۔ "قطب خان! افسوس کہ میں تمہارے کمرے کو اپنی طرف سے بند کر کے مقفل کر دوں گا، حوائج ضروریہ سے فراغت

کے لئے تم اپنی مرضی سے نہیں جا سکو گے لیکن یہ چند دنوں کی مجبوری ہے، میں وقتاً فوقتاً یہاں آتا رہوں گا۔ خدا ہماری مشکلیں آسان کرے۔"

رات کو قطب خان نے ارجمند کی ماں کی آوازیں سنیں، وہ چیخ چیخ کر پوچھ رہی تھی۔ "ارے تم لوگ یہ بتلاتے کیوں نہیں کہ تم نے ارجمند کے دولہا کو قید کر رکھا ہے۔ ارجمند کے دو دو دولہا، حسین، خوب صورت، طرح دار! انہیں مجھ سے کیوں چھپاتے ہو؟ کیا ارجمند میری بیٹی نہیں ہے؟"

قطب خان خوفزدہ ہو چکا تھا پھر اچانک کسی نے عورت کی آواز کو دبا دیا، غالباً منہ پر ہاتھ رکھ کر آواز کو دبا دیا گیا تھا، وہ مارے خوف کے صبح تک جاگتا رہا قطب خان سوچ رہا تھا کہ اگر اس گھر میں اس پاگل اور مخبوط الحواس عورت نے یہی رویہ رکھا تو وہ دو چار ماہ کس طرح گزارے گا۔

فجر کے وقت ہادی آیا اور قطب خان کی ساری ضروریات پوری کرا کے واپس چلا گیا۔ دوپہر کو اس کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ارجمند نمودار ہوئی۔ دونوں کی نظریں ملیں تو ارجمند نے پوچھا۔ "یہ تنہائی میں آخر کرتے کیا رہتے ہو؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "کرتا کیا رہتا ہوں؟ کچھ بھی نہیں!"

ارجمند نے کہا۔ "میری ماں نے تم دونوں کے خلاف اول فول بکنا شروع کر دیا ہے!"

قطب خان نے پوچھا۔ "یہ ہادی کہاں ہیں؟"

ارجمند نے جواب دیا۔ "پتہ نہیں، شاید شرمندگی کی وجہ سے سامنے نہ آ رہے ہوں۔ بہرحال میں انہیں ۔ ۔ ۔ ارے میں کیا کہہ رہی تھی؟"

قطب خان نے ٹٹولنا شروع کر دیا۔ "ارجمند! افسوس کہ تمہاری ماں نے مجھ کو سمجھا نہیں، میرے خیال میں یہ جگہ سب سے زیادہ غیر محفوظ ہو سکتی ہے!"

ارجمند نے کہا۔ "میں نے کسی سے سنا تھا کہ تم بہادر ہو!"

قطب خان نے جواب دیا۔ "تم نے صحیح سنا تھا مگر اس سوال کا مطلب؟"

ارجمند نے ہنس کر طنزیہ کہا۔ "ابھی تک تمہاری بہادری کا دیکھنے میں تو نہیں آئی۔"

قطب خان تڑپ گیا۔ "ارجمند! دل آزاری بدترین گناہ ہوتا ہے اور تیرا محبوب ترین مشغلہ دوسروں کی دل آزاری ہے!"

ارجمند نے کہا۔ "بات صاف صاف کرو قطب خان! یہ دوسروں کی دل آزاری سے تمہاری کیا مراد ہے؟ یہ دوسرا کون ہے؟"

قطب خان ہنسنے لگا۔ "یہ دوسرا کون؟ کیا یہ بھی کوئی سمجھانے کی بات ہے؟ اس گھر میں دوسرا میرے سوا اور کون ہے؟ بہر حال بہت بہت شکریہ۔ تم نے مجھے دوسرا کہا تو!"

ارجمند نے کہا۔ "اس وقت گھر میں نہ تو بابا جان ہیں اور نہ ہی بھائی مہدی موجود ہیں، میری ماں سوئی ہوئی ہے بڑی گہری نیند سو رہی ہے، میں تمہارے پاس بیٹھی ہوں، اس لیے نہیں کہ میں تم میں دلچسپی لیتی ہوں، محض اس لیے کہ ازراہِ انسانیت تم سے معلوم کروں کہ تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں۔"

قطب خان نے کہا۔ "شکریہ۔ اگر اتنا بھی میرا خیال ہے تو بہت بہت شکریہ میں اس پر بھی راضی ہوں۔"

ارجمند نے تیکھی نظروں سے قطب خان کی طرف دیکھا۔ "اگر یہ بات ہے تو میں چلی۔"

قطب خان نے بے چینی سے کہا۔ "ارجمند! میری بات تو سنو!"

لیکن وہ بات سنے بغیر ہی چلی گئی۔ قطب خان حسرت سے دیکھتا ہی رہ گیا

* * *

قطب خان کو ارجمند کے گھر میں رہتے ہوئے دو ماہ گزر گئے، اس دوران ارجمند اور قطب خان میں خاصی بے تکلفی ہو گئی، ارجمند کی ماں کی قطب خان سے صرف تین بار مڈ بھیڑ ہوئی اور ہر بار خاصا ہنگامہ ہوا لیکن ہادی نے اس پر قابو پا لیا مہدی اور ہادی، دونوں ہی کی یہ خواہش تھی کہ ارجمند قطب خان کو پسند کرنے لگے کیونکہ قطب خان میں دو خوبیاں ایسی موجود تھیں، جو ہادی اور اس کے بیٹے مہدی کو بہت پسند آ گئی تھیں، ایک تو یہ کہ قطب خان، اسلام خان سرہند کے سابق حاکم کا بیٹا تھا اور بہلول کا چچا زاد بھائی اور سالار تھا اور دوسری خوبی یہ تھی کہ اس کا مستقبل بہت تابناک تھا۔ کسی بھی دن وہ بادشاہ سے کسی اعلیٰ منصب کا پروانہ حاصل کر سکتا تھا۔ دونوں ہی ارجمند اور قطب خان کو محبت کرنے کے موقعے فراہم کر رہے تھے لیکن مشکل یہ پیش آ رہی تھی کہ ارجمند قطب

خان کو کوئی خاص اہمیت دینے کو تیار نہ تھی، اس کے دل میں بہلول کی بڑی عزت تھی۔

قطب خان، ارجمند سے اس حد تک محبت کرنے لگا تھا کہ اس کی ناگوار اور خلافِ مرضی باتیں بھی گوارا کر لیتا تھا، اس کی پوری کوشش یہ تھی کہ وہ ارجمند کے دل میں بہلول کے خلاف نفرت کا زہر گھول دے چنانچہ جب بھی موقع ملتا وہ بہلول کے خلاف کوئی نہ کوئی بات کہہ گزرتا۔

بہلول دو ماہ گزر جانے کے باوجود جب نہیں آیا تو قطب خان کو بہت غصہ آیا، بولا۔ "ارجمند! یہ کیا مصیبت ہے کہ بہلول ابھی تک واپس نہیں آیا بادشاہ اور حمید خان اس کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے ہوں گے اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ مالوے کا محمود خلجی بہت جلد دہلی کا محاصرہ کرنے والا ہے۔ میں اس مکان کے قید خانے میں رہتے رہتے اکتا گیا ہوں، ارجمند! تو ہی بتا مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

ارجمند نے جواب دیا۔ "تمہیں یہاں رکنے کے بجائے بہلول کے ساتھ چلا جانا تھا تاکہ اس قید خانے سے نجات ملی رہتی۔"

قطب خان، ارجمند کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ "ارجمند! اے کاش میں بہلول کے ساتھ تجھ سے نہ ملا ہوتا۔"

ارجمند نے ناخوشگواری سے کہا۔ "قطب خان! تم اپنی گفتگو میں بہلول کا ذکر نہ کیا کرو اور اگر بہلول کا ذکر آ ہی جاتے تو اس کی برائی نہ کیا کرو، اگر ایسا کرو گے تو میں اٹھ کر چلی جایا کروں گی۔"

قطب خان نے اچانک کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "میں خوب جانتا ہوں ارجمند بہلول نے اپنی باتوں سے میری شخصیت کو تیری نظروں سے گرا دیا ہے، اس لئے تو مجھ سے نفرت کرنے لگی ہے۔"

ارجمند نے جواب دیا۔ "ایسی کوئی بات نہیں قطب خان! اس نے تمہاری کبھی بھی کوئی برائی نہیں کی۔"

اس وقت ان دونوں کو تلاش کرتا ہوا مہدی بھی آ گیا، اس نے خوشخبری سنائی۔ "قطب خان مبارک ہو، بہلول بیس ہزار جیالے افغانوں کے ساتھ دہلی میں داخل ہو چکا ہے۔"

اس خبر نے ارجمند کو باغ باغ کر دیا، دل کی خوشی آنکھوں سے چھلکنے لگی، زبان گنگ ہو کر رہ گئی، بمشکل آنکھیں بند کر کے پوچھا۔ "بہلول آ گیا؟ سچ؟"

مہدی نے جواب دیا۔ "ہاں بہلول تشریف لے آئے، پوری دہلی میں ان کا بڑا چرچا ہے۔"

ارجمند اس خبر کے بعد قطب خان کے پاس ذرا بھی نہیں رکی چلی گئی، قطب خان کے دل میں آگ سی لگ گئی، مہدی سے کہنے لگا۔ "مہدی! تم لوگ بہلول کا ذکر جس انداز میں کرتے ہو اس سے وہ کوئی آسمانی مخلوق معلوم ہونے لگتا ہے، حالانکہ اخلاقی تقاضہ یہ ہے کہ تم بہلول کو مجھ پر ترجیح نہ دو، میں بھی کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں، بہلول ہی کا بھائی ہوں، بس فرق صرف اتنا ہے کہ بہلول پر اس کی قسمت مہربان ہے اور مجھ سے میری قسمت ناخوش ہے، اگر قسمت میرا ساتھ دے جائے تو آج میں بہلول سے کہیں بڑا آدمی ہوتا۔"

مہدی نے کھسیا کر جواب دیا۔ "بھائی قطب خان! میری نظر میں آپ بھی بڑے آدمی ہیں اور میں آپ کی بہت زیادہ عزت کرتا ہوں۔"

قطب خان نے کہا۔ "اگر تو میری اتنی ہی عزت کرتا ہے جتنی ظاہر کر رہا ہے تو پھر ارجمند کو سمجھا۔ وہ مجھ سے نفرت کرنا چھوڑ دے۔"

مہدی نے جواب دیا۔ "بھائی قطب خان! ارجمند سے اپنی عزت کرانا آپ کا اپنا کام ہے، ہم لوگ اس میں آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔"

قطب خان، بہلول کی آمد سے خوش نہیں ہوا تھا، اس نے سوچا اگر بہلول دو چار ماہ اور نہ آتا تو اس کا کیا بگڑ جاتا۔

اسی رات اندھیرے میں قطب خان نے ارجمند کا گھر چھوڑ دیا اور بہلول کے پاس چلا گیا، جو دہلی کے باہر پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔

قطب خان چھپتا چھپاتا بچتا بچاتا بہلول کے لشکر میں داخل ہو گیا، ایک وسیع و عریض میدان میں بہلول کی سپاہ یوں خیمہ زن تھی گویا زمین پر دور دور تک بڑے بڑے ککرمتے اگ آئے ہوں یا پھر کپڑوں کے تکونے غباروں میں ہوا بھر دی گئی ہو۔ گھوڑوں کے ہنہنانے اور ان کے ادھر ادھر دوڑنے بھاگنے کی ٹاپوں سے فضا گونج رہی تھی۔

افغانوں نے قطب خان کو پہچان لیا اور ان میں سے دو قطب خان کو بہلول کے پاس لے چلے گئے۔ بہلول نے اپنے خیمے میں سرخ قالین بچھا رکھی تھی، وہ اس پر گاؤ تکیے پر کہنیاں ٹیکے پچیسی کھیلنے میں مشغول تھا۔ اس کے پاس دو افغان اور تھے، ان میں سے ایک کو قطب خان نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا، یہ چچا فیروز خان تھے۔

بہلول نے قطب خان کو دیکھا تو پچیسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور اس سے بغل گیر ہو گیا، قطب خان نے کہا۔ "بھائی بہلول! میں تمہارے نہ آنے سے اتنا پریشان ہو چکا تھا کہ اگر تم کل تک اور نہ آتے تو میں خود سرہند پہنچ جاتا۔ میں ہادی کے گھر میں قیدیوں کی طرح رہ رہا تھا۔"

بہلول نے پوچھا۔ "اور ارجمند کیسی ہے؟"

قطب خان نے منہ بنا کر جواب دیا۔ "اچھی ہے مگر تم تعجب کرو گے کہ تمہاری عدم موجودگی میں ارجمند نے تمہیں ایک بار بھی نہیں پوچھا، میں تو اس کی بے نیازی پر حیران رہ گیا اللہ اللہ۔"

بہلول نے ہنس کر کہا۔ "تم میری فکر ذرا بھی نہ کرو، ارجمند میرا ذکر کرے یا نہ کرے لیکن میں اس کے دل میں ضرور موجود ہوں۔"

قطب خان نے موضوع بدل دینے کی کوشش کی۔ "اچھا ایک بات تو بتاؤ بہلول یہ مالوے کا حکمران محمود خلجی کب تک آ جائے گا؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "وہ تو بس آنے ہی والا ہے۔"

چچا فیروز خان ان دونوں کی باتوں میں مخل نہیں ہونا چاہتے تھے، خیمے کے باہر جاتے ہوئے کہا۔ "اچھا میں آتا ہوں کچھ دیر بعد۔"

وہ گیا تو اپنے ساتھی کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ تنہائی میں بہلول اور قطب خان میں بڑی باتیں ہوئیں، بہلول نے کہا۔ "بھائی قطب خان! اب وقت آ چکا ہے کہ میں بادشاہ سے اپنی مرضی کا منصب مانگوں اور وہ بخوشی دینے پر تیار ہو جائے گا۔ بھائی قطب خان! اب تمہیں وہ منصب دلواؤں گا کہ وزیر تک ششدر رہ جائے گا۔"

قطب خان نے سر جھکا لیا اور بہلول کی بات سنی ان سنی کر دی، بہلول نے پوچھا۔ "کیا بات ہے بھائی قطب خان، خیریت تو ہے؟"

قطب خان کی آنکھوں میں آنسو آ چھلکے تھے، بولا۔ "بھائی بہلول! کیا تمہارے کہنے سے بادشاہ مجھ کو کسی اعلیٰ منصب پر فائز کر دے گا؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "اس میں شبہ کی کوئی بات نہیں قطب خان! بادشاہ عنقریب میرا احسان مند ہو جائے گا اور اس احسان مندی میں اس سے کوئی بھی کام لے سکتا ہوں۔"

قطب خان نے کہا۔ "اگر تم مجھ پر کوئی احسان ہی کرنا چاہتے ہو تو ایک اور احسان کر دو۔"

بہلول نے کہا۔ "قطب خان! تو میرا بھائی ہے اگر میں تیرے ساتھ کچھ کروں گا تو وہ احسان کس طرح ہو جائے گا۔ بھائی، بھائی پر احسان کر سکتا ہے بھلا؟"

قطب خان کی آواز بھر آ گئی۔ "بھائی بہلول! کچھ بھی ہو میں تو اسے احسان ہی سمجھوں گا۔"

بہلول نے کھڑے ہو کر قطب خان کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، پوچھا "ہاں ہاں بتا، وہ کیا کام ہے جو تو مجھ سے لینا چاہتا ہے۔"

قطب خان نے کچھ کہنا چاہا مگر آواز حلق میں پھنس گئی۔ بہلول نے قطب خان کی پشت تھپتھپائی۔ "مت گھبرا قطب خان، تکلف نہ کر، جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈال۔"

قطب خان نے کہا۔ "بھائی بہلول! میں ارجمند سے محبت کرنے لگا ہوں۔"

اس کے آگے وہ ایک لفظ بھی نہ ادا کر سکا، بہلول نے ایک دم اس کا ہاتھ بھی چھوڑ دیا اور پشت پر سے دوسرا ہاتھ بھی ہٹا لیا اور قطب خان سے ہٹ کر ذرا دور جا کھڑا ہوا، بولا۔ "قطب خان! اگر تو ارجمند سے محبت کرنے لگا ہے تو میں کیا کروں؟"

قطب خان نے کہا۔ "بھائی بہلول! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم بھی اس کو چاہنے لگے ہو، حالانکہ تم دو شادیاں کر چکے ہو۔ ارجمند کو میری خاطر میرے لیئے معاف کر دو۔"

بہلول نے خلاف توقع اپنا منہ پھیر لیا اور فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "قطب

خان! ایسا نہیں ہو سکتا، میں نے دو شادیاں کی ہوں یا چار، ارجمند مجھ کو بھی اچھی لگتی ہے، میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

قطب خان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، پورا جسم سنسنانے لگا، بولا۔ "بھائی بہلول! کیا تم ارجمند سے سچ مچ شادی کرنا چاہتے ہو؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "شادیاں ہمیشہ سچ مچ ہی ہوا کرتی ہیں۔"

قطب خان نے کہا۔ "تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے کہ تم ارجمند کا پیچھا نہیں چھوڑو گے؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "ہاں یہ میرا آخری اور قطعی فیصلہ ہے!"

قطب خان ایک دم سنجیدہ ہو گیا، بولا۔ "اگر یہ بات ہے تو میں آئندہ اس موضوع پر تم سے کوئی بات نہ کروں گا۔"

بہلول نے کہا۔ "قطب خان! ارجمند خطہ زمین کی طرح ہے جو زیادہ چالاک، ہوشیار اور عقل مند ہوتا ہے وہی دوسروں کے مقابلے میں کامیاب رہتا ہے۔"

قطب خان نے حتمی اور قطعی لہجے اور روہانسی آواز میں کہا۔ "بہلول! میں تمہارا مقابلہ کروں گا اور میں دیکھوں گا کہ تم اس کو کس طرح حاصل کرتے ہو، ارجمند میری ہے اور میری ہی رہے گی کسی اور کی مجال نہیں کہ وہ ارجمند کو اپنانے کی ہمت کرے!"

بہلول نے جواب دیا۔ "ان فضول باتوں سے تجھے ملے دے گا خاک نہیں، پھر خالی خولی باتوں سے حاصل ہو؟ ارجمند تیری موجودگی اور تیری زندگی ہی میں کسی کی دلہن بن جائے گی اور تو دیکھتا کا دیکھتا رہ جائے گا۔"

قطب خان خاموش ہو گیا، بہلول نے اس کی صورت دیکھنے کی کوشش کی مگر نہیں دیکھ سکا، آخر بہلول نے اس کو سمجھایا۔ "قطب خان! میری طرف سے تجھ کو آزادی ہے کہ ارجمند کے سلسلے میں میرا جس طرح چاہے مقابلہ کرے، میں بھی کروں گا۔"

قطب خان کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی، اتنے میں کچھ کھانے پینے کا سامان آ گیا۔ بہلول نے یہ سامان قالین پر رکھوا دیا اور اس میں قطب خان کو بھی شریک کر لیا۔ اس وقت وہ دونوں خاموشی سے کھاتے پیتے رہے آخر قطب

خان نے ایک دم اپنا ہاتھ کھینچ لیا، بولا۔ "بہلول! میں دیکھوں گا تم ارجمند سے کس طرح شادی کرو گے پہلے تو میری بہن کو طلاق دے دے اس کے بعد تیسری شادی کر لے۔"

بہلول نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اس کی کیا ضرورت ہے ابھی میں دو شادیاں اور کر سکتا ہوں۔"

قطب خان نے سختی سے کہا۔ "میں اپنی بہن کو تمہارے پاس نہیں رہنے دوں گا۔"

بہلول نے کہا۔ "بھائی قطب خان! جس جنگ کی ابتدا تو نے خود ہی کر دی ہو، اس میں اپنے حریف کو لڑنے سے باز کس طرح رکھ سکتا ہے، تو نے ارجمند سے میری برائیاں کیں، میں نے برداشت کر لیں اب میں وار کروں گا تو اس کو روک سکے تو روک لے۔"

قطب خان، بہلول کے خیمے میں زیادہ دیر نہیں رکا، خیمے سے نکلا تو حمید خان کی حویلی کا رخ کیا وہ بہلول کی آمد کی خبر سن تو چکا تھا لیکن اب وہ یہ خبر قطب خان کی زبانی سننے کا خواہشمند تھا، چنانچہ قطب خان نے بہلول کی اور اس کی سپاہ کی بابت اتنی بڑھا چڑھا کر باتیں کیں کہ حمید خان مرعوب ہو گیا۔ "قطب خان! میں بہلول کی صلاحیتوں سے واقف تو تھا لیکن اتنا واقف نہیں تھا جتنا مشاہدے میں آ گیا۔"

قطب خان نے جل کر جواب دیا۔ "بہلول بنتا ہے، نمائش کرتا ہے میں اس کو گھٹیا، حریص اور مطلبی سمجھتا ہوں۔ وہ جو کچھ بھی ہے میرے علم اور میری نظر میں ہے۔"

قطب خان، حمید خان کے پاس بیٹھ کر بہلول کی برائیاں کرتا رہا، بعد میں اس برائی میں دوسرے بھی شریک ہو گئے اور یہ وہ لوگ تھے جو حمید خان وزیر کی ہاں میں ہاں ملانے کا ہنر جانتے تھے۔ تھوڑی دیر کی درباری باتوں اور قہقہوں سے قطب خان اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ وہ جب اور جہاں کہیں بھی ہو گا، لوگوں کا تعاون اس کے حق میں ہو گا اور وہ ان کی مدد سے باہم کسی سازش سے اوپر آنے کی کوشش کرے گا تو کامیابی اس کے قدم چومے گی۔

حمید خان کو یہ حیرت تھی کہ قطب خان اپنے اقبال مند بھائی بہلول کی مخالفت کیوں کر رہا ہے۔ اس نے سوچا اس میں بھی کوئی مصلحت ہو گی۔ خود اس نے بہلول کی مخالفت میں ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا۔ قطب خان بہلول کی جتنی مخالفت کرتا حمید خان بہلول کی اتنی زیادہ تعریف کرتا۔

بادشاہ بھی بہلول کی آمد سے بہت خوش تھا۔ اس نے قطب خان کو باریابی کا موقع بخشا اور اس وقت خوشی میں راپری کی حکومت قطب خان کے نام کر دی۔ مین پوری کی تحصیل شکوہ آباد کا راپری دریائے جمنا کے بائیں کنارے ایک آباد اور بارونق شہر تھا، شہر مین پوری سے چوالیس میل دور مغرب میں — قطب خان بہت خوش تھا۔ بادشاہ نے کہا۔ "مالوے کا محمود خلجی آج کل ہی میں اپنی کثیر سپاہ کے ساتھ نمودار ہونے والا ہے۔ ہماری فوجیں اس کے استقبال کو موجود ہیں۔ ہماری افواج کے علاوہ تیرے بھائی بہلول کے ۲۰ ہزار افغان بھی محمود خلجی کی خبر لینے کو موجود ہیں۔ اس معرکے کے بعد تو راپری چلا جائے گا اور وہاں کی حکومت تیرے ہاتھ میں منتقل ہو جائے گی۔"

قطب خان پروانۂ حکومت لے کر باہر نکلا اور سیدھا بہلول کے پاس پہنچا۔ اس دوران بادشاہ نے اپنے امرا کو طلب کر لیا۔ ان میں بہلول بھی شامل تھا۔ بادشاہ نے ان سب کو محمود خلجی کی لشکر کشی سے رسماً آگاہ کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا کہ اس مصیبت سے نجات کس طرح حاصل کی جائے۔ کسی امیر کی لب کشائی سے پہلے بہلول بول اٹھا۔ "ظل اللہ! جب محمود خلجی مالوے سے چل کر دہلی کے دروازے تک آ ہی گیا ہے اور ہماری فوجیں بھی اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی ہیں تو اب جنگ کے سوا کوئی اور صورت ہی کہاں رہ گئی ہے۔"

کئی دوسرے امرا نے منہ بنایا۔ بادشاہ نے اپنے درباری امرا سے پوچھا۔ "تم لوگ کیا کہتے ہو؟ کیا بہلول درست کہتا ہے؟"

ایک امیر نے کہا۔ "حضور والا! بہلول کا خیال درست ہے ہماری افواج محمود خلجی کو سبق دینے کے لئے تیار کھڑی ہیں۔ آپ تخت سے نیچے آ جائیے اور اپنی افواج کی قیادت فرمائیے۔"

بادشاہ نے سہم کر پوچھا۔ "یعنی میں نیچے آ جاؤں! پھر میرے تخت

پر کون بیٹھے گا؟"

امیر نے جواب دیا۔ "جنابِ والا! بہلول ہماری قیادت کے لئے مناسب ترین شخص ہے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "میرا اپنا بھی یہی خیال ہے۔ میں اپنے قصر سے بہلول اور اس کے رفقا کی کامیابی کی دعائیں کرتا رہوں گا یعنی میں اپنی دعاؤں سے شریکِ جنگ و جدل رہوں گا۔"

بہلول نے کہا۔ "جہاں پناہ! آپ کا میدانِ جنگ میں موجود رہنا بے حد ضروری ہے۔"

بادشاہ نے جواب دیا۔ "نہیں، کیا تو نہیں جانتا کہ میرے دشمنوں کی کوئی کمی نہیں۔ میں اپنے دشمنوں سے از راہِ احتیاط محفوظ رہنا چاہتا ہوں۔ برخلاف تمہارے کہ تم میری زندگی کے درپے ہو، کسی وقت بھی تم مجھے الجھن میں پھنسا سکتے ہو۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "ایسی بات نہیں ہے بادشاہ سلامت۔"

بادشاہ نے پوچھا۔ "پھر کیا بات ہے؟ پھر کیسی بات ہے؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "حضورِ والا! اگر آپ میدانِ کارزار میں موجود نہیں ہوں گے تو آپ کا دشمن آپ کی بہادری، آپ کے تدبّر اور آپ کی شہامت پر شبہ کرنے لگے گا۔"

بادشاہ نے اپنے خوشامدی امرا کی طرف دیکھا۔ "بہلول جو کچھ کہہ رہا ہے کیا یہ درست ہے؟ کیا مجھ کو میدانِ کارزار میں موجود رہنا چاہیئے؟"

بادشاہ کے امراء نے جب یہ محسوس کیا کہ بادشاہ فرار پر بضد ہے تو اپنی خوشامدانہ رائے ظاہر کر دی۔ "حضورِ والا! آپ محل میں ہی تشریف فرما رہیں۔ ہم لوگ میدانِ کارزار میں دشمن کے دانت کھٹے کر دینے کے لئے کافی ہیں۔"

بہلول نے اپنے دل میں 'انا للہ' پڑھی اور خاموش ہوگیا۔ بادشاہ نے پوچھا۔ "تو کیا تم سب اس امر پر متفق ہو گئے ہو کہ میں اپنے محل میں تم لوگوں کی فتح مندی کی دعائیں کرتا رہوں؟"

کئی امرا نے بیک زبان جواب دیا۔ "جی بادشاہ سلامت! ہم سب

آپ کو محل میں آرام اور دعائیں کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ آپ بے فکر ہو کر آرام کریں۔"

اسی دوران دربار میں یہ خبر پہنچ گئی کہ محمود خلجی جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہے۔ ہمیں بھی تیاریوں کا حکم دے دینا چاہیئے۔

لیکن بادشاہ کی اپنی کوئی چاہت نہ تھی۔ اس نے امرا کو رخصت کر دیا اور خود مصلے پر گر کر اپنی فوج کی فتح مندی کی دعائیں مانگنے لگا۔

بہلول نے اپنے خیمے میں جاتے ہی فوج کو میدانِ جنگ میں آجانے کا حکم دے دیا۔ لیکن آج بہلول نے بادشاہ کی ہمت حوصلے اور تدبّر پر شک شبے کی مہر لگا دی تھی۔ اس نے قطب خان سے پوچھا۔ "بھائی قطب خان! دلّی کی حکومت کا پروانہ کہاں ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "میرے پاس ہے، کیوں؟"

بہلول نے کہا۔ "خیر، احتیاط سے رکھنا، ورنہ میرا خیال ہے کہ شاید اس پروانے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے۔"

قطب خان نے گھبرا کر پوچھا۔ "کیوں؟ کیا خلجی کامیاب ہو جائے گا اور محمد شاہ کی بادشاہت ختم ہونے والی ہے؟"

بہلول نے منہ بنا کر کہا۔ "بات سمجھا کر قطب خان!" آہستہ سے کہا۔ "دلی کے تاج و تخت کسی اور کے منتظر ہیں، شاید میرے، اور میں برسرِ اقتدار آتے ہی محمد شاہ کے فرمانوں کو کالعدم قرار دے دوں گا۔"

مالوے کے محمود خلجی کو جب یہ معلوم ہوا کہ محمد شاہ میدانِ جنگ میں نہیں آرہا تو وہ خود بھی اپنے خیمے سے باہر نہیں نکلا اور اپنی فوج کی قیادت اپنے بیٹوں کے سپرد کر دی۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہو گئیں تو پیادوں اور گھڑ سواروں کے جتھے اور ان کے جوش و خروش کا سماں قابلِ دید تھا۔ زرہ بکتروں اور خود (فولادی ٹوپیوں) میں غرق سپاہی لوہے کے پتلوں کی طرح صف بہ صف کھڑے تھے۔ ان کے اٹھے ہوئے نیزے، پتوں سے محروم بانس اور گنّے کے کھیتوں کا منظر پیش کر رہے تھے۔ پیچھے شانوں پر رکھی ہوئی ترکشیں غوطہ خوروں اور کوہ پیماؤں کی تھیلیاں نظر آ رہی تھیں۔ طلوع ہوتے ہوئے سورج کی شعاعیں چمچماتی عریاں تلواروں سے ٹکرا کر نظروں کو خیرہ کر رہی تھیں۔

طبلِ جنگ بجا اور دونوں فوجیں آگے بڑھیں اور آپس میں گتھ گئیں۔ زخمیوں کی چیخیں اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ مل کر دلوں میں خوف وہراس اور جوش و خروش کے ملے جلے جذبے پیدا کر رہی تھیں۔ بہلول نے اس جنگ میں مرکزی کردار ادا کیا۔ وہ جس حصے کو کمزور دیکھتا وہاں پہنچ کر کمزوری کا سبب جاننے کی کوشش کرتا اور پھر اس کو دور کر دیتا۔ محمود خلجی کے آدمی بار بار اس کے خیمے میں جاتے اور اس کو جنگ کی لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی صورتِ حال سے باخبر کرتے۔ اس کے ماہرینِ جنگ نے جب اس کو یہ بتایا کہ محمد شاہ اگر موجود ہوتا اور یہ جنگ اس کی قیادت میں لڑی جاتی تو اس کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ انہوں نے محمود خلجی کو بتایا کہ دہلی کی افواج کا قائد بہلول لودھی اپنے عہد کا زبردست ماہرِ جنگ اور سورما ہے اور اس کی موجودگی میں فتح حاصل کرنا آسان نہیں۔

شام ہوتے ہوتے جنگ کے انجام کا دونوں کو پتہ چل چکا تھا۔ محمود خلجی مایوس ہو چکا تھا اور دہلی کی فوجیں حاوی آ گئی تھیں۔ محمود خلجی دوسرے دن جنگ جاری رکھنے کے حق میں نہیں تھا۔ اس نے اپنے بیٹوں سے مشورہ پوچھا۔ "کیا کوئی ایسی صورت ممکن ہے کہ ہم جنگ سے بچ جائیں اور صلح ہو جائے؟"

بڑے بیٹے غیاث الدین نے جواب دیا۔ "ابا جان! اب اس وقت اگر ہم محمد شاہ سے صلح کی بات کریں گے تو وہ نہیں مانے گا اور ہماری بے عزتی ہو جائے گی، اس لیے ہماری یہ کوشش ہونا چاہیے کہ جنگ کا نقشہ ہی بدل دیں۔"

محمود خلجی نے کہا۔ "جنگ کا نقشہ نہیں بدلے گا اور اگر بدلے گا تو اس صورت میں کہ بہلول لودھی کو افواجِ دہلی سے الگ کر دیا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر افواجِ دہلی کو شکست بھی نہیں دی جا سکتی۔"

غیاث الدین نے مایوسی سے کہا۔ "تب پھر ہماری طرف سے صلح کا ہاتھ بڑھانا بھی اچھی بات نہیں۔ ہم بے عزت ہو جائیں گے، ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔"

محمود خلجی نے جواب دیا۔ "اتنی بات تو میں بھی جانتا ہوں۔ صلح کا ہاتھ محمد شاہ کی طرف سے بڑھنا چاہیے۔ لیکن یہ کس طرح. بڑھے اس پہلو

پر غور کرنا ہے۔"

خلجی رات بھر پریشان رہا۔ رات کے پچھلے پہر صبح ہونے سے ذرا پہلے بہلول لودھی نے علماء اور مذہبی لوگوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کو محمود خلجی کی طرف جاتے دیکھا تو انہیں روک لیا۔ ان لوگوں نے بتایا کہ "ہم لوگ محمود خلجی کے پاس بادشاہ کا پیغام لے کر جا رہے ہیں کہ وہ بھی مسلمان ہیں اور ہم بھی مسلمان ہیں۔ اس مذہبی رشتے کے پیشِ نظر محمود خلجی عورتوں، بچوں، بیماروں، ضعیفوں اور معذوروں کا خاص خیال رکھے گا، فصلوں اور مسجدوں کو برباد نہیں کرے گا۔"

بہلول لودھی نے کہا۔ "اب ہم صبح کی جنگ میں محمود خلجی کو شکست دے دیں گے۔ پھر بادشاہ کو اس پیغام رسانی کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

دینداروں نے جواب دیا۔ "صرف اس لیے کہ خلجی کے عقب کا حصہ اس کے قبضہ واختیار میں ہے ہمیں اس حصے کو تباہی اور بربادی سے بچانا ہے۔"

بہلول نے سوچتے ہوئے کہا۔ "عجیب بات ہے۔ محمود خلجی مسلمان ہے کیا وہ یہ باتیں نہیں جانتا جنہیں تم لوگ بتلانے جا رہے ہو۔ سچ سچ بتا دیں یہ معاملہ کیا ہے؟"

علماء نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ہم جو کچھ بتانے جا رہے ہیں، یہ معاملہ درحق ہے۔ بادشاہ نے ہم دینداروں کو اس غرض سے بھیجا ہے کہ ہم دینی رموز اور نکات دوسروں کے مقابلے میں زیادہ بہتر طور پر خلجی کے ذہن نشین کرا دیں گے۔"

بہلول نے اس وفد کو چلا جانے دیا، روکا نہیں، لیکن دینداروں کے جواب نے اس کو مطمئن نہیں کیا تھا۔

دینداروں کی یہ جماعت محمود خلجی کے خیمے تک پہنچ گئی غیاث الدین نے باہر نکل کر ان کی آمد کی غرض وغایت معلوم کی۔ ایک مولوی نے جواب دیا۔ "اپنے باپ سے کہہ دو ہم اپنے بادشاہ کی طرف سے پیغامِ صلح لے کر آئے ہیں۔"

غیاث الدین کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ حیرت سے پوچھا۔
"پیغامِ صلح؟"

مولوی نے جواب دیا۔ "ہاں پیغامِ صلح۔ اس میں چونکنے یا حیرت زدہ ہونے کی کوئی بات نہیں۔ ہمیں اپنے باپ سے ملوا دو۔"

غیاث اپنے باپ کے پاس گیا۔ اندر کافوری شمعیں روشن تھیں اور محمود خلجی فجر کی نماز کے لئے اٹھ چکا تھا۔ جب غیاث الدین نے اپنے باپ کو یہ بتایا کہ دینداروں کا ایک وفد محمد شاہ کی طرف سے پیغامِ صلح لے کر آیا ہے تو وہ کسی قدر پریشان ہو گیا۔ اس نے سوچا کہیں اس میں کوئی چال نہ ہو۔ بیٹے سے کہا۔ "محمد شاہ کے آدمیوں کو میرے پاس بھیج دو، اور تم خود اپنے لشکر کے چاروں طرف موجود طلایہ گردوں کو چوکنا کر دو تاکہ بہلول لودھی ہمارے کسی بازو پر دھوکے سے حملہ آور نہ ہو جائے۔"

غیاث الدین دینداروں کے وفد کو اپنے باپ کے حوالے کر کے اپنے لشکر میں چلا گیا۔ محمود خلجی نے انہیں لاپرواہی سے بٹھا دیا اور متکبرانہ انداز میں پوچھا۔ "کیا ہے؟ تم لوگ میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

ایک مولوی جو وفد کا سربراہ تھا بولا۔ "جنابِ والا! خداوند تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے کہ زمین پر فساد نہ پھیلاؤ اور ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون حرام ہے۔"

محمود خلجی نے ترشی سے کہا۔ "فجر کی نماز کا وقت قریب ہے مطلب کی بات کی جائے۔"

مولوی نے کہا۔ "ہمارے بادشاہ کو آپ سے جنگ کرتے میں عار ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ مسلمان مسلمان کا خون بہائے۔ وہ چاہتے ہیں کہ جنگ کے بجائے صلح کا راستہ اختیار کیا جائے۔"

خلجی نے پوچھا۔ "تمہارا بادشاہ کن شرائط پر صلح کرنا چاہتا ہے؟"

مولوی نے جواب دیا۔ "ہمارے بادشاہ کی خواہش ہے کہ جانبین کا جو نقصان ہو چکا ہے اسے ہر فریق خود ہی برداشت کرے نہ ہم آپ سے کوئی مطالبہ کریں اور نہ آپ ہم سے کچھ چاہیں۔"

خلجی نے کہا۔ "تمہارا بادشاہ ہمیں بہت ہوشیار اور دانا معلوم ہوتا

ہے۔ اس نے قرآن اور اسلام کے حوالے سے صلح کی درخواست کی ہے اور اپنے ملک کے دینداروں کو اپنا نمائندہ بنایا ہے اس کی بات تو ماننی ہی پڑے گی۔"

مولوی نے خوشی کا اظہار کیا۔ "ہمیں اپنی کامیابی پر خوشی ہوگی اور آپ کی عزت افزائی کے شکر گزار ہیں۔"

خلجی نے پوچھا۔ "کیا تمہارے بادشاہ نے صلح نامے کی کوئی باقاعدہ تجویز تحریری شکل میں اپنے دستخطوں سے بھیجی ہے؟"

مولوی نے جواب دیا۔ "ہاں وہ بھی ہم لے کر آئے ہیں۔ اس کے بعد بادشاہ کا صلح نامہ خلجی کے سامنے رکھ دیا۔

خلجی نے صلح نامہ کو سرسری نظر سے دیکھ کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور کہا۔ "چلو ہم سب فجر کی نماز پڑھ لیں۔"

فجر کی اذان سے فضا گونجنے لگی۔ اذان کے بعد خلجی اور بادشاہ کے دیندار وفد نے مالوے کے شہسواروں کے ساتھ نماز فجر ادا کی اور خلجی نے بادشاہ کے صلح نامے کو شرفِ قبولیت بخشا۔ اس نے بادشاہ کا صلح نامہ اپنے پاس رکھ لیا اور اپنی منظوری کی تحریر بادشاہ کو روانہ کر دی۔ اس نے دینداروں سے کہہ دیا کہ "واپس جا کر اپنے بادشاہ سے کہہ دینا کہ میں نے اس کی خواہش پر یہ صلح قبول کی ہے۔ میں اپنی فوج کے ساتھ مالوے واپس جا رہا ہوں۔ وہ خود بھی اپنی افواج کے نام مراجعت کا حکم صادر کر دے۔ اگر اس میں مکر و فریب اور دغا و دجل سے کام لیا گیا تو صلح نامہ خود بخود تار تار ہو جائے گا اور میں اس کے بعد جس جنگ کا آغاز کروں گا وہ انتقامی ہوگی۔"

لیکن جب دیندار چلنے لگے تو خلجی نے انہیں روک کر ہدایت کی۔ "اے بادشاہ کے دیندارو! واپسی میں بہلول کو اس صلح نامے سے مطلع کرتے جانا تاکہ وہ خون خرابے سے باز رہے۔"

دینداروں نے وعدہ کیا اور وہاں سے سیدھے بہلول لودھی کے پاس پہنچے اور اس کو اس خفیہ نامے سے مطلع کر دیا۔ بہلول جنگ کی تیاری اور صف آرائی کر چکا تھا۔ اس کا مارے غصے کے برا حال ہو گیا۔ زور زور سے پاؤں پٹخنے لگا، بولا۔ "یہ بادشاہ نے کیا کیا؟ میں۔۔۔ تو کل ہی جنگ جیت چکا تھا۔ آخر صلح کیوں کر لی بادشاہ نے؟"

دینداروں کے سربراہ نے جواب دیا۔ "جناب، ہمیں اس سے زیادہ کچھ بھی معلوم نہیں کہ بادشاہ نے مالوے کے حکمران سے صلح کرلی ہے اور اس صلح نامے کی رو سے ہم جنگ نہیں کر سکتے۔"

بہلول نے غصے میں کہا۔ "یہ سب بادشاہ نے اپنی مرضی سے کر ڈالا افسوس کہ اس نے ہماری پشت میں چھرا اتار دیا۔ میں اس صلح نامہ کو نہیں مانتا۔ میں خلجی سے جنگ جاری رکھوں گا۔"

ایک دیندار نے جواب دیا۔ "اگر تم ایسا کرو گے تو تم ہی اس کے ذمہ دار ہو گے اور شاہی افواج تم سے کنارہ کشی اختیار کر لیں گی۔"

بہلول نے اپنی جگہ قطب خان کو کھڑا کر دیا، بولا۔ "قطب خان! تم میری قائم مقامی کرو۔ میں بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں اور اس سے صلح نامے کو منسوخ کرا دوں گا۔ میں اس کو نہیں مانتا۔ میں جنگ کروں گا۔"

بہلول اسی وقت بادشاہ کے پاس چلا گیا۔ بادشاہ نے شرف باریابی بخشا۔ دینداروں کا وفد بادشاہ کو اپنی روداد سنا رہا تھا۔ اس نے اسی وقت اپنی اور بہلول کی گفتگو بادشاہ کے گوش گزار کی تھی۔ بادشاہ نے بہلول کی بات چیت کو ناپسند کیا تھا، لیکن بہلول کو دیکھتے ہی نرم پڑ گیا اور اس کو خوش اخلاقی سے اپنے پاس بٹھا لیا۔

بہلول کے ماتھے پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے تلخی سے سوال کیا۔ "حضور والا! یہ آپ نے کیا کیا؟"

بادشاہ نے پہلو بدلتے ہوئے جواب دیا۔ "بہلول! میں جنگ کو ناپسند کرتا ہوں۔ میں نے سوچا، اگر جنگ کا پانسہ پلٹ گیا تو کیا ہو گا؟ میں جنگ کے ناپسندیدہ نتائج سے دل برداشتہ ہو رہا تھا۔"

بہلول نے سختی سے کہا۔ "اگر آپ کو صلح ہی کرنا تھی تو کم از کم مشورہ تو کرنا تھا۔ آپ سوچئے تو خلجی نے اس صلح نامے سے ہمارے بارے میں کیا رائے قائم کی ہو گی؟ حضور والا! ہم یہ جنگ جیت چکے تھے۔ آپ نے اس کو ہماری شکست میں بدل دیا۔"

بادشاہ نے جز بز ہو کر جواب دیا۔ "بہلول! میں نے اپنے لیے جو مناسب سمجھا کیا۔ میں بادشاہ ہوں اور کیا بادشاہ بھی اتنا مجبور ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی اور

خواہش سے کوئی کام نہ کرے۔"

بہلول نے کہا۔ "حضور والا! آپ بادشاہ ہیں۔ میں نے یہ کب کہا کہ آپ صاحب اختیار نہیں۔ اس ملک پر آپ کی حکومت ہے اور آپ ہی کا فیصلہ نافذ العمل ہو سکتا ہے لیکن اگر آپ مشورہ کر لیتے تو کیا ہرج تھا۔"

بادشاہ نے سختی سے کہا۔ "بہلول! حد سے نہ بڑھو۔ اگر محمود خلجی دہلی میں داخل ہو جاتا تو؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "جہاں پناہ! یہ ناممکن تھا۔ اس صلح نامے کے باوجود میں مالوے کے حکمران کا پیچھا کروں گا۔ اور یہ ثابت کر دوں گا خلجی جنگ ہار چکا تھا اور راہ فرار اختیار کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا۔"

بادشاہ پریشان ہو گیا، اٹھ کر ٹہلنے لگا، بولا۔ "بہلول! کہیں ایسا نہ ہو کہ محمود خلجی پلٹ پڑے اور حالات ہمارے قابو سے باہر ہو جائیں۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "ایسا نہیں ہو گا جہاں پناہ! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔"

بادشاہ نے کہا۔ "پھر بھی میں تمہیں پیچھا کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

بہلول نے اٹل لہجے میں کہا۔ "جہاں پناہ! اگر میں نے خلجی کا تعاقب نہ کیا تو یاد رکھیے وہ تیاری کر کے ایک بار پھر حملہ آور ہو گا۔"

بادشاہ نے کہا۔ "تم جو چاہو کرو لیکن ایک بات ذہن نشین رہے اگر خلجی واپس آیا تو میری مدد حاصل نہیں ہو گی۔"

بہلول بادشاہ کے پاس سے چلا آیا اور اپنے لشکر میں پہنچا اس نے خلجی کے لشکر کو جاتے دیکھا۔ کچھ لشکر سامان سمیٹنے میں مشغول تھا لیکن خلجی روانہ ہو چکا تھا۔ بہلول نے بقیہ ماندوں پر حملہ کر کے ان کا سارا سامان چھین لیا اور بقیۃ السیف کو سسکتا چھوڑ کر محمود خلجی کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ خلجی نے اپنے پیچھے فوج آتی ہوئی دیکھی تو گھبرا گیا اور فوج کو نہایت تیزی سے مالوے کی طرف بھگانے لگا۔ خلجی کے سرداروں نے کئی جگہ بہلول کو روکنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ آخر کار جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو بہلول واپس آ گیا۔ اس نے خلجی کا لوٹا ہوا سامان ساتھ لیا اور بادشاہ کی خدمت میں پہنچ گیا۔

بادشاہ نے مالِ غنیمت دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ اس نے بہلول کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ "فرزندِ من! میں تمہاری اصابت رائے کا قائل ہو گیا۔ تم نے محمود تغلبی کا پیچھا کر کے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ آج سے تم خانخاناں ہو، بہلول خانخاناں۔ لاہور، دیپالپور اور سامانہ کی حکومتیں تمہارے نام منتقل کی جا رہی ہیں۔ لاہور کے حاکم جسرت کھکھر کو قید کر کے میرے پاس بھیج دو۔"

بہلول اتنا خوش تھا کہ مارے خوشی کے اس کے منہ سے بول تک نہیں جا رہا تھا۔ اس نے قطب خان کو راپری کی حکومت دے دی۔ قطب خان اپنی زمینوں اور علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ ارجمند سے ملاقات کرنا چاہتا تھا مگر عزم کی وجہ سے نہیں مل سکا۔

* * *

بہلول سرہند گیا ہوا تھا۔ وہ لاہور جانے کی تیاریوں میں مشغول تھا۔ ایک دن علی الصباح دہلی سے ایک شخص بہلول کو تلاش کرتا ہوا آیا اور بہلول سے ملاقات کی۔ بہلول نے پوچھا۔

"تو مجھ سے ملنے کیوں آیا تھا؟"

آنے والے نے افسردگی سے بتایا۔ "خان خاناں! محمد شاہ کا انتقال ہو گیا۔ اب مرحوم بادشاہ کا بیٹا علاؤالدین تخت نشین ہونے والا ہے اس کی رسم تاج پوشی میں اظہارِ وفاداری کے لیے جملہ امرائے سلطنت اور حاکمانِ صوبہ و پرگنہ جات دہلی پہنچ رہے ہیں۔ وہاں آپ کی موجودگی بھی ضروری ہے۔"

بہلول نے نفرت سے جواب دیا۔ "اپنے بادشاہ سے جا کر کہہ دے کہ بہلول تیرا وفادار نہیں رہا، پھر میں حاضری کیوں دوں۔ اگر تو علاؤالدین سے کہہ سکے تو یہ بھی کہہ دے کہ دہلی کے تاج و تخت تیرے کمزور جسم کے شایانِ شان نہیں ہیں، انہیں ایک طاقتور اور دانش مند شخص کی ضرورت ہے۔ میں اس شخص کا انتظار کر رہا ہوں، جب وہ ظاہر ہوگا تو میں اظہارِ وفاداری کے لیے حاضر ہو جاؤں گا۔ اور اگر وہ نمودار نہ ہوا تو اظہارِ وفاداری کی رسم ادا کرنے کے لیے دوسروں کو اپنے سامنے آنے کا حکم دوں کا بوجھ سر دست مجھ سے زیادہ لائق

اور تخت و تاج کے قابل کوئی اور شخص ہے ہی نہیں۔"

شاہی ہرکارہ سرہند سے دہلی واپس چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی بہلول نے ایک اپنا آدمی قطب خان کے پاس روانہ کر دیا۔ اس نے عجلت میں قطب خان کو لکھا تھا کہ وہ فوراً دہلی چلا جائے اور نئے بادشاہ کی وفاداری کا دم بھرنے لگے۔ اس سلسلے میں اگر میری مخالفت بھی کرنا پڑے تو نہایت شد و مد سے کر سکتا ہے جب بادشاہ اس سے محبت کرنے لگے تو وہ پر زور کوشش کرے کہ حمید خان کو اپنی راہ سے ہٹا دیا جائے۔ حمید خان کو اپنی راہ سے کس طرح ہٹایا جائے یہ تدبیر قطب خان کو خود سوچنا ہے۔"

بالکل آخری سطروں میں ذاتی باتیں لکھی تھیں۔ "اور قطب خان! دیکھو ابھی ارجمند سے شادی نہ کرنا جب تک میں نہ کہوں، یہ کام نہیں ہونا چاہیے، کیوں؟ یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔"

اس کام سے فارغ ہوتے ہی بہلول نے پنجاب کا رخ کیا اور لڑے بھڑے بغیر ہی لاہور کے حکمران جسرت کھکھر کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیا۔ جسرت کھکھر بادشاہ کی وفاداری سے منحرف ہو چکا تھا۔ اب بہلول خود بھی اپنے منصوبوں اور خاکوں میں اپنی مرضی کے رنگ بھرنا چاہتا تھا۔

قطب خان کو بہلول کا خط مل گیا۔ وہ اپنے علاقے راپری سے دہلی آیا ہوا تھا اور نئے بادشاہ کے وفاداروں میں داخل ہو چکا تھا۔ بادشاہ بہلول کے پیغام سے پریشان بھی ہوا اور خوفزدہ بھی۔ اس نے تخلیہ میں بہلول کے بھائی قطب خان سے شکایت کی۔ قطب خان نے جواب دیا۔ "حضورِ والا! میرا بھائی تاج دہلی کا وفادار ہے۔ اس نے اس قسم کی باتیں کیوں کہیں، بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔"

بادشاہ نے عاجزی سے کہا۔ "بہلول تیرا بھائی ہے، طاقتور بھائی۔ میں اس کی وفاداریوں کا طالب ہوں۔ اس کو کسی طرح سے سمجھا بجھا کر میرے سامنے لے آ، میں اس کو منا لوں گا۔"

قطب خان نے جواب دیا۔ "جہاں پناہ! میں کسی طرح بہلول سے رابطہ قائم کر کے اس کی رنجش کا سبب جاننے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ بادشاہ کا حلقۂ اطاعت اپنی گردن سے

نکال نہیں سکتا۔"

بادشاہ نے کہا۔ "قطب خان! میں بدایوں جانے والا ہوں کیونکہ بدایوں مجھے دہلی سے زیادہ پسند ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میں بدایوں کو ہندوستان کا دارالخلافہ بنا دوں۔ میں چاہتا ہوں بدایوں جانے سے پہلے ہی میں تیرے بھائی بہلول کی وفاداریاں حاصل کر لوں۔"

قطب خان بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر ارجمند کے پاس جانا چاہتا تھا۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ بہلول کی منظوری کے بغیر ہی ارجمند سے شادی کر لے کیونکہ اس کو بہلول پر اعتبار نہیں رہا تھا۔ اور یہ خلش اس کو پریشان کرتی رہتی تھی کہ بہلول بھی ارجمند کو پسند کرتا ہے اور شاید اسی لیے قطب خان کو ارجمند کے پاس جانے یا شادی سے منع کر دیا ہے۔

وزیر حمید خان ہوا کا رخ دیکھ رہا تھا۔ وہ بادشاہ سے مطمئن نہیں تھا۔ اور اپنی وزارت کو خطرے میں محسوس کر رہا تھا۔ اس کو وزارت کا منصب بہلول نے دلوایا تھا، اور اب بہلول ہی دہلی دربار سے کٹ گیا تھا۔ اس لئے حمید خان کی وفاداریاں بھی مشتبہ قرار پا گئی تھیں۔ اس نے قطب خان کو اپنی حویلی میں لے جا کر سمجھایا۔ "قطب خان! تیرے بھائی بہلول کی وجہ سے ہم سب بے اعتبار سے قرار پا گئے ہیں اور تو خدا کے فضل سے نئے بادشاہ کے مقربین میں شامل ہو گیا ہے۔ میں تیرے بھائی کا ہمیشہ رہین منت رہا ہوں اور تو اپنی بے کاری کے زمانے میں کچھ عرصہ میرا مہمان رہا ہے۔ ان خدمات اور احسانات کی روشنی میں تجھے میرا ایک کام انجام دینا ہے۔"

قطب خان نے ناگواری سے کہا۔ "اس طول طویل تمہید کی کیا ضرورت، اپنا کام بتایئے۔"

حمید خان نے جواب دیا۔ "بادشاہ کا مزاج میری طرف سے برہم ہے اور وہ دارالخلافہ کو بدایوں لے جانا چاہتا ہے۔ میں نے اس کے اس خیال کی مخالفت کی ہے۔ ان حالات میں بہت ممکن ہے کہ بادشاہ میرے خلاف سازش کرے اور میرے مخالف بادشاہ کے کان بھرنے لگیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اگر ایسی کوئی بات جو میرے خلاف ہو اور تیرے علم میں آجائے تو تُو اسے میرے علم میں ضرور لائے گا۔"

قطب خان نے جواب دیا۔ "ضرور ضرور، میں آپ کے خلاف تو کبھی جا ہی

نہیں سکتا۔ آپ بے فکر رہیں۔"

حمید خان کو مطمئن کر کے قطب خان ارجمند کے گھر چلا گیا۔ وہ سب قطب خان اور بہلول کے اچانک غائب ہو جانے سے بہت پریشان تھے۔ قطب خان کو اچانک آیا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ارجمند کا باپ ہادی مسکراتا ہوا قطب خان کے گلے لگ گیا، بولا۔ "قطب خان! تم کہاں تھے؟ ہم تو تمہارا انتظار کرتے رہ گئے۔"

قطب خان نے جواب دیا۔ "میں کچھ عرصہ کے لیے اپنے علاقے رابری چلا گیا تھا۔ بھائی بہلول نے پنجاب سے پانی پت تک نظم و نسق سنبھال رکھا ہے ادھر بادشاہ سے کچھ ان بن ہو گئی ہے۔ بادشاہ مجھ کو درمیان میں ڈال کر آپس کی ان بن دور کرنا چاہتا ہے۔ انہی مصروفیات نے مجھے پریشان کر رکھا ہے، ورنہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی آپ لوگوں کو بھلا نہیں سکا۔"

ہادی نے اپنے دل کی بات چھپائے رکھی، بولا۔ "میں تو بہت پریشان ہو گیا تھا۔ ارجمند بھی اپنے محسنوں کے انتظار میں گم صم رہنے لگی تھی۔" اس کے بعد ارجمند کو آواز دی۔ "ارجمند بیٹی! ادھر تو آ، دیکھ تجھ سے کون ملنے آ گیا ہے۔"

ارجمند سر پر دوپٹہ ڈال کر بھاگتی ہوئی آئی اور قطب خان کو بیٹھا دیکھ کر مسکرانے لگی۔ ایسا لگ رہا تھا گویا قطب خان کو دیکھ کر وہ خوشی نہیں ہوئی تھی جس جذبے اور خوشی سے وہ باپ کے پاس پہنچی تھی۔ قطب خان نے ارجمند کو دیکھا تو سر تا پا کیف و سرور میں ڈوب گیا۔ انتہائی تکلف سے پوچھا۔ "ارجمند! اچھی تو ہو؟"

ارجمند نے جواب دیا۔ "اچھی ہوں، آپ تنہا آئے ہیں؟"

قطب خان کے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ سمجھ گیا کہ ارجمند بہلول کی بابت معلوم کر رہی ہے، بولا۔ "ہاں میں تنہا آیا ہوں اور دہلی کے حالات کچھ ایسے ہیں کہ شاید بھائی بہلول اب دہلی نہ آ سکیں۔"

ارجمند نے بڑے کرب سے پوچھا۔ "وہ کیوں؟ خیریت تو ہے؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "ساری باتیں تیرے باپ کو بتا دی ہیں ان سے معلوم کر لینا۔"

اس کے بعد ان لوگوں میں دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ان کی باتوں میں ایک بار ارجمند کی پاگل ماں نے اچانک نمودار ہو کر بڑی بدمزگی پیدا کر دی لیکن ہادی نے اس کو ایک کمرے میں بند کر کے ماحول کے تکدر کو دور کرنے کی کوشش کی۔ مہدی کہیں گیا ہوا تھا جب وہ بھی آ گیا تو ماحول میں پیدا ہو جانے والی بدمزگی کسی حد تک دور ہو گئی۔ قطب خان کے لیے مزے مزے کے کھانے پکوائے گئے اور ہادی نے اصرار کیا کہ ایک رات اس کے ساتھ گزارے۔

قطب خان نے معمولی سی حیل و حجت کے بعد ہادی کی بات مان لی اور اس دن ہادی کا مہمان بنا رہا۔ اس دن قطب خان سے ارجمند کا کئی بار سامنا ہوا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے بھی مگر قطب خان کی مسکراہٹ میں حجابات تھی، وہ ارجمند کی ہنسی میں نہیں تھی۔

رات کو ہادی اور قطب خان ایک ہی کمرے میں سوئے۔ دونوں لیٹے لیٹے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ کمرے میں نیم خاموش سی شمع جل رہی تھی۔ ہواؤں کے ہلکے ہلکے جھونکے شمع کی لو کو بار بار جھلملا رہے تھے۔ ہادی باتیں کرتے کرتے اٹھ کر بیٹھ گیا اور صحن میں جا کر آسمان کی طرف کچھ دیکھتا رہا۔ پھر دونوں ہاتھ پشت پر باندھ کر کچھ دیر ٹہلتا رہا۔ وہ کسی کرب میں مبتلا تھا۔ وہ اندر ہی اندر گھٹ رہا تھا، کڑھ رہا تھا، کچھ کہنے کے لیے، کوئی بات کرنے کے لیے۔

کچھ دیر صحن میں ٹہل کر وہ دوبارہ اپنے کمرے میں چلا گیا، اور بستر پر بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا۔ قطب خان اس کی بے چینی کو محسوس کر رہا تھا۔ آخر خود بھی اٹھ کر بیٹھ گیا، پوچھا۔ "کیا بات ہے آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں؟"

ہادی نے کہا۔ "ہاں قطب خان! میں پریشان ہوں۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

قطب خان نے جواب دیا۔ "پھر کیجیے، کرتے کیوں نہیں؟"

ہادی نے اٹھ کر اپنے پلنگ کے پاس ایک مونڈھا بچھا دیا، بولا۔ "قطب خان تم اس پر بیٹھ جاؤ، میرے قریب اور میری باتیں غور سے سنو۔"

قطب خان ہادی کے پاس مونڈھے پر بیٹھ گیا۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا کہ ہادی معلوم نہیں کسی قسم کی باتیں کرنے والا ہے۔

ہادی نے قطب خان پر اچٹتی نظر ڈالی اور اس کے ہونٹ تھرتھرا کر رہ گئے۔ اسی وقت ہوا کا ایک تیز جھونکا شمع شاخہ موم بتیوں کو کپکپا کر گزر گیا۔

ہادی نے کہا۔ "قطب خان! تم نے موم بتیوں کو لرزتے کپکپاتے دیکھا۔ بالکل اسی طرح میرا دل لرزتا کپکپاتا رہتا ہے۔"

قطب خان نے پوچھا۔ "وہ کیوں؟"

ہادی نے کہا۔ "قطب خان! تم مجھ سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ میں تم سے کس قسم کی باتیں کرنا چاہتا ہوں؟"

قطب خان نے کہا۔ "میں نے ابھی ابھی پوچھا تو تھا۔"

ہادی پھر چپ ہو گیا۔ چند لمحوں بعد کہا۔ "قطب خان! آج میں اپنی ارجمند کے سلسلے میں سنتِ رسول ﷺ پر عمل کروں گا۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کے رشتے کی بات متوالی تھی۔ اسی طرح آج میں اپنی بیٹی کی بات تم سے کر رہا ہوں، میں تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے ارجمند کی بابت کیا فیصلہ کیا؟"

قطب خان کا سر جھک گیا، بولا۔ "ارجمند کے بارے میں کوئی فیصلہ آپ ہی کر سکتے ہیں، میں کیا فیصلہ کروں گا۔"

ہادی نے جواب دیا۔ "کیا تمہارے خاندان میں کوئی بڑا نہیں ہے جو تمہاری طرف سے مجھ سے بات کرے۔"

قطب خان نے کہا۔ "یہ بات بھائی بہسلول کر سکتے تھے مگر۔۔"

ہادی نے بے چین ہو کر سوال کیا۔ "مگر، مگر کیا؟"

قطب خان نے سر جھکا لیا۔ "مگر یہ کہ ارجمند کے معاملے میں وہ میری طرف سے کوئی بات نہیں کریں گے۔"

ہادی نے کہا۔ "یہ بات میں خود بھی سمجھتا ہوں، چلو، اگر کوئی نہیں ملتا تو نہ سہی۔ اپنی بات تم خود بھی کر سکتے ہو۔"

قطب خان نے کہا۔ "یہ بات میں چند دن بعد کروں گا۔ بھائی بہسلول کا اثر و اقتدار بہت بڑھ چکا ہے۔ کل کیا صورت ہو گی کسی کو نہیں معلوم، اگر بہسلول اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو گیا تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ ہمیں اس کی مخالفت مہنگی پڑے گی۔ میں بہسلول کو اچھا نہیں سمجھتا لیکن اس کی طاقت اور اثر و اقتدار کی

وجہ سے اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

ہادی نے پوچھا۔ "پھر میں کیا کروں قطب خان؟ کیا میں ارجمند کے لئے کسی اور کو تلاش کروں؟"

قطب خان نے جواب دیا۔ "نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ارجمند اور آپ کو میں کبھی بھی کوئی دھوکا نہیں دوں گا۔"

ہادی نے کہا۔ "تب پھر میں یہ یقین رکھوں کہ ارجمند کا مسئلہ حل ہو گیا اور میں تمہارے علاوہ کسی اور کی طرف نہ دیکھوں۔"

قطب خان نے انکساری سے جواب دیا۔ "اگر آپ ایسا کریں گے تو مجھ پر احسان کریں گے اور میں زندگی بھر آپ کا شکرگزار اور احسان مند رہوں گا۔"

ہادی نے اسی وقت مصلےٰ بچھا کے کئی رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ قطب خان بھی بے حد خوش تھا۔ جب ہادی نماز پڑھ چکا تو قطب خان نے کہا۔ "اب آپ بھی مجھ سے ایک وعدہ کریں۔"

ہادی نے جواب دیا۔ "اب میں تیری حمایت اور تائید میں کوئی بھی وعدہ کر سکتا ہوں۔"

قطب خان نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ بہلول بھی ارجمند کو بہت پسند کرتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ وہ ارجمند سے شادی کرنا چاہتا ہے تو شاید غلط نہ ہو۔"

ہادی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "لیکن قطب خان میں اپنی بیٹی کی شادی بہلول سے کس طرح کر سکتا ہوں، اس کی دو بیویاں تو پہلے ہی موجود ہیں۔ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ میں ارجمند کا گلا اپنے ہاتھ سے گھونٹ دوں۔"

قطب خان نے اٹھ کر ہادی کے ہاتھ پکڑ لیے اور انہیں بوسہ دیتے ہوئے کہا "بس جناب اپنی اس بات پر آپ ہمیشہ قائم رہیئے گا۔"

ہادی نے جواب دیا۔ "بالکل۔ یہ ایک مرد کا قول ہے۔"

قطب خان نے کہا۔ "ویسے میں بھی ایک زبردست چال چلنے والا ہوں۔ اگر میں اس میں کامیاب ہو گیا تو ایک نمایاں مقام حاصل کر لوں گا اور اس وقت میں بھائی بہلول یا کسی اور کی کوئی پرواہ نہ کروں گا۔"

اس رات وہ دونوں اتنے مطمئن ہوئے اور سونے کے بعد نیند نے ایسا غلبہ کیا کہ صبح فجر کی نماز بھی قضا ہو گئی۔ دونوں اسی وقت بیدار ہوئے جب کہ دیوار

کی دھوپ نیچے اتر چکی تھی۔ ہادی غسل کرنے چلا گیا۔ مہدی کہیں جا چکا تھا قطب خان ہادی کے غسل خانے سے نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اسی عالم میں چپکے چپکے ارجمند قطب خان کے پاس آئی اور جلدی جلدی قطب خان سے کہا۔ "قطب خان! میں نے رات کی باتیں سن لی ہیں۔ میں صرف اتنا کہوں گی کہ میرے بارے میں جو کام تیرے بھائی بہلول کی مرضی کے خلاف ہو گا وہ میرے بھی خلاف ہو گا۔ میرے باپ یا تمہیں میری مرضی کو بھی ذہن نشین رکھنا ہو گا۔ میری تائید بھی حاصل کرنا ہو گی۔"

قطب خان کا سارا سکون ساری طمانیت ایک بار پھر برباد ہو گئی اور وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

بادشاہ بدایوں جانے کے لیئے بے قرار تھا۔ حمید خان مخالفت کر رہا تھا۔ مگر بادشاہ نے اس کی ایک بھی نہ مانی اور بدایوں جانے کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ بادشاہ کو اپنے جن امرا کی تائید اور حمایت کی ضرورت تھی ان میں قطب خان سرفہرست تھا۔ بادشاہ نے قطب خان سے حمید خان کی شکایت کی، کہا۔ "قطب خان! کیا تو نے اپنے بھائی بہلول سے رابطہ قائم کیا؟ میں اس کی وفاداریاں حاصل کیے بغیر کچھ بھی نہیں۔"

قطب خان نے موقع غنیمت دیکھا تو بہلول والا داؤ لگا دیا، بولا "حضور والا! میں نے بہلول سے رابطہ قائم کیا تھا۔ اس نے اپنی وفاداریوں کے عوض حضورِ والا سے جو کچھ چاہا ہے میں اس کو اپنی زبان سے ادا کرتے ہوئے گھبراتا ہوں اسی لیے خاموشی اختیار کر لی تھی۔"

بادشاہ نے بناوٹی غصے سے کہا۔ "قطب خان! تو نے مجھ پر بڑا ظلم کیا، بتا بہلول مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ میں اس کو ہر وہ شے دے سکتا ہوں جو میرے قبضۂ اختیار میں ہو گی۔"

قطب خان نے اپنے آس پاس دیکھتے ہوئے سرگوشی میں عرض کیا۔ "حضور والا! جان کی امان پاؤں تو عرض کروں!"

بادشاہ نے جواب دیا۔ "جان کی امان دی، جو کچھ کہنا ہے بے خوف و خطر کہہ دے۔"

قطب خان نے عرض کیا۔ "حضور والا! میرا بھائی بہلول حمید خان سے نفرت کرتا ہے۔ اس نے کہلوایا ہے کہ اگر بادشاہ میری وفاداریوں کا طالب ہے تو پہلے حمید خان کو قتل کرا دے۔ اس کے بعد میں خود حاضر ہو جاؤں گا۔"

اس مطالبے نے بادشاہ کو بدحواس کر دیا۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گیا۔ قطب خان اس کی صورت تکتا رہ گیا۔

آخر بادشاہ ہوش میں آ گیا۔ بولا۔ "اپنے بھائی بہلول کو میری طرف سے یہ خوش خبری بھیج دے کہ میں اس کی وفاداریاں اس قیمت پر بھی خریدنے کو تیار ہوں۔ عنقریب اس کی شرط پوری کر دی جائے گی۔"

قطب خان نے جواب دیا۔ "اور میرے بھائی بہلول نے یہ بھی کہلوایا ہے کہ حمید خان کے قتل کے بعد مجھے اس کا قائم مقام بنا دیا جائے۔ پھر جب وہ دہلی آ جائے گا تو میری قائم مقامی ختم ہو جائے گی۔"

بادشاہ نے کہا۔ "میں اس پر بھی عمل کروں گا تو بے فکر رہ۔"

بادشاہ نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق بدایوں کا سفر شروع کر دیا۔ حمید خان نے ایک بار پھر مزاحمت کی۔ بادشاہ نے اپنے محافظوں کو حکم دیا۔ "حمید خان کو قید کر دیا جائے۔"

شاہی محافظوں نے اسی وقت حمید خان کو گرفتار کر لیا۔ حمید خان کے رشتہ داروں نے اس کی گرفتاری کی خبر جو سنی تو وہ چوکنا ہو گئے۔ انہیں کسی طرح یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ کسی نے بادشاہ کو حمید خان کے قتل کا مشورہ دے دیا ہے۔ یہ مشورہ کس نے دیا؟ اس کا پتہ نہیں چل سکا۔

بادشاہ کچھ دن امروہے میں رہا اور وہاں سے بدایوں روانہ ہو گیا۔ حمید خان کے بھائی نے نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے حمید خان کو رہا کرا لیا اور لے کر دہلی روانہ ہو گیا۔ یہ بری خبر بادشاہ نے جو سنی تو وہ بیمار سا ہو گیا اور حمید خان اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری کا پروانہ دے کر ایک دستہ ان کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ حمید خان کے بھائیوں اور حمایتیوں نے متعاقبین میں سے اکثر کو قتل کر دیا اور یہ لوگ لڑتے بھڑتے دہلی قلعہ میں داخل ہو گئے۔ یہاں بادشاہ کا حرم اب بھی رہ رہا تھا۔ حمید خان بے روک ٹوک اندر گھس گیا اور عورتوں کی بے حرمتی کرنے لگا۔ وہ بادشاہ سے انتقام لے رہا تھا۔

قطب خان نے اپنی تدبیر کو الٹے جو دیکھا تو اتنا پریشان ہوا کہ بادشاہ کے روبرو جانے کی ہمت تک نہیں باقی رہی۔ اس نے بادشاہ سے کہلوایا۔ "حضور والا! یہ کیا ہو گیا؟ اب کیا ہو گا؟"

بادشاہ نے جواب دیا۔ "میں کیا جانوں کہ یہ کیا ہو گیا۔ میں خود بہت پریشان ہوں۔ اپنے بھائی بہلول کو سارے حالات لکھ کر روانہ کر دے پھر وہ جو مشورے دے ان پر عمل شروع کر دیا جائے گا۔"

قطب خان نے ساری روداد بہلول کو لکھ بھیجی۔ بہلول نے پڑھا تو خوب ہنسا۔ بولا۔ "واہ رے قطب خان تو نے میری ہی ترکیب پر عمل کیا مگر ناکام رہا۔ واہ بھئی واہ، خوب کام کیا۔"

اس کے بعد اپنے آپ سے کہا۔ "بہلول! تجھے کچھ نہ کچھ کرنا ضرور ہے پھر قطب خان کے آدمی کو جواب دیا۔ "جا! میرے بھائی قطب خان سے کہہ دینا۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں بہت جلد دہلی پہنچ رہا ہوں!"

❋ ❋ ❋

حمید خان نے وقتی جوشِ انتقام میں جو کچھ کیا تھا، بعد میں خوفزدہ ہو گیا۔ اس کو خوب معلوم تھا کہ وہ کسی سہارے کے بغیر مستقلاً شاہی محل میں نہیں رہ سکتا۔ اس بارے میں اس نے اپنے عزیزوں اور رشتے داروں سے بھی مشورہ لیا۔ اس باب میں ہر کوئی پریشان تھا۔ اس کے ایک لائق عزیز نے مشورہ دیا۔ "کسی طاقت ور شخص کو دہلی بلوا کے تاج و تخت اس کے حوالے کر کے خود وزیر بن جا۔ اس طرح تو اپنے دشمن بادشاہ سے نجات بھی حاصل کر لے گا اور اپنا منصبِ وزارت بھی بچا لے گا۔"

مشورہ بہت اچھا تھا اور اس سلسلے میں حمید خان کے ذہن میں دو نام آئے۔ محمود خلجی مالوے کا حکمران اور محمود شرقی جونپور کا فرماں روا۔ اس عہد میں یہ دونوں ہی نہایت طاقت ور حکمران تھے۔ حمید خان ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے ہی والا تھا کہ بہلول کا ہرکارہ ایک ضروری پیغام کے ساتھ حمید خان کی خدمت میں پہنچ گیا۔ بہلول نے حمید خان کو لکھا تھا۔

"حمید خان! میں آپ کو مستقبل کے بادشاہ کی حیثیت دیتا ہوں اور عاجزانہ

سلام پیش کرتا ہوں۔ نیا بادشاہ علاؤ الدین احمق اور بزدل تھا۔ آپ نے اس کو تخت دہلی سے بے دخل کر کے بڑا کام کیا ہے درحاصل دہلی کے تخت و تاج آپ ہی جیسے کسی شخص کے منتظر تھے۔۔ میں دہلی آرہا ہوں تاکہ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے ماضی میں بھی آپ کا بے حد ساتھ دیا تھا اور اب بھی میری ساری صلاحیتیں اور میرے جملہ وسائل آپ کو فائدہ پہنچانے میں مصروف ہو جائیں گے۔

آپ کسی اور کو بادشاہ ہرگز نہ بنائیں کیونکہ آپ جس کو بھی بادشاہ بنائیں گے وہ آپ کو اس کا یہ صلہ دے گا کہ آپ ہی کے قتل کا فرمان جاری کر دے گا اس لیے کسی پر بھی احسان کرنے کی ضرورت نہیں۔

آپ کو اگر کسی پر احسان ہی کرنا ہے تو اپنے آپ پر کیجئے۔ میں آپ کو بادشاہ بنانے کے حق میں ہوں، میں اپنی وفادار اور جاں نثار فوج کے ساتھ دہلی آرہا ہوں تاکہ آپ کو بادشاہ بننے میں مدد دی جائے۔"

حمید خان نے اس خط کے بعد محمود خلجی اور محمود شرقی کا خیال دل سے نکال دیا اور اپنی بادشاہی کے خواب دیکھنے لگا۔

بہلول نے اس قسم کا ایک خط قطب خان کے ذریعے بادشاہ کو بھی روانہ کیا۔ اس میں بہلول نے بادشاہ کو لکھا تھا۔

"آپ کے ساتھ حمید خان اور اس کے بھائیوں نے جو کچھ کیا اور شاہی حرم کو جس طرح ذلیل و خوار کیا ہے اس پر سب سے زیادہ افسوس مجھے ہے۔ حمید خان ایک طاقتور شخص ہے۔ اس طاقتور شخص کو سزا دینا میرا کام ہے۔ میں اس مقصد سے دہلی جا رہا ہوں، حضور والا دعا فرمائیں کہ خدا مجھے کامیاب کرے۔ حکمت عملی اور ہوشیاری سے غاصب اور غدار حمید خان کو کیفر کردار کو پہنچانا اور حضور والا کو تخت دہلی پر دوبارہ بٹھانا میری زندگی کا عظیم مقصد ہے۔ بدایوں میں صبر و تحمل سے تشریف فرما رہیے اور میری کوششوں کے نتائج کا انتظار فرمایئے۔

بہلول افغان سپاہ کے ساتھ باوقار انداز میں دہلی میں داخل ہوا تو حمید خان نے جوش و خروش سے اس کا استقبال کیا اور اپنے محل سے دور، ان کی رہائش اور طعام کا انتظام کر دیا۔ اس نے بہلول کو سمجھایا کہ وہ جب بھی حمید خان سے ملنے آئے اپنے ساتھ افغانوں کو زیادہ تعداد میں نہ لائے۔ لیکن بہلول نے اس سے

اتفاق نہیں کیا۔ اس نے جواب دیا۔ "جناب والا! میری قوم کے سارے ہی آدمی تخت دہلی کے محافظ اور خدمت گار ہیں۔ اوّل تو میں ان کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ دربار میں آنے سے رہا۔ دوسرے یہ کہ میں ان سے اتنا بے تکلف بھی نہیں کہ انہیں اپنے ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضری دوں، میں نے اپنے اور ان کے درمیان ایک حجاب سا قائم کر رکھا ہے اور یہ ہمیشہ قائم رہے گا۔"

حمید خان بہلول کے جواب سے مطمئن ہو گیا۔ بہلول نے قطب خان کو بھی دہلی میں بلا لیا۔ اور یہ دونوں نہایت ادب و احترام سے حمید خان کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے۔ حمید خان اس دن کا انتظار کر رہا تھا جب اس کو بادشاہ کی جگہ بٹھا کر اس کا نام خطبے میں داخل کیا جانے والا تھا۔ لیکن بہلول کا مشورہ یہ تھا کہ پہلے اپنی فوجی طاقت میں غیر معمولی اضافہ کر لیا جائے اور بدایوں میں بادشاہ کی حرکات و سکنات اور ارادوں کے بارے میں پوری معلومات حاصل کی جائے۔ اس کے بعد اس کی روشنی میں حمید خان کی بادشاہی کے اعلان کے دن تاریخ کا تعین کر دیا جائے۔

مشورہ درست تھا اس لیے حمید خان خاموش ہو گیا۔

قطب خان ان نازک اور خطرناک لمحات میں ارجمند کا مسئلہ حل کرنے کی فکر میں تھا۔ اس نے بہلول سے صاف صاف کہہ دیا کہ "تم جو کھیل کھیل رہے ہو مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ میں اس میں اسی وقت اور اس حد تک ساتھ دے سکتا ہوں کہ تم میرا ساتھ دو، میرے ساتھ ارجمند کے گھر چلو اور میرے لیے ارجمند کا رشتہ مانگو کیونکہ بادشاہ نے یہی تجویز کیا ہے وہ اس کام کو اسی انداز میں کرنا چاہتا ہے جس انداز میں یہ ہوتا آیا ہے۔"

بہلول ایک دم برہم ہو گیا۔ "قطب خان! کیسی بداخلاقی اور حماقت کی بات کرتے ہو۔ یہ شادی کا وقت ہے! کیا تم نہیں جانتے کہ ہم پل صراط سے گزر رہے ہیں تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک راستے پر سفر کر رہے ہیں۔ ہماری ذرا سی لغزش ہمیں جہنم میں گرا دے گی۔ ان حالات میں کم از کم میں ارجمند کے گھر نہیں جا سکتا۔ دوسرے یہ کہ ارجمند کا ایک امیدوار میں خود ہوں، میں تمہارے لیے بات کیوں کروں بلکہ تم میرے لیے بات کرو گے۔"

قطب خان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ بگڑ کر بولا۔ "بھائی بہلول! یہ تمہارا

زیادتی ہے۔ میں اس ناانصافی کو برداشت نہیں کر سکتا تم کو میرے راستے سے ہٹنا پڑے گا۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "اس لیے میں کہتا ہوں کہ ابھی اس مسئلے کو نہ چھیڑو۔ اس کو کسی اور وقت پر اٹھا رکھو۔"

قطب خان منہ بناتا تیوریوں پر بل ڈالے بہلول کے سامنے سے ہٹ گیا۔ لیکن اب وہ خطرناک ہو چکا تھا اور بہلول کے خلاف منصوبہ بندی میں مشغول ہو چکا تھا۔ بہلول اس کے پیچھے پیچھے آہستہ آہستہ چلتا رہا اور اس کو پکار کر مخاطب کیا۔ "قطب خان! زیادہ جذباتی نہ بنو، میری بات سنو!"

قطب خان نے پیچھے مڑے بغیر جواب دیا۔ "اب میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا، تم آزاد ہو جو چاہو کرو اور مجھے بھی آزاد سمجھو، میں جو مناسب سمجھوں گا کروں گا۔"

بہلول نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ لیکن ہم دونوں جو کچھ بھی کریں گے اس کا خاص خیال رکھیں گے کہ ہمارے اقدام سے افغان قوم کے مفاد کو کوئی نقصان نہ پہنچے ہمارے اتحاد کو ضرر نہ پہنچے۔"

قطب خان نے جواب دیا۔ "میں اس کا وعدہ نہیں کروں گا۔"

بہلول چیخ پڑا۔ "قطب خان! تب پھر میری بات بھی سن لے میں ہر اس شخص کو اپنی راہ سے ہٹا دوں گا۔ جو میری قوم کو نقصان پہنچائے گا۔ میرے نزدیک کسی ایک شخص کا قتل کوئی معنی نہیں رکھتا۔ میں افغان قوم کو سرفرازی و سربلندی کی طرف لیے جا رہا ہوں، تم میرا راستہ نہیں روک سکتے۔ افغان قوم کے لئے میرا وجود بہت قیمتی اور ضروری ہے تمہارا نہیں، لیکن میں ۔۔"

قطب خان نے بات کاٹ دی۔ "بھائی بہلول! مجھے مبارزت کی دعوت نہ دو! اس وقت میں بھی اتنا ہی اہم اور ضروری ہوں جتنے تم۔ میری ذرا سی جنبش لب تمہیں وہ نقصان پہنچا سکتی ہے جس کا تم خود بھی اندازہ لگا سکتے ہو۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "بہرحال اس وقت تو تم خاموش رہو آپس کے جھگڑے بعد میں نمٹ جائیں گے۔"

قطب خان نے کہا۔ "میں اپنے قومی مفاد کی وجہ سے چپ ہو رہا ہوں لیکن رجمند سے تمہاری خاطر دستبردار ہو جاؤں یہ ناممکن ہے۔" بہلول اپنی جگہ پر واپس گیا

اور قطب خان ارجمند کے گھر چلا گیا۔

* * *

رفتہ رفتہ بہلول کا زیادہ وقت حمید خان کے پاس گزرنے لگا۔ بہلول کے ساتھ دس بارہ افغان بھی ہوتے تھے۔ ان افغانوں نے حمید خان کے دربار میں گنواروں جیسی روش اختیار کی۔ ان کو درباداری کا سلیقہ بالکل نہ آتا تھا اور درباری آداب سے بھی ناواقف تھے۔ بہلول کے ایک ساتھی نے حمید خان کے دربار میں بچھے ہوئے قالین کا ایک کونہ اٹھا کر بغور دیکھنا شروع کیا۔ اس کی دیکھا دیکھی چند دوسرے افغانوں نے بھی قالین کو الٹ پلٹ کر کر دیکھنا شروع کیا۔ حمید خان نے ناگواری سے پوچھا۔ "بہلول! یہ لوگ قالین میں کیا دیکھ رہے ہیں؟"

بہلول نے پریشان ہو کے جواب دیا۔ "پتہ نہیں!" پھر پٹھانوں سے پوچھا۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے؟ تم لوگ قالینوں میں کیا چیز تلاش کر رہے ہو؟"

ایک افغان نے جواب دیا۔ "جناب والا! اس کپڑے کو کیا کہتے ہیں؟ یہ ہمیں بہت اچھا لگتا ہے!"

حمید خان نے کہا۔ "یہ کپڑا نہیں قالین ہے۔ تم نے قالین نہیں دیکھے؟"

ایک افغان نے جواب دیا۔ "یہ کپڑا نہیں، قالین ہے؟ کیا مطلب؟ ہمیں تو یہ کپڑا ہی نظر آتا ہے۔" پھر خوشامدانہ عرض کیا۔ "جناب والا! ہم نے آپ کے دربار کی اپنے رشتہ داروں سے بڑی تعریفیں کی ہیں۔ براہ کرم اس کپڑے کے چند ٹکڑے ہمیں بھی عنایت فرما دیں۔ ہم انہیں گھر بھجوا دیں گے۔ ہمارے بچے ان کی ٹوپیاں بنا لیں گے۔"

حمید خان نے کہا۔ "میں ایک ٹکڑا نہیں پورا قالین دے دوں گا۔ اس کی جو چیز چاہو بنوا لینا۔"

اس نے کئی افغانوں کو اپنے اپنے ہاتھوں میں جوتیاں لے کر دربار میں داخل ہوتے دیکھا۔ یہ افغان جوتیاں لئے ہوئے حمید خان کے سرہانے دیوار میں ایک طاق کی طرف بڑھے اور اس میں اپنی اپنی جوتیاں رکھنے لگے۔ بہلول نے انہیں ڈانٹا۔ "یہ کیا جنگلی پن ہے۔ یہ دربار ہے یہاں انسان ادب واحترام سے اٹھتا بیٹھتا ہے۔"

ایک افغان کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ اس نے بہسلول کو ڈانٹ دیا۔ "تو بھی سردار! تم خاموش ہو جاؤ، اب ہم دہلی دربار کے ملازم ہیں۔ بہت دن زیادتیاں کر لیں۔ ہم حمید خان کا نمک کھا رہے ہیں۔ حمید خان ہی کا حکم مانیں گے، تمہارا نہیں۔"

حمید خان نے دوسرے افغانوں کو دیکھا۔ وہ دربار میں پیش کیے جانے والے پانوں کا چونا چاٹ رہے تھے۔ کتھا چونا چاٹ کر پان کا پتہ پھینک دیا۔ بہسلول نے کہا۔ "ارے احمقو! تم نے مجھے ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا۔ یہ پان ہے۔ اس کی ہر چیز شوق سے کھائی جاتی ہے۔"

افغان سردار پھر ناراض ہو گئے۔ ایک نے کہا۔ "بہسلول، اب میں تمہارا ملازم نہیں ہوں، اگر تم نے یہ بار بار ٹوکنے کی روش ختم نہ کی تو میں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں گا۔"

قطب خان بھی وہیں موجود تھا۔ معنی خیز نظروں سے بہسلول کی طرف دیکھا اور دربار سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

گھر پر قطب خان نے بہسلول سے کہا۔ "بھائی بہسلول! اپنے رویوں میں تبدیلی کرو ورنہ سارے ہی افغان باغی ہو جائیں گے اور تمہیں چھوڑ کر حمید خان کی وفاداری کا دم بھرنے لگیں گے۔"

بہسلول نے کہا۔ "میری قوم میرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ لوگ اجڈ اور بدمزاج ضرور ہیں لیکن میرے ہمدرد اور فرماں بردار بھی ہیں۔ میں ان سے مایوس نہیں ہوں۔"

قطب خان نے چڑ کر کہا۔ "بھائی بہسلول! میرا خیال ہے تمہاری سوجھ بوجھ تم سے چھن چکی ہے اور تم اب وہ نہیں رہے جو پہلے ہوا کرتے تھے۔"

بہسلول نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے، لیکن یہ بھی ہے کہ میری قوم مجھ سے والہانہ محبت کرتی ہے۔ مجھ کو اپنی قوم پر اعتبار ہے میں اس پر اعتماد کرتا ہوں۔"

قطب خان خاموش ہو گیا۔ لیکن اب قطب خان بھی بہسلول سے دل برداشتہ ہو چلا تھا۔

کئی دن بعد درباری افغانوں نے بہسلول کی پرواہ کیے بغیر حمید خان کا

دم بھرنا شروع کر دیا۔ وہ خود کو کھلم کھلا حمید خان کا نمک خوار کہہ رہے تھے اور بہسلول کو یکسر نظر انداز کر رہے تھے۔ بہسلول پریشان دکھائی دینے لگا۔ حمید خان ان اجڈ افغانوں سے اتنا متاثر ہوا کہ ان کی دعوت کر دی۔ بہسلول اور قطب خان نے معذرت کر لی۔ وہ اس میں اپنی سبکی محسوس کر رہے تھے۔ حمید خان نے انہیں منانا چاہا وہ ان دونوں سرداروں کو ناخوش نہیں کرنا چاہتا تھا۔

بہسلول نے شکایت کی۔ "جناب والا، اگر یہ دعوت ہم دونوں کے اعزاز میں کی جاتی تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ لیکن افسوس کہ ہمارے ماتحت سرداروں کی دعوت کر کے ہمیں ہماری اپنی اور اپنے ماتحت سرداروں کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہمیں ایسا لگتا ہے گویا ہمیں آپس میں لڑانے کی کوشش کی جا رہی ہے!"

حمید خان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بہسلول کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بولا۔ "بہسلول! میں تجھے اپنا بیٹا سمجھتا ہوں۔ تو نے مجھ پر کتنی احسان کیے ہیں۔ یہ دعوت تیرے ہی اعزاز میں کی گئی ہے۔ ورنہ میں ان افغان سرداروں کو کیا جانوں۔ اگر تو نے اس دعوت میں شرکت نہ کی تو میں۔"

بہسلول نے حمید خان کی بات کاٹ دی بولا۔ "جناب والا! یہ اجڈ گنوار لوگ، گھڑی میں اولیا گھڑی میں بھوت اگر ان کے دلوں سے میری عزت و وقعت نکل گئی تو میں کہیں کا بھی نہیں رہ جاؤں گا۔"

حمید خان نے وعدہ کیا۔ "اچھا اس دعوت کے بعد میں کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جس سے تم میں اور تمہاری قوم میں اختلاف پیدا ہو جاتے میں وعدہ کرتا ہوں۔"

بہسلول رکا تو قطب خان بھی رک گیا۔ حمید خان نے ان سب کی بڑی شاندار دعوت کی تھی۔ دستر خوان پر کھانے سجے تھے فضا کو معطر رکھنے کے لئے جگہ جگہ عطر و عرق گلاب میں تر روئی کے پھاہے رکھے ہوئے تھے۔ خاصدانوں میں پان کی گلوریاں بھی سجا دی گئی تھیں پھولوں کے گلدستے اپنی تعداد کے اعتبار سے کھانوں کی برابری کر رہے تھے۔

بہسلول کے ساتھی افغانوں نے کھانے کے بجائے عطر اور گلاب کے معطر

پھلکے اٹھا لیے اور انہیں چوسنا شروع کر دیا۔ ادھر سے فارغ ہوئے تو پیالوں کے شوربے چاٹنے لگے۔ چوسنے کی تیزی نے منہ کو زخمی کیا تو اپنے اپنے منہ پیٹنے لگے اور جب اس سے فائدہ محسوس نہیں ہوا تو پھولوں کے گلدستے اٹھا لیے اور ان میں سے پھولوں کی پتیاں نوچ نوچ کر چٹ کرنے لگے۔

حمید خان ان کی حرکتوں پر مسکراتا رہا۔ اس نے بہلول سے پوچھا "بہلول یہ انہیں ہو کیا گیا ہے؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "جناب والا! میں ان کی وحشیانہ خو بو سے ہمیشہ پریشان رہا ہوں اور میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ انہیں اتنی طرح دی جائے۔ یہ دیہاتی گنوار اور تہذیب و تمدن سے نا آشنا لوگ اس لائق نہیں ہیں کہ شاہوں کی محفل میں بٹھائے جائیں ان کے خلوص پر شبہ نہیں لیکن ان کی جہالت اور نادانی کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔"

حمید خان نے ہنس کر کہا۔ "مجھے تو یہ سادہ لوح بھولے بھالے لوگ بہت اچھے لگ رہے ہیں۔"

بہلول نے افغانوں کو ڈانٹا۔ "احمقو! مہذب بننے کی کوشش کرو یہ کیا جنگلی پن اختیار کر رکھا ہے؟ کھانا کھاؤ کھانا! تم نے تو مجھ کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا!"

کئی پٹھان بہلول سے ناراض ہو گئے، ایک نے کہا۔ "بہلول زبان سنبھال کر! کر دار ان مزے دار کھانوں اور معطر چیزوں کو دیکھ کر ہمیں تیری کم مائیگی اور عسرت کا اندازہ ہوا۔ اب ہم حمید خان کے ملازم ہیں تیرے نہیں، خبردار جو تو نے ہم پر حکم چلانے کی کوشش کی!"

افغانوں نے بہلول اور قطب خان کو نظر انداز کر کے خوب خوب کھایا۔ حمید خان خوش ہوتا رہا اور بہلول اور قطب خان کڑھتے جلتے رہے۔ اب قطب خان کو باتیں بنانے کا موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ طنزاً کہا۔ "بھائی بہلول یہ کیا ہو رہا ہے؟ میرا خیال ہے انسانی جبلت کی خرابی بڑھ کے بڑے نقصانات پہنچا دیتی ہے، اب بھی وقت ہے کہ تم اپنی اصلاح کر لو اور نیک نیتی اختیار کر لو۔"

بہلول نے ناراض ہو کر کہا۔ "قطب خان! افسوس کہ تو بھی باتیں بنانے لگا۔ مجھ کو تجھ سے یہ امید نہیں تھی۔"

قطب خان نے جواب دیا۔ "اور بھائی بہلول مجھ کو بھی تجھ سے یہ امید نہیں تھی کہ تم ارجمند سے محبت کرنے لگو گے اور اس سے اپنی شادی کرنا چاہو گے جبکہ تمہیں معلوم ہے کہ اس سے میں محبت کرتا ہوں۔"

بہلول نے کہا۔ "تو اس کا مطلب ہوا کہ تو میری پریشانی سے خوش ہو رہا ہے!"

قطب خان نے جواب دیا۔ "ایسا ہی سمجھ لو۔"

بہلول نے اچانک حمید خان کے پاس آنا جانا ترک کر دیا۔ حمید خان نے اسے بلوا بھیجا اور جب وہ دربار میں پہنچا تو حمید خان نے بہلول کو گلے سے لگا لیا۔ پوچھا۔ "کیا بات تھی؟ کیا تم مجھ سے ناراض ہو گئے ہو۔؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "نہیں تو ایسی کوئی بات نہیں۔ میں اپنے عروج و زوال پر غور کر رہا ہوں۔"

حمید خان نے مسکرا مسکرا کر بہلول کی طرف دیکھا۔ وہ بہلول کی پریشانیوں پر خوش ہو رہا تھا۔

اس لمحہ باہر سے لڑنے جھگڑنے کی آوازیں آنے لگیں ۔ ۔ ۔ بہت ساری آوازیں بحث و مباحثے میں الجھی ہوئی تھیں۔ حمید خان نے خدمت گار کو حکم دیا۔ "باہر جا اور دیکھ تو سہی یہ شور و غل کیسا ہے؟"

تھوڑی دیر بعد خدمت گار واپس آیا اور کہا۔ "حضور والا! چند افغانوں کا ایک گروہ دربانوں سے اس بات پر جھگڑ رہا ہے کہ جب ان کے چند بھائیوں نے دہلی کے نئے بادشاہ کا دیدار کر لیا ہے تو ان کی کیا خطا جو نئے بادشاہ کے دیدار سے انہیں محروم کیا جا رہا ہے اور وہ اس محرومی کو اب زیادہ دنوں تک نہیں برداشت کریں گے!"

حمید خان نے کہا۔ "تو ایک بار پھر باہر جا اور انہیں سمجھانے کی کوشش کر کہ نیا بادشاہ ان سے ضرور ملے گا۔ بس چند دن صبر کر لیں!"

خدمت گار نے کہا۔ "بہت خوب عالی جاہ! لیکن مجھے امید نہیں کہ وہ میری بات مان ہی لیں گے!"

حمید خان نے کہا۔ "اگر وہ نہ مانیں اور اندر آنے پر مصر ہیں تو انہیں اپنے ساتھ لے آنا، میں انہیں خود ہی سمجھا لوں گا۔"

خدمت گار چلا گیا لیکن کچھ دیر بعد ہی واپس آیا تو افغانوں کا جم غفیر اس کے ساتھ تھا اور یہ لوگ حمید خان کی حمایت میں نعرے لگا رہے تھے انھوں نے آتے ہی حمید خان کے ارد گرد طواف کرنا شروع کر دیا۔

بہلول اور قطب خان اپنی جگہ سے اٹھے اندر افغانوں کو ڈانٹنے لگے۔

بہلول نے کہا۔ "وحشیو! تم مجھ کو شرمندہ کیوں کر رہے ہو، خدا کے لیے باز آجاؤ!"

وہ مجمع کو چیرتا ہوا حمید خان کی طرف بڑھا۔ حمید خان افغانوں کے والہانہ اندازِ عقیدت سے بہت خوش تھا۔ وہ طاقت ور اور مہیب شکل افغان بہلول کے ساتھ حمید خان کے پاس گئے اور اپنے اپنے خنجر وہاں کی لڑکیں حمید خان کے گلے اور پیٹ میں آہستہ سے چبھوئیں۔ بہلول نے مسکراتے ہوئے ایک دوسرے افغان کو آواز دی "داؤد خان! زنجیر کہاں ہے؟ لانا تو!"

ایک تیسرا پٹھان زنجیر لیے ہوئے بہلول کے پاس جا کھڑا ہوا بہلول نے حمید خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس زنجیر کو دہلی کے نئے بادشاہ کے دونوں ہاتھوں میں ڈال دے۔" پھر حمید خان سے کہا۔ "بادشاہ سلامت! اب زیادہ وقت نہیں ہے۔ براہ کرم اپنے دونوں ہاتھ داؤد خان کی زنجیر کے حوالے کر دیجئے!"

داؤد خان نے کہا۔ "شورت کرنا ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے!"

حمید خان نے افغانوں کے ہجوم کے اس پار دیکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ انتہائی مایوسی اور دکھ سے اپنے دونوں ہاتھ داؤد خان کی طرف بڑھا دیئے، اس نے انہیں اپنی زنجیر سے جکڑ لیا۔ قطب خان بھی یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ یہ سب کیا اور کس طرح ہو گیا۔ قطب خان کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔

قطب خان نے ششدر ہو کر پوچھا۔ "بھائی بہلول یہ کیا؟"

بہلول نے کہا۔ "یہ باتیں تیری سمجھ میں نہیں آئیں گی تو نے میرا حربہ استعمال کر کے علاؤالدین کو تاج و تخت سے محروم کر کے حمید خان کو اور زیادہ طاقتور کر دیا تھا اور میں نے اپنا خود ساختہ داؤ چلا کے حمید خان کو نہایت آسانی سے ایک قطرہ خون بہائے بغیر مجبور اور بے بس کر دیا۔"

حمید خان نے بڑی مایوسی سے کہا۔ "بہلول! میں نے تجھ کو اپنا بیٹا کہا تھا، تو نے یہ کیا کیا؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "میں زندگی بھر اس کا پاس کروں گا اور تجھے قتل نہیں ہونے دوں گا۔"

حمید خان نے پوچھا۔ "کیا سچ سچ؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "ہاں سچ سچ!"

بہلول نے اسی دن آناً فاناً حمید خان کے بھائیوں اور حمایتیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن حمید خان کو زندہ رکھا۔ وہ قید خانے میں پڑا بیرونِ زندان سے بے خبر بہلول کا شکر گزار رہا جس نے اسے قتل نہیں کیا تھا۔

بہلول نے چند دن شب و روز کام کر کے دہلی پر قابو پا لیا اور جب اس کو یہ اطمینان ہو گیا کہ اب ہر شے اس کے قبضے میں ہے تو جمعہ کے خطبے میں علاؤالدین کے نام کے ساتھ ہی اپنا نام بھی شامل کرا دیا اس نے بادشاہ کو مطلع کر دیا کہ اب دہلی میں حمید خان کا عمل دخل نہیں رہا۔ اس نے بادشاہ کے بدخواہوں اور دشمنوں کو یا تو قتل کر دیا ہے اور یا پھر قید خانوں میں ڈلوا دیا ہے اور یہ کہ وہ خود بادشاہ نہیں بننا چاہتا مگر وہ بادشاہ کی طرف سے دہلی میں اس کی نیابت کے فرائض ضرور انجام دے گا۔ اور اسی نیابت کی وجہ سے اس نے خطبہ میں بادشاہ کے نام کے ساتھ ہی اپنا نام بھی داخل کرا دیا ہے۔

علاؤالدین بہلول کی تسلی دلانے سے یوں بہل گیا جس طرح کھلونوں سے روتا بسورتا بچہ بہل جاتا ہے۔

* * *

قطب خان بہلول کو اقتدار میں دیکھ کر دہل گیا۔ اب وہ ارجمند سے مایوس ہو چلا تھا۔ بہلول کے خوف نے اس سے ارجمند کے گھر کا راستہ تک بھلوا دیا تھا وہ کئی دن تک یہی سوچتا رہا کہ ان بدلے ہوئے یاس انگیز حالات میں اس کو کیا کرنا چاہیئے۔ اب اس کو یہ امید بھی نہیں تھی کہ ہادی اب بھی اپنی باتوں پر قائم ہوگا۔ قطب خان خوب جانتا تھا کہ ارجمند بذاتِ خود بہلول سے محبت کرتی ہے اور ہادی میں اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ ہندوستان کے بادشاہ بہلول پر اس

کے ناکام اور کمزور بھائی قطب خان کو ترجیح دے۔

وہ بہلول سے باتیں کرتے ہیں بھی ہچکچاہٹ اور ندامت محسوس کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بہلول اپنی ضد کا پکا اور ہٹ کا سچا ہے۔ اس نے اگر ارجمند کو پسند کر لیا ہے تو اس ارجمند کو بہلول سے کوئی بھی چھین نہیں سکتا۔ آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ بہلول کا ساتھ چھوڑ کر منہ کالا کر جائے۔

وہ رات کی تاریکی میں بہلول کی خواب گاہ کی طرف گیا اور محافظوں سے کہا۔ "بہلول سے کہو کہ اس کا بھائی قطب خان اس سے اس وقت چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہے!"

ایک ملازم بہلول کے پاس گیا اور کچھ دیر بعد مشروط اجازت لے کر واپس آ گیا۔ اس نے کہا۔ "بادشاہ بہلول نے حکم دیا ہے کہ اس کے بھائی کو غیر مسلح کر کے حاضر کر دیا جائے۔"

قطب خان کے دل پر ایک اور چوٹ لگی غصہ بھی آیا مگر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ دربانوں نے قطب خان کی تلاشی لی اور خنجر اور تلوار اپنے پاس رکھوالی۔ دو طاقتور محافظ قطب خان کو شانوں سے پکڑ کر اندر خواب گاہ میں لے گئے۔

قطب خان نے بہلول کی آنکھوں میں نیند نام کو بھی نہ دیکھی۔ وہ جاگ رہا تھا اور شاید کسی مسئلے پر غور کر رہا تھا۔ بہلول نے قطب خان کے دونوں شانے چھڑوا دیئے اور دربانوں کو حکم دیا کہ باہر نکل جائیں پھر قطب خان سے پوچھا۔

"بھائی قطب خان! مجھ سے کوئی خاص کام جو اتنی رات گئے زحمت کی۔"

قطب خان نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ "بھائی بہلول اب آپ بادشاہ بن چکے ہیں میں بہت دن آپ کے ساتھ رہ چکا مگر کل صبح میں یہاں سے چلا جاؤں گا میری آپ سے یہ آخری ملاقات ہے۔"

بہلول نے درشتی سے جواب دیا۔ "نہیں تم اپنی مرضی سے نہیں جا سکتے میری اجازت کے بغیر کوئی کہیں کس طرح جا سکتا ہے میں تمہیں اپنی خوشیوں میں شریک کرنا چاہتا ہوں۔"

قطب خان کانپ گیا۔ "اتنا ظلم نہ کیجئے آپ مجھ کو اپنی کن خوشیوں میں شریک کرنا چاہتے ہیں؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "میری زندگی میں ایک ہی تو ایسی خوشی ہے جو

تیری ناخوشی کا باعث بن جائے گی۔ ارجمند سے شادی خانہ آبادی۔ میں کل ارجمند کے گھر بات چیت طے کرنے جاؤں گا تو میرے ساتھ چلے گا؟"

قطب خان نے سختی سے جواب دیا۔ "میں وہاں نہیں جاؤں گا۔"

بہلول تڑپ کر کھڑا ہو گیا۔ "تو وہاں ضرور جائے گا تجھ کو میں لے جاؤں گا زبردستی اٹھوا کے۔ میں تجھ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کسی بھی شخص کو اپنے مقصد کی حصولیابی کے لئے کہاں تک آگے بڑھنا چاہیئے جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے میری زندگی میں خنجر کی نوک کو بڑی اہمیت حاصل ہے میں نے حکومت اور دولت خنجر کی نوک ہی سے حاصل کی ہے۔ ارجمند بھی خنجر کی نوک سے میرے پہلو میں چلی آئے گی۔"

قطب خان نے کہا "میں نے کئی بار سوچا کہ آپ کو قتل کر کے اپنی راہ سے ہٹا دوں افسوس کر گیا میں جانتا کہ آپ اتنے خود غرض اور سفاک ہیں تو میں آپ کو کبھی کا موت کے گھاٹ اتار چکا ہوتا۔"

بہلول نے جواب دیا "مجھے تیرے ارادوں کا علم رہا ہے اور میں اتنا آسان کبھی بھی نہیں رہا کہ تو مجھ کو قتل کر دیتا۔ میں نے تجھ کو اس وقت بھی غیر مسلح کر کے اپنے پاس آنے دیا ہے تو مجھے ابھی تک نہیں سمجھا۔"

قطب خان تھک ہار کر چپ ہو گیا۔ بہلول نے تالی بجا کر دربانوں کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ قطب خان کو صبح تک اپنی تحویل میں رکھا جائے اور اس کے فرار کی ساری راہیں مسدود کر دی جائیں۔ دربانوں نے قطب خان کو اپنے شکنجوں میں جکڑ کر قید خانے میں ڈال دیا۔ قطب خان کو رہ رہ کر بہلول پر غصہ آ رہا تھا مگر قہر درویش بر جان درویش۔

دوسرے دن صبح طلوع آفتاب کے ایک ساعت بعد بہلول قطب خان کو ساتھ لے کر ارجمند کے گھر پہنچا۔ ہادی اور مہدی نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ اور نہایت عزت و احترام سے بٹھایا۔ ارجمند سامنے نہیں آئی۔ بہلول نے پوچھا "یہ ارجمند کہاں ہے؟"

مہدی نے جواب دیا "اندر۔ کیا بلوایا جائے؟"

بہلول نے کہا "ہاں۔ اس کو بلوایا جائے!"

مہدی ارجمند کو بلانے چلا گیا۔ قطب خان نے عاجزی سے کہا۔

"اگر آپ لوگ محسوس نہ کریں تو مجھ کو کہیں اور بٹھا دیں کیونکہ میں ارجمند کی موجودگی میں یہاں نہیں بیٹھنا چاہتا۔"

ہادی اس کی شکل دیکھنے لگا۔ بہلول نے مسکرا کر کہا "اس کو کہیں اور بٹھا دو کیونکہ یہ حاسد میری باتوں سے خوش نہیں ہے۔ یہ کہنے کو تو میرا بھائی ہے لیکن بھائی کی خوشیوں سے کڑھتا ہے

حسد کرتا ہے جلتا ہے۔"

ہادی قطب خان کو برابر والے کمرے میں لے گیا۔

کچھ دیر بعد مہدی ارجمند کو لے کر آ گیا۔ بھاتی شرماتی ارجمند سر جھکائے بہلول کے سامنے بیٹھ گئی۔ بہلول نے اس کو پرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے ہادی سے پوچھا "ہادی اب میں اس ملک کا بادشاہ ہوں، ایک بادشاہ اور اس کا بھائی تمہارا مہمان ہے کیا یہ بات تم سب کی ہمت افزائی کا سبب نہیں ہے؟"

ہادی نے جواب دیا "کیوں نہیں، کیوں نہیں؟"

بہلول نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ "میں تم سب سے ارجمند کا رشتہ مانگنے آیا ہوں۔"

ہادی نے جواب دیا۔ "میں اس کا انتظار کر رہا تھا اور لطف کی بات یہ ہے ارجمند بھی آپ سے بے حد محبت کرتی ہے اس نے کئی بار غیر ارادی طور پر آپ کا نام بھی لیا ہے۔"

بہلول کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔ "تم لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو اور تمہارے ساتھ ارجمند بھی۔ میں ارجمند کا رشتہ اپنے لیے نہیں بھائی قطب خان کے لیے مانگ رہا ہوں۔ میری دو بیویاں تو پہلے ہی سے موجود ہیں اور پھر ابھی چند دنوں پہلے میں نے تیسری شادی بھی کر لی ہے۔"

ہادی نے بے اختیار پوچھا۔ "تیسری شادی کر لی ہے، وہ کس سے؟"

بہلول نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اس ملک سے، سلطنت سے، حکومت سے!"

ہادی مسکرا دیا مگر وہ بادشاہ کو چھوڑ کر اس کے بھائی کو ارجمند کا مستحق نہیں سمجھتا تھا بولا۔ "حضور والا! بادشاہ تو کئی کئی شادیاں کر لیا کرتے ہیں تیسری شادی تو وہاں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔"

بہلول نے سختی سے کہا۔ "میں تیسری چوتھی اور معلوم نہیں کتنی اور شادیاں کروں گا لیکن ارجمند کی شادی بھائی قطب خان ہی سے ہوگی میرا جان نثار وفادار اور سادہ لوح بھائی۔ وہ ارجمند سے بے پناہ محبت کرتا ہے، میں اس کو غمزدہ نہیں دیکھ سکتا۔"

ہادی نے کہا۔ "لیکن جناب ارجمند تو آپ سے . . . "

بہلول نے سختی سے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ ارجمند کس سے محبت کرتی ہے میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ بھائی قطب خان کو ارجمند سے محبت ہو گئی ہے اور ارجمند کو بھائی قطب خان سے منسوب ہو جانا چاہیے۔"

قطب خان کان لگائے بہلول کی باتیں سن رہا تھا۔ فرطِ جذبات میں وہ اٹھا اور بہلول کے ہاتھوں اور پیشانی کو بوسے دینے لگا۔ "بھائی بہلول آپ کتنے شاندار اور عظیم ہیں۔"

بہلول نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "بھائی قطب خان! میں تیری ہمت اور حوصلے کا امتحان لے رہا تھا میں نے تجھ کو گمراہ کر کے یہ جاننے کی کوشش کی کہ تو بہادر اور افغان قوم کا کتنا وفادار ہے تو امتحان میں پورا اترا اور اب میں اور میری قوم تجھ پر اعتبار کر سکتی ہے۔"

اس کے بعد بہلول نے ہادی سے کہا۔ "اب میں جاؤں گا تو شادی کی تیاریاں کر اور اس پر ناز کرتا رہ کہ ہندوستان کے بادشاہ بہلول لودھی کے بھائی قطب خان نے اپنی فرزندی کے شرف سے تجھے نواز دیا ہے۔"

ہادی اور اس کا بھائی مہدی دونوں اس رشتے سے خوش تھے لیکن اگر ارجمند بہلول سے منسوب ہو جاتی تو اور زیادہ خوشی محسوس کرتے۔

ارجمند سر جھکائے بیٹھی رو رہی تھی۔ اس میں ہلنے جلنے یہاں تک کہ نظریں تک اٹھانے کی ہمت نہ رہ گئی تھی۔ قطب خان بھی فرطِ جذبات سے آنسو بہا رہا تھا لیکن ارجمند اور قطب خان کے آنسوؤں میں بڑا فرق تھا۔ ایک کے آنسو پا جانے کی خوشی میں بہہ نکلے تھے اور دوسرے کی آنکھیں زندگی کی متاعِ عزیز کھو دینے کے غم سے لبریز ہو رہی تھیں۔